نعت رنگ

مدیر

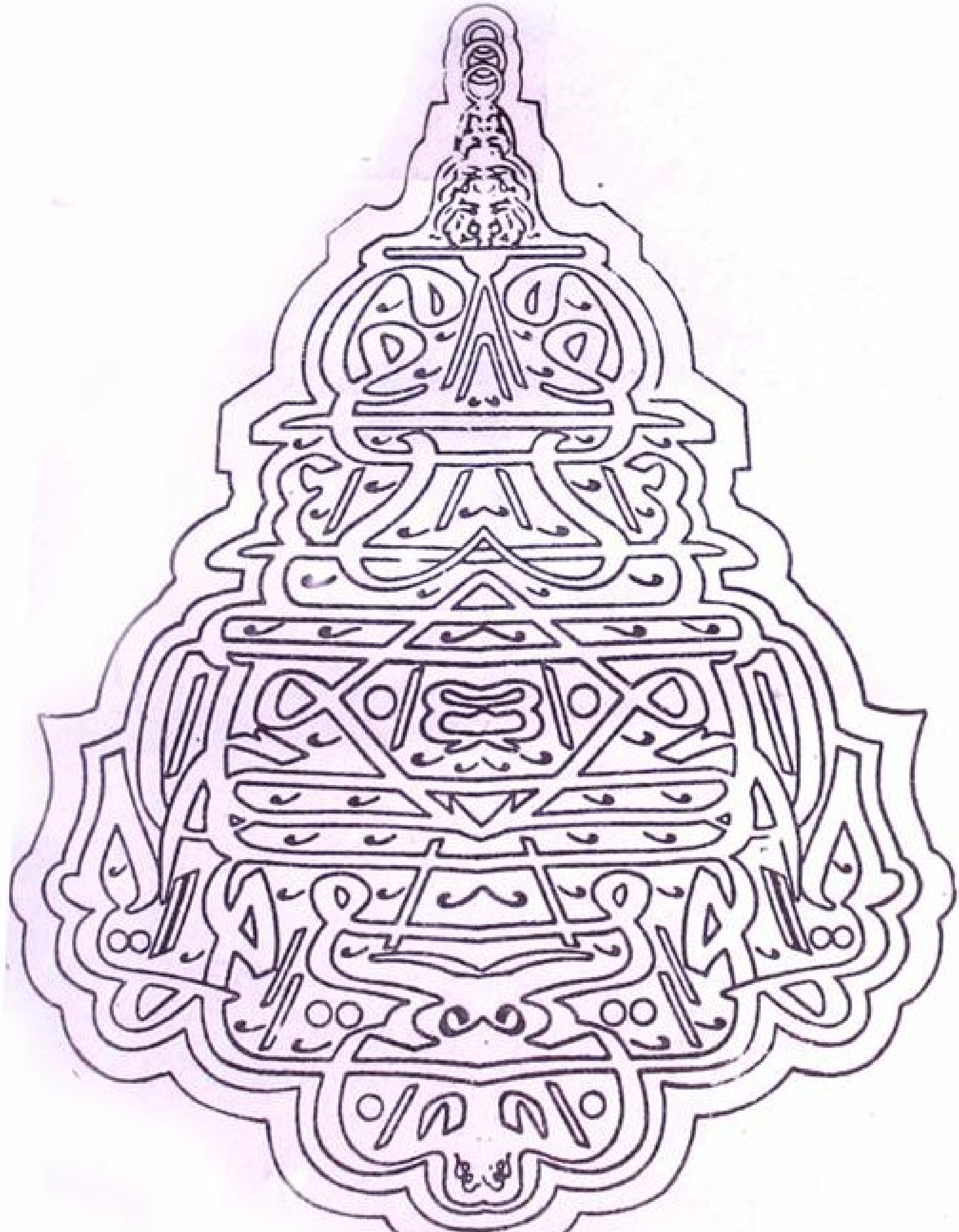
صبیح رحمانی

ورفعنا لك ذكرك

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعت رنگ

اقلیمِ نعت



جدید تر نعتیہ ادب کا اشاریہ

علمی و تحقیقی کتابی سلسلہ نمبر ۲

نعت رنگ

♥.... مدیر....♥

صبیح رحمانی

♥.... معاونت....♥

عزیز احسن، رشید وارثی، انور حسین صدیقی

♥.... مشاورت....♥

غوث میاں، شبیر احمد قادری، سید آلِ احمد رضوی، سعید بدر، جہاں آراء لُطفی، زاہد خان لودھی، غلام مُجتبیٰ احدی، نورالدین جنیدی، شبیر احمد خاں، محمد یوسف نوری

تعاون طاہرہ کشفی میموریل سوسائٹی

ناشر اقلیمِ نعت

۲۵-ای ٹی اینڈ ٹی فلیٹ فیز ۲ شادمان ٹاؤن ۲ شمالی کراچی

پوسٹ کوڈ ۷۵۸۵۰، فون ۶۹۰۱۲۱۲ کراچی

(ادارے کے تمام عہدیداران و اراکین اعزازی ہیں)

نعت رنگ شمارہ نمبر ۲

اشاعت اول۔ دسمبر ۱۹۹۵ء

قیمت 120 روپے

کمپوزنگ و پروڈکشن میڈیا کمپوزنگ سروس

تزئین کار رضی دہلوی

جلد سازی رحمت علی بک بائنڈنگ، ناظم آباد نمبر 2

تعاون طاہرہ کشفی میموریل سوسائٹی کراچی

ناشر اقلیم نعت

تقسیم کار میڈیا سروسز ۳۹۔ پریس چیمبر نزد روزنامہ جنگ
چندریگر روڈ کراچی فون ۲۶۳۴۳۳۴

مرتب و پبلشر صبیح رحمانی نے
ایس۔ اے۔ اے۔ پرنٹرز سے چھپوا کر صدر دفتر اقلیم نعت
۲۵۔ ای ٹی اینڈ ٹی فلیٹ فیز ۵ شادمان ٹاؤن نمبر ۲ شمالی کراچی ۷۵۸۵۰ فون نمبر ۶۹۰۱۲۱۲

اردو کی جدید نعتیہ شاعری کے ستارۂ صُبح

حضرت حفیظ تائب

کے نام

دھنک

تمجید

مقالات

حریم حرف

مطالعات نعت

فکروفن

مدحت

منظوم تراجم

خاکہ

گوشہ ڈاکٹر سید آفتاب احمد نقوی

تعزیت نامے

خطوط

ابتدائیہ

"یہ صدی نعت کی صدی ہے۔" "یہ عہد نعت کے فروغ کا عہد ہے۔" "نعت پر جتنا کام اس دور میں ہو رہا ہے گذشتہ ادوار میں نہیں ہوا۔"

ان جملوں کی گونج آج کل ادبی حلقوں میں سنائی دے رہی ہے اور کسی حد تک ان میں سچائی بھی ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ کیا اس دور کو نعت کا دور کہنے والوں نے اپنے بڑے سے بڑے نعت گو کے ادبی مقام و مرتبے کا تعین کرنے کی کوئی کوشش کی ہے؟ کیا دیگر اصناف سخن کی طرح نعت کے فکری اور فنی پہلوؤں پر علمی مباحث کو فروغ دینے کی طرف توجہ کی گئی ہے؟ کیا تاریخ ادب کے مرتبین نعت نگاری اور نعت نگاروں کے فکر و فن اور ادبی حیثیت کو اجاگر کر رہے ہیں؟ کیا آج کسی اہم سرکاری اور غیر سرکاری ادبی کانفرس میں کسی شاعر کو بحیثیت نعت نگار مدعو کیا جا رہا ہے؟

یقیناً جواب نفی میں ہو گا۔ حیرت اور دکھ تو اس بات کا ہے کہ آج بھی نعت کو دوسرے درجہ کی صنف سخن سمجھ کر اس پر سرسری گفتگو ہو رہی ہے۔ حالانکہ اس عہد کا نعتیہ ادب اتنا ہی زندہ اور متحرک ہے جتنا کہ دوسری اصناف ادب آج کا نعت گو مکمل عصری آگہی رکھتا ہے اور کرب ذات سے مسائل کائنات تک غور کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ انسانیت کو درپیش مسائل کے حل کے لیے سیرت اطہر کو اس بے چین اور سکون کی طالب دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے کہ یہی راستہ ہے جو نسل انسانی کی بقا اور فلاح کا راستہ ہے مسائل کائنات سے نبرد آزما دنیا اسلام اور رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت سے متاثر ہو کر دامن مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پناہ ڈھونڈ رہی ہے۔ ایسی صورت حال میں ادبی تناظر میں نعتیہ ادب کا مطالعہ اس صنف سخن کے ساتھ ہی نہیں بلکہ پورے ادب کے ساتھ انصاف کے مترادف ہو گا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے نقاد ہمارے اس گراں مایہ نعتیہ سرمائے کو انتقاد کی کسوٹی پر پرکھ کر اس کے معنوی اور فنی پہلوؤں کو دیکھیں اور اس میں ہیت کے تجربوں اور تازہ کاری کے رجحان کو نظر میں رکھ کر اس کی صحیح قدر و قیمت کا تعین کریں۔

الحمد للہ "اقلیم نعت" نے "نعت رنگ" کے ذریعے اس کام کا آغاز کر دیا ہے۔ تحقیق اور تنقید کے رنگوں سے مزین "نعت رنگ" اہل علم و فن کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب رہا ہے۔

ادب پر لکھنے والے حضرات اور ہمارے قاری اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے اس تحریک میں شریک ہو کر ادب کی اس اہم روایت کو آگے بڑھانے میں مدد کریں کہ نیکی اور سعادتوں کے باب میں تعاون قرآن کا حکم بھی ہے۔

نئے دکھ

گذشتہ دنوں ہمارے ادبی افق پر سے کئی تابناک ستارے موت کی اندھیری وادی میں گم ہو گئے چل چلاؤ تو لگا ہی ہوا ہے لیکن نعت کے حوالے سے حضرت عبدالعزیز شرقی' اختر لکھنوی کا غم ہی کیا کم تھا کہ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کے قتل کی خبر بھی دل کا زخم بن گئی۔

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے دور کی پیش گوئی فرمائی تھی۔ جب قاتل کو علم نہ ہو گا کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے' اور مقتول کو معلوم نہ ہو گا کہ اسے کس لیے قتل کیا جا رہا ہے؟

ان حالات میں کسی کا درجہ شہادت پر فائز ہو جانا اللہ کا انعام خاص ہے۔ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی ۲۸ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو اپنے ایک دوست مقبول کاوش کے ساتھ گورنمنٹ کالج شاہدرہ (لاہور) جاتے ہوئے قاتلوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ موت کے بارے میں یہ بات تو ہمارے ایمان کا جز ہے کہ موت اپنے وقت سے ایک لمحہ پہلے آتی ہے نہ ایک لمحہ بعد۔ اصل بات تو یہ ہے کہ کس دھج سے کوئی مقتل میں گیا۔ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی جب تک زندہ رہے اعلیٰ اقدار حیات کی صداقت کی شہادت دیتے رہے نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی "اوج" سامانیوں کی شہادت دیتے رہے۔ اس بات کی شہادت دیتے رہے کہ اس دور پُرفتن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے کسی نہ کسی حد تک اپنے اخلاق کا رشتہ جوڑا جا سکتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کے مدعی ہمارے معاشرے میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ہیں مگر ان میں سے کتنے ہیں جن کو دیکھ کر مسلمان کی یہ شناخت سامنے آسکے۔

ہو حلقہ یاراں تو بہ ریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

آفتاب نقوی جس وقت شہید ہوئے۔ اس وقت وہ کالج جا رہے تھے یہ ادائے فرض کا راستہ تھا۔ مسلمان کی زندگی حقوق و فرائض کی ادائیگی کی ایک مسلسل زنجیر ہے اور علم کے راستے کو ہماری شریعت نے ویسے بھی جہاد کا راستہ کہا ہے۔

نعت کے حوالے سے سید آفتاب احمد نقوی کا نام گورنمنٹ کالج شاہدرہ کے مجلّے اوج کے نعت نمبر کے حوالے سے سامنے آیا نہ جانے وہ کون سی مبارک گھڑی تھی جب اس مجلّے کا نام "اوج" رکھا گیا۔ یہ مجلّہ دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوا اس کو دیکھ کر ایک تخلیقی اور مضبوط منصوبہ بندی کا احساس ہوتا ہے۔ پہلی جلد میں عربی' فارسی' اردو اور پنجابی نعت گوئی کا انتخاب اور پاکستان کے مختلف نعتیہ مرکزوں پر خاصے تفصیلی مضامین شائع ہوئے ہیں دوسری جلد انتخاب کے ساتھ ساتھ تنقیدی مضامین بھی اپنے دامن میں رکھتی ہے اوج کا یہ نعت نمبر نعت کے سلسلے میں ایک حوالے کی کتاب کا درجہ رکھتا ہے۔

مولانا عبدالعزیز شرقی نے کم و بیش ۲۵ سال مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تسلسل کے ساتھ

گزاری اس سے پہلے انہوں نے کئی حج اور عمرے کئے مولانا برصغیر کے ان عظیم صوفیا میں سے ہیں جنہیں جنت بقیع میں جگہ ملی اپنے بیٹے کو انہوں نے وصیت کر رکھی تھی کہ اگر میں بیمار پڑوں اور ہوش میں نہ رہوں تو علاج کے لیے مجھے حدود حرم سے باہر نہ لے جانا۔ مولانا شرقی کا نعتیہ مجموعہ "فیوض الحرمین" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ جس کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ اس مجموعے میں مولانا سید ابو اعلیٰ مودودی اور مولانا سید ابو الحسن ندوی جیسے اکابرین کے مقدمے شامل ہیں۔ مولانا شرقی جماعت اسلامی کے بنیادی رکن تھے لیکن جب جماعت سے اختلاف ہوا تو خاموشی سے علیحدہ ہو گئے مگر زندگی بھر جماعت یا مولانا مودودی کے خلاف کچھ نہ لکھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس غلام کو اپنے آقاؐ کی ثنا خوانی سے فرصت ملتی تو کسی اور کا ذکر کرتا۔ ایک بار مدینے کے گورنر کے دفتر سے حکم ملا فوراً وطن واپس جاؤ شرقی صاحب مواجہ شریف پر جا کر بیٹھ گئے اور ایک اردو اور ایک فارسی نعت کہی فارسی نعت کے ایک مصرعے میں اپنا عریضہ اس طرح پیش کیا۔ ہر در تو نشستہ ام از در تو کجا روم

ترجمہ: "میں تو آپؐ کے دروازے پر بیٹھ گیا ہوں آپؐ کے دروازے سے کہاں جاؤں"

اگلے دن گورنر کے دربار میں پیشی ہوئی گورنر نے چہرہ دیکھا اور کہا کہ شیخ کو اجازۃ العبادہ دیا جائے یوں مولانا عبدالعزیز شرقی مدینے کی مکین بن گئے۔

اختر لکھنوی بہت دنوں تک مشاعروں کے اسیر رہے مگر پھر ان کا عشق پھیل کر اور وسیع ہو کر عشق سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پیکر میں ڈھل گیا اور ان کے وقت کا بیشتر حصہ نعت گوئی میں صرف ہونے لگا۔ کئی مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت کے لیے گئے۔ ذاکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار میں اخلاقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نمود نظر آنے لگی کوئی تنقید کرتا تو سن کر خاموش ہو جاتے۔ زبان کی یہ نگہداشت آج کے معاشرے میں کم نظر آتی ہے۔ وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے لیکن ان کے تین شعری مجموعوں میں سے دو مجموعے سرکارؐ اور حضورؐ نعتیہ شاعری پر مبنی ہیں جو ان کی نعتیہ شاعری کے ذوق کا مظہر ہیں ان کا یہ شعر تو میرے لوحِ دل پر نقش ہو کر رہ گیا ہے۔

سچ تو یہ ہے ہمیں اچھا نہ لگا اے اختر
ہم سے پہلے درِ سرکارؐ پہ جانا دل کا

مدینے سے اس دلی تعلق کا ثبوت اختر لکھنوی نے یوں بھی فراہم کیا ہے کہ جس دن انہوں نے داعیِ اجل کو لبیک کہا ان کے ہوائی جہاز کے ٹکٹ پر حرمین شریفین روانگی کی تاریخ بھی وہی درج تھی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ نعتِ احمدؐ را

آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

صبیح رحمانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ

الرَّحِیْمِ ۙ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ؕ اِیَّاکَ

نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ؕ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ

الْمُسْتَقِیْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۙ ۵

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ؑ

اے خدا

احمد ندیم قاسمی

اے خدا!
میری دعا ہے
کہ میں جب تجھ کو پکاروں
تو مری رات کے ماتھے پہ
ترے نام کا سورج
دہکے!

اے خدا!
میری دعا ہے
کہ کسی صبح
جب آنکھیں کھولوں
میری سانسوں میں
ترے قرب کا گلشن
مہکے!

اے خدا!
میری دعا ہے
کہ گجردم کی پراسرار فضاؤں میں
ترا نطق
کسی شاخِ برہنہ پہ اترتی ہوئی چڑیا کی طرح
میرے دل میں
کسی بے نام سے احساسِ مسرت سے
مسلسل ------
چہکے!

اے خدا!
میری دعا ہے
کہ تو افلاک سے اک بار
بس اک بار اتر کر
مرے صحراؤں پر
اوس میں بھیگے ہوئے سبزہ نورستہ کی مانند
میری حدِ نظر تک
لہکے!

○

حفیظ تائب

حمد کب آدمی کے بس میں ہے ایک حسرت نفس نفس میں ہے
فکر کیا سوچ کر ہے بال کُشا جس کی پرواز ہی قفس میں ہے
دو جہاں جس کے تابعِ فرماں کب کسی کی وہ دسترس میں ہے
ہے بقا اس کی ذات کو شایاں جلوہ فرما وہ پیش و پس میں ہے
اس کی موجِ کرم سے ہی تائب زیست کی لہر خار و خس میں ہے

○

صبیح رحمانی

وہ نیتوں میں چھپے خیر و شر کو تولتا ہے قریب رہتا ہے سازِ نفس میں بولتا ہے
جمال ہم کو دکھاتا ہے اُجلی صبحوں کا وہی جو آنکھ کٹوری میں نیند گھولتا ہے
وہی جو رات کی دہلیز پر سویرے تک چراغِ ماہ جلاتا، نجوم رولتا ہے
اسی کی یاد دکھاتی ہے ساحلِ تسکیں غم و الم کے سمندر میں دل جو ڈولتا ہے
صبیح دے کے تجسس کی روشنی ہم کو وہ ہم پہ اپنی خدائی کے بھید کھولتا ہے

نعت کا مثالی اسلوب نظم

حافظ محمد افضل فقیر

اللہ رب العزت نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت عالم بنا کر بھیجا ہے۔ عالم ان گنت ہیں ہر نوع خلق کا عالم جدا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک قطعہ ارض پر آباد دس افراد دس مختلف عالموں کے مکیں ہوں۔ پھر ہر لحہ ایک عالم وجود میں آتا ہے اور دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ اس طرح عوالم کے ایجاد و اعدام کا ایک سلسلہ جاری ہے، نظریات و خیالات کا بھی عالم ہے اور ایسے عالم بھی ہیں، جو ہنوز ورائے ادراک ہیں۔ بہر حال ہم جس عالم کا بھی تصور کر سکتے ہیں، جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت اس کے لیے پہلے سے موجود ہے۔ پھر انتہائے عنایت ربانی دیکھیے کہ ہنوز عالم کا وجود متصور نہیں، مگر حضور فخر موجودات علیہ الصلوۃ والسلام کی رحمت اسے نوازنے کے لیے جلوہ فرما ہے۔ عالم اسلام پر جب بھی دور ابتلا آیا، آپ کی رحمت نے افراد امت کے دیدہ و دل کی تسکین فرمائی۔ بالفاظ دیگر آپ کی ردائے رحمت ہم ستم زدگان گردش ایام پر برابر تنی رہتی ہے اور یہ سلسلہ ابدالآباد تک جاری رہے گا۔ زمان و مکاں ختم ہو جائیں گے، مگر رحمت عالم کی فیض رسانی جاری رہے گی کہ حشر و نشر بھی تو عالم ہی کے تحت آتے ہیں۔ جب رحمت کی کرن آفت رسیدگان روزگار پر پڑتی ہے اور غبار کلفت دھل جاتا ہے تو وہ لطیف ارواح، جن کی قوت مدرکہ پاکیزہ ہوتی ہے، کسی حد تک اس رحمت کا ادراک کر لیتی ہیں اور بطور سپاس جناب رسالت مآبؐ کے حضور مدحت سرا ہو جاتی ہیں۔ قلوب آپ کی محبت، تعظیم اور طاعت سے سرشار ہو جاتے ہیں، خوش نصیب افراد آپ کے اسوہ مبارکہ کے اتباع کی دعوت دیتے ہیں اور یوں سیرت نبویؐ پر نظم و نثر کے تابناک شہ پارے وجود میں آتے ہیں۔ انفرادی و اجتماعی طور پر نعت کے محرکات یہی ہیں۔

نعت کے علاوہ دیگر اصناف سخن اور انہیں فروغ دینے والے نفوس کا تجزیہ لابدی ہے کہ نعت اور نعت گو حضرات کی امتیازی و انفرادی حیثیت مبرہن ہو سکے۔ اس بحث کے تحت درج ذیل حقائق آئینہ ادراک میں متشکل ہوتے ہیں:

ا ۔ شاعر کی شخصیت اور کلام ہر دو عظیم ہوتے ہیں۔

ب ۔ سخنور کا کردار غیر معیاری ہوتا ہے، مگر کلام اعلیٰ اور وقیع ہوتا ہے، گویا شخصیت شاعر اس کے کلام سے منفک ہوتی ہے۔

ج ۔ شاعر کی شخصیت قابل احترام ہوتی ہے، مگر اشعار میں کہیں کہیں ابتذال در آتا ہے۔

د ۔ شعر و شاعر ہر دو سبک ہوتے ہیں۔

پہلی شق فطرت کے عین مطابق ہے کہ اس میں شخصیت و کلام لازم و ملزوم ہیں، ان کے پس منظر میں پاکیزگی

کردار اور صفائے باطن کا عنصر کار فرما نظر آتا ہے اور یہ کیفیت اہل اللہ کے مقامات کی مظہر ہے۔

دوسری صورت قدرے وضاحت طلب ہے کہ اس میں شاعر اپنی شخصیت کے معائب سے یکسوئی خیال کے ذریعے نکلتا ہے اور بالآخر اس روحانی فضا تک جا پہنچتا ہے، جس پر زمین کے منفی متعلقات اثر انداز نہیں یہ ارتقائے فکر کے ثمرات ہیں اور فطرت الہیہ نے سارے عالم انسانیت کو یکساں طور پر ان کمالات سے نوازا ہے بایں ہمہ ہر دو صورتوں میں ایک حد فاصل بھی متعین ہے، جو نص قرآنی سے مستنبط ہے۔ ارشاد باری ہے :

ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنھار لایت لاولی الالباب○ الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السموت والارض ط

ترجمہ : بے شک زمین آسمانوں کی تخلیق اور شب و روز کے اختلاف میں ارباب دانش کے لیے نشانیاں ہیں، جو اٹھتے بیٹھتے اور پہلوؤں پر لیٹے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور زمین اور آسمانوں کی تخلیق میں فکر کرتے ہیں۔

آیہ مذکورہ ایک عظیم حقیقت کی نشاندہی کر رہی ہے وہ یہ کہ مسلمات و حقائق کے عالم تک رسائی صرف ان ارباب دانش ہی کو میسر آسکتی ہے، جو ذکر الہٰی کی کیفیات سے بہرہ ور ہونے کے بعد انفس و آفاق میں فکر کرتے ہیں۔ نتیجہ انہیں گہرہائے معنی تک دسترس نصیب ہو جاتی ہے۔

پہلی صورت میں ذکر کی کیفیت اور فکر کی لطافت کا امتزاج ہے، جس کی تائید منصوص ہے، جب کہ دوسری صورت میں فکر کی رسائی تو موجود ہے، مگر ذکر ربانی کی تائید کا فقدان ہے۔ تیسری صورت، جس میں کلام ایک شاعر کی شخصیت کی کامل عکاسی نہیں کرتا، اس میں شاعر کے مستغنیانہ طرز فکر اور بے پروا خرامی کا عمل دخل ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ فن شعر کے آداب اور مقتضیات سے صرف نظر کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر ذائقے کی تبدیلی کے باعث سہواً "یا قصداً" اس کے کلام میں گاہے گاہے سوقیانہ پن رونما ہوتا ہے۔ چوتھی کیفیت عامیانہ ہونے کے سبب خارج از بحث ہے۔

ان تمام امور کا تذکرہ اس لیے ضروری تھا کہ صنف نعت اور نعت گو حضرات کے امتیازی مقام کو واضح کیا جائے اور ان کی جداگانہ ہیئت متبیں ہو۔ دیگر اصناف سخن کی طرح نعت اور نعت گو کے باہمی ربط کا تجزیہ بھی خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ شاعر کے کردار کی پاکیزگی صفائے باطن اور اخلاص عمل کی تاثیرات اس کے پیکر نعت میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ ایک صاحب ذوق عارف کسی صنف سخن میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کرے، متصوفانہ نظریات سے اس کا کلام لبریز نظر آئے گا۔ پھر صنف نعت تو باطنی ارادت کی عظیم ترین ترجمان ہے۔ ایک مرتبہ مولانا غلام قادر گرامی نے علامہ اقبال علیہ الرحمہ کو لکھا کہ حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ کی زمین میں شعر لکھنے کے لیے ان کا وجدان اور تقوی کہاں سے لاؤں۔ معلوم ہوا کہ عظمت تقوی اور بلندی کردار شہ پارہ نظم پر اس طرح متجلی ہوتے ہیں کہ پھر اس کی تقلید بھی از قبیل محالات ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ عمومی طور پر دیگر نعت گو حضرات بھی ہیں۔ ان کی کاوش بھی قابل ہزار تحسین ہے کہ ان کے سینوں میں اقرار

توحید و رسالت موجود ہے' جو معارف نعت کا مخزن ہے' پھر اس کے ساتھ احساس گناہ گاری بھی ہے جو توبہ و انابت کی اصل ہے اور احساس ندامت ایک ایسا لامعہ نیاز ہے' جس کی سرحدیں الطاف ذات لم یزل کو مماس ہیں۔ ویسے بھی ہر کلمہ گو پر واجب ہے کہ اپنے ولی نعمت کا سپاس گزار رہے۔ ہر وہ امتی' جس کی زبان یا قلم سے کوئی مدحیہ کلام بہ صورت نظم و نثر صادر ہو ایک سپاس گزار ناعت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے کرم فرما ڈاکٹر ریاض مجید کو ہمیشہ خرم و خوش دل رکھے' موصوف سے فیصل آباد میں ملاقات ہوئی تو فقیر نے انہیں اس نظریئے کا کہ کلام منظوم ہو یا منثور' نعت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہے' سب سے پہلا موئید پایا۔ سبحان اللہ! کیا انداز ارادت اور کیسی بلندی خیال ہے۔ ان کے اس موقف کی اساس مجھے شمائل ترمذی میں نظر آئی۔ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک تفصیل سے بیان کرنے کے بعد آخر میں یوں فرمایا: یقول ناعتہ لم ار قبلہ ولا بعدہ مثلہ یہاں لفظ ناعت محل تعمیم میں داخل ہے اور کسی منظوم کلام لکھنے والے پر اس کا حصر نہیں۔

مداحان حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف و امتیاز اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا کہ کلام الٰہی میں جس زمرہ شعراء پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے' وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ سورہ شعراء کی آخری آیات' جن میں اہل سخن کی مذمت اور استثناء مذکور ہے' کا متن اس طریق پر ہے:

والشعراء یتبعھم الغاون ○ الم تر انھم فی کل وادیھیمون ○ وانھم یقولون
مالا یفعلون ○ الا الذین امنوا وعملوا الصلحت وذکروا اللہ کثیرا وانتصروا
من بعدما ظلموا وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ○

ترجمہ : اور گمراہ لوگ شاعروں کی پیروی کرتے ہیں۔ اے مخاطب! کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ (خیالی مضامین کے) ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں' جو کرتے نہیں' مگر جو لوگ ایمان لائے' اچھے کام کیے اور انہوں نے (اپنے اشعار میں) کثرت سے اللہ کا ذکر کیا پھر بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا اس کا بدلہ لیا اور عنقریب وہ لوگ' جنہوں نے ظلم کیا' جان لیں گے کہ انہیں کس جگہ لوٹ کر جانا ہے۔

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی بغدادی ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

حضرت عبداللہ بن رواحہ' حضرت حسان بن ثابت اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہم بارگاہ نبوی میں باچشم نمناک حاضر ہو کر گویا ہوئے: حق تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہم شعراء ہیں' ہم تو ہلاک ہو گئے' پھر اللہ تعالیٰ نے آیت استثناء اتاری تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں بلایا اور اس آیت کو ان پر تلاوت فرمایا۔

اس سے آگے آیت استثناء کی تفصیل مزید صاحب روح المعانی ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

(اس آیت میں) نیک اہل ایمان شعراء کی استثناء ہے' جو خداوند بزرگ و برتر کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں' ان کے اکثر اشعار توحید اور حمد باری تعالیٰ میں ہوتے ہیں۔ ان میں طاعت' حکمت' موعظت اور دینوی امور سے

احتراز کی ترغیب ہوتی ہے۔ دنیا کے فانی فوائد میں ابتلاء' اس کے مزخرفات پر فریفتگی اور اس کی وابستگی سے ڈرایا جاتا ہے اور جو اجور اللہ تعالیٰ کے ہاں (باقی رہنے والے) ہیں' ان کا شوق دلایا جاتا ہے۔ جناب رسالتمآبؐ کے محاسن و محامد اور آپ کے معجزات کا ذکر ہوتا ہے تاکہ سامعین کے سویدائے قلب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت موجزن ہو اور ان کا ولولہ و جوش آپ کے اتباع' اہل بیت عظامؓ' صحابہ کرامؓ اور صلحائے امت کی توصیف و ثنا کے بیان میں افزوں ہو۔

اردو اور فارسی کے کلاسیکی شعراء نے اس امر کا التزام کیا تھا کہ اپنے دواوین کا آغاز حمد و نعت سے کرتے اور اس کے بعد غزلیات لکھتے' مثنوی نگاری میں بھی یہی اہتمام تھا کہ حمد و نعت کے بعد متعلقات موضوع پر اظہار خیال کیا جاتا تھا۔ شعرائے اردو نے صنف نعت کے ابتدائی دور ارتقاء میں صلوٰۃ و سلام پر مبنی اشعار لکھے' جو محافل نعت اور مجلس میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زینت و تنویر کا موجب بنے' یوں عامتہ المسلمین اور متوسط درجہ کے خواندہ طبقہ کی ایمان افروزی اور جلائے قلبی کا سامان مہیا ہوا۔ غلام امام شہید کا نام اس ضمن میں سرفہرست ہے ظاہر ہے' قصیدہ مثنوی طویل منظومات اور بلند پایہ مضامین سیرت' جو خاصی حد تک عام ذہن سے بالا تر ہیں' جداگانہ مقام و محل کے متقاضی تھے۔ امیر مینائی اور محسن کاکوروی دونوں بزرگ اس میدان میں سابق بالخیرات ہیں مولانا کفایت علی کافی' مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور ان کے معاصرین نے گلزار نعت کو علم و آگہی اور عشق و شیفتگی کے گلہائے رنگ رنگ سے آراستہ کیا۔ مولانا الطاف حسین حالی نے مسدس لکھ کر اس روش کو درخشندہ تر کیا' اس زار نالی نے اہل اسلام کے سینوں میں بیداری کی ایک لہر دوڑا دی اور افراد امت میں اسلامی شان و شوکت کی بازیابی کے لیے ایک تحریک پیدا کی۔ مسدس کے اشعار کا پس منظر قرآنی آیات احادیث مبارکہ' حقائق کائنات اور شواہد تاریخ سے تابناک ہے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ کی شاعری کا منبع و مصدر بھی سنت نبوی کا اتباع' زندگی کو سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھالنے کا عزم صمیم' اسلامی اقدار کا احیا اور مسلسل جدوجہد ہے۔ ظفر علی خاں مرحوم کا نعتیہ کلام' رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ارادت قلبی اور دردمندی باطن کا حسین و جمیل مرقع ہے۔ اس کلام کے علاوہ دوسری منظومات' جن کا موضوع تحفظ ناموس ختم نبوت ہے' اردو ادب کے زندہ جاوید شہکار ہیں۔ حفیظ جالندھری کا شاہنامہ تاریخ اسلام کے واقعات اور عہد نبوی کے غزوات کو اس طرح روشن کرتا ہے کہ ان کی شان و شوکت قاری کے نہاں خانہ قلب میں اترتی چلی جاتی ہے۔ یہ سب تجلیات نعت ہیں' جو محامد مصطفویہ کے انوار سے مستفاد ہیں۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر انسانیت بن کر عالم امکاں میں تشریف لائے' قرآن حکیم کے کلمات قدسیہ: قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا اس حقیقت کے ترجمان ہیں۔ مذکورہ بالا ارشاد ربانی سے یہ مفہوم روز روشن کی طرح ابھرتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلا کی سیرت اطہر میں عالم انسانیت کو پیش آنے والے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ عصر حاضر میں مادے کے تجربات اپنے عروج پر ہیں' جن کے باعث انسانیت کے سر پر ہلاکت انگیزیوں کے بادل منڈلا رہے ہیں ہر سخن ور' صاحب طرز ادیب اور صحافی اس

للکار کا مقابلہ کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے حیات بشر کی بقا' اقدار انسانی کی نگہداشت اور خیر خواہی اولاد آدم دور حاضر کے دل گداز اور جاں گسل مسائل ہیں۔ شاعر جب قلم اٹھاتا ہے تو اس کا لاشعور اسے ان گتھیوں کو سلجھانے کی دعوت دیتا ہے۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم محسن انسانیت ہیں اور حضور کی ذات اقدس و اطہر میں انسانیت نوازی کے تمام جواہر پوری شان کے ساتھ جلوہ ریز ہیں لہٰذا دور حاضر کا نعت گو انسانیت کی دم توڑتی اقدار کے لیے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے زندگی کی بھیک مانگتا ہے اور شکستگی خاطر کی مداوا طلبی کرتا ہے۔ یہ امر اہم ہونے کے ساتھ نازک تر بھی ہے اور بے حد احتیاط کا متقاضی بھی۔ اس بات کا اندیشہ ہر وقت لاحق رہتا ہے کہ نعت گو شاعر انسانیت کی غمخواری اور امن و آشتی کی علمبرداری میں کہیں عزم و ہمت کو بے دست و پانہ کر دے اور قوم کو تعطل کی طرف نہ لے جائے' جس سے اسلام کی مجاہدانہ روح مجروح ہو جائے کہ احقاق حق اور ابطال باطل منصوص ہے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے کیسی عمدگی سے اس مقام کی نوعیت کو واضح فرمایا ہے۔

دلبری بے قاہری جادو گریست
دلبری با قاہری پیغمبر یست

ارض پاک کا یہ دور' نعت کا دور ہے۔ انفرادی و اجتماعی طور پر دفع ابتلاء کی خاطر ہر لحہ بوساطت نعت تگ و تاز جاری ہے' کم و بیش تمام ملکی رسائل و جرائد نعتیہ کلام کے انوار سے تابناک ہیں اور صنف نعت ادبی حیثیت سے ارتقاء کے اس بلند مقام تک جا پہنچی ہے کہ ماضی میں اس کی مثال نہیں ملتی ہم اسے ازروئے ایمان التفات جناب فخر موجودات سمجھتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے مقامات سیرت اور مکارم اخلاق کا احاطہ ناممکن ہے۔ امت مسلمہ اگر تا قیامت آپ کے شمائل و محامد تحریر کرتی رہے تو پھر بھی وہ اپنے عجز بیان کی معترف رہے گی۔ چونکہ صنف نعت کی پیش رفت کا سلسلہ جاری ہے' لہٰذا اس ضمن میں چند مسلمات کا ذکر ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔ یہ وہ مسلمات ہیں' جو روح ارادت اور متقضیات صنف نعت ہیں:

ا ۔ نعت گو کے لیے ضروری ہے کہ وہ نعت کا آغاز دیگر اصناف سخن کی طرح عام انداز اور روایتی ڈگر سے نہ کرے۔ مطلع میں متعلقات نعت سے کوئی مضمون باندھے یا اس میں کسی قسم کا ایسا اشارہ موجود ہو' جو نعت پر دلالت کرے' بالفاظ دیگر نعتیہ کلام کا مطلع نعت کے علاوہ کسی دوسری صنف سخن پر چسپاں نہ ہو سکے۔

ب ۔ اگر نعت کا آغاز صیغہ غائب سے ہو تو آخر تک اس تسلسل کو برقرار رکھا جائے۔ اگر آغاز صیغہ حاضر سے ہے تو اس التزام میں انقطاع رونما نہ ہو کہ بارگاہ نبوی میں مدحت سرا کا حضور جس انداز کا متقاضی ہے' عالم غیاب میں اشتیاق حضوری کا آہنگ بلاشبہ اس سے مختلف ہونا چاہئے۔

ج ۔ نعتیہ اشعار میں صیغہ واحد غائب' جمع غائب اور صیغہ واحد حاضر' جمع حاضر کا استعمال اکابر شعرائے نعت کے ہاں بکثرت ہے' اسے سوءِ ادب پر محمول کرنا درست نہیں کہ نظم کے متقضیات بہرحال نثر سے متفاوت

ہیں۔ البتہ نثر میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ کا استعمال لازمہ ادب و احترام ہے۔ جن لوگوں نے اپنے منظوم کلام میں ان صیغوں کو جگہ دی ہے، وہ سرشار عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ہم یہ تصور بھی نہیں کرسکتے کہ انہوں نے آپ کی شان اقدس میں کسی قسم کی بے ادبی کو روا سمجھا ہو۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے بانگ درا میں اپنی نظم صدیق رضی اللہ عنہ کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔

بولے حضورؐ چاہئے فکر عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار
اے تجھ سے دیدہ مہ وانجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعث تکوین روز گار

اس کے علاوہ یہ شعر ملاحظہ ہو۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

مرزا غالب نے کہا ہے۔

اس کی امت میں ہوں میں، میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا!

ظفر علی خاں مرحوم کی وہ نعت، جس کی ردیف صیغہ جمع حاضر میں ہے، زبان زد خلائق ہے۔ اس کا مطلع یہ ہے۔

دل جس سے زندہ ہے، وہ تمنا تمہی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو

د - مدینہ مسکن جناب فخر موجودات علیہ افضل التحیات واکمل التسلیمات ہے۔ اس شہر رحمت کا سابقہ نام یثرب تھا، جس کی اصل کا مفہوم ملامت کرنا اور گناہ پر عار دلانا ہے۔ لسان العرب میں ہے نوردی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نہی ان یقان للمدینہ یثرب و سماھا طیبہ کانہ کرہ الثرب لانہ فساد فی کلام العرب حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے تاریخ مدینہ میں اس کی مبسوط اور جامع تحقیق فرمائی ہے، ہم اس کی عبارت من وعن درج کیے دیتے ہیں:

امام بخاریؒ کی تاریخ میں ایک حدیث آئی ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ یثرب کہے تو اس کو لازم ہے کہ اس کی تلافی اور تدارک میں دس مرتبہ مدینہ کہے اور امام احمد اور ابویعلی نے روایت کیا ہے کہ اگر کوئی شخص مدینہ کو یثرب کہے تو چاہئے کہ جناب باری تعالیٰ میں استغفار کرے، اس کا نام طابہ ہے انہی روایات کے مثل دوسری بھی آئی ہیں۔ لفظ یثرب سے کراہت کی وجہ اس کا مشتق ہونا ثرب کی وجہ سے ہے تثریب سے، جس کے معنی مواخذ، اور عذاب کے ہیں۔ ان سب باتوں کے علاوہ یثرب ایک کافر کا نام بھی ہے۔ لہٰذا اس کے نام پر اس مقام

شریف کا نام رکھنا' جس کی عزت غبار شرک اور کفر سے پاک وبری ہو' کسی طرح مناسب نہیں ہے اور جو کہ قرآن مجید میں آیا ہےیٰاَہل یثرب لا مقام لکم بعضے منافقوں کی زبان سے ہے کہ مدینہ منورہ کا نام اس نام سے رکھ کر داد نفاق دیتے تھے اور بعض احادیث میں بھی مدینہ منورہ کا نام یثرب آیا ہے۔ اس کے لیے علماء کہتے ہیں کہ یہ ممانعت سے پیشتر کا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی تحقیق نہایت گراں بہا اور وقیع ہے۔ اسے پیش نظر رکھتے ہوئے دیکھ جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ فارسی و اردو کے اکثر اساتذہ سخن جنھوں نے اپنے کلام میں لفظ یثرب استعمال کیا ہے اس معاملے میں سہو واقع ہوا ہے۔ ہمیں ان کی نیت پر ادنی درجے کا اشتباہ بھی نہیں' ان کی مراد مدینۃ الرسول ہی تھی۔ بہرحال اس لفظ کے استعمال سے احتراز واجب ہے اور جدید نسل کے نعت گو شعراء پر اس سلسلے میں حزم و احتیاط لازم ہے۔

و ۔ بعض نعت گو حضرات اپنے کلام میں اس قسم کا مضمون بھی باندھتے ہیں کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم آفت زدگان عالم کی مسیحائی کریں یا آپ سے میرے مسیحا' کے انداز میں التجا کرتے ہیں۔ یہ مضمون بندی اور ترکیب سازی لاعلمی کی غماز اور سوء ادب پر منتج ہے معانی و بیان کا ادنی ذوق رکھنے والا انسان بھی جانتا ہے کہ مشبہ بہ کو مشبہ سے ارفع و اعلیٰ ہونا چاہئے اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیائے سلف علیہم السلام کے پیشوا و مقتدا ہیں۔ حضور علیہ والصلوۃ والسلام سے یہ التماس کرنا کہ آپ ہماری مسیحائی کریں' آپ کے مقام و مرتبہ کو شان عیسوی کے مترادف قرار دینے کو مستلزم ہے اور یہ آپ کی عظمت و شان کے منافی ہے۔

عصر حاضر میں نعتیہ قصائد کی جانب بھی طبائع کا رجحان ہے' یہ واقعی بڑی سعادت مندی ہے کہ نعت گو اپنے تسلسل فکر کو ارادت باطن سے ہم آہنگ کرتے ہوئے سیرت نبوی کے مضامین بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ یوں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات سے محبت اور آپ کے اتباع کے پاکیزہ جذبات مربوط فکر کے تحت ابھرتے اور افکار و اعمال کے کشت زار کو سیراب کرتے ہیں۔ فارسی و اردو ادب میں قصیدہ غزل کا توام ہے۔ شعراء نے غزل لکھی تو قصائد بھی کہے' غزل لالہ و گل کی داستان ہے تو قصیدہ گلستان کا سراپا ہے۔ قصیدہ ایک بھرپور مجموعی تاثر کا حامل ہے اور اس کی روایت نے اسے تشبیب' گریز' مدح اور دعائیہ حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ متقدمین و متاخرین اس روایت کے انحراف سے اکثر ابا کرتے ہیں۔ قصیدے کے آغاز میں متغزلانہ مضامین کا رطب و یابس شاعر کو ناگزیر محسوس ہوتا ہے' جس کے بعد وہ ممدوح کی شان میں اظہار خیال کے لیے سرگرم سخن ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اکابر فن نے تشبیب کو پابندی روایت کے طور پر اختیار کیا اور متوسطین نے اس کا سہارا لے کر قصیدہ نگاری کی تو بے جا نہ ہوگا' اکثر اساتذہ سخن نے اس روایت پر ضرب کاری لگاتے ہوئے اسے توڑا بھی ہے متنبی ایک قصیدے میں' جو سیف الدولہ کی مدح میں ہے تشبیب پر اپنی جھنجلاہٹ کا اظہار اس طرح کرتا ہے۔

اذا کان مدح فالنسیب المقدم

اکل فسیح قال شعرا متیم

فارسی شاعری میں حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی عظمت کردار اور قادر الکلامی مسلم ہے۔ انہوں نے اتابکان فارس کی شان میں قصائد لکھے ہیں' لیکن اکثر و بیشتر قصائد کے آغاز میں مدح سے پہلے بے ثباتی عالم' کسب خیر' غمخواری خلق کے مضامین کے ساتھ متصوفانہ خیالات کو نظم کیا ہے اور ممدوح کی ثنا معدودے چند اشعار سے متجاوز نہیں۔ یہی انداز عرفی شیرازی کا ہے' اس کا معرکہ الارا قصیدہ عبدالرحیم خانخاناں کی مدح میں ہے' جس کا مطلع یہ ہے۔

زخود گردیدہ بربندی چہ گویم کام جاں بینی
ہماں کز اشتیاق دیدنش زاوی' ہماں بینی

یہ قصیدہ معارف ربانیہ کا بحرِ زخار ہے۔ سبحان اللہ! کیا لطافت آفرینی اور کیا نادرہ کاری ہے۔ اس قصیدے کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ پروردگار عالم نے انسانی فکر کو کس قدر رفعتوں اور عظمتوں سے نوازا ہے' متاخرین قصیدہ نگاروں میں مرزا غالب کا روایت سے اعتصام خاصا شدید ہے۔ یہ ادب کے ان شہپاروں کا ذکر ہے' جو شاہان عالم کی شان میں مرقوم ہیں' نعتیہ قصائد کا آہنگ' ان کی ہیئت اور مجموعی حیثیت اس سے پاکیزہ تر اسلوب اور لطیف تر انداز کی متقاضی ہے۔

محسن کاکوری نے متعدد نعتیہ قصائد لکھے ہیں' اس نے نعتیہ مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ اس کی صداقت جذبہ' محاسن سخن پر دسترس اور اخلاص مندی مسلم ہے۔ نعت میں اس کا لامیہ خاصا معروف ہے۔ اس قصیدے کی تشبیب میں کاشی و متھرا' گنگا جمنا' سری کرشن' گوپی اور ہندوانہ رسوم کا بیان ہے۔ محامد بنویہ کے آغاز میں یہ تذکرہ طاغوت موضوع تنقید رہا ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اردو کی نعتیہ شاعری' کے مقدمے میں اس موضوع پر وقیع خیالات کا اظہار کیا ہے اور اس ضمن میں امیر احمد مینائی کا تبصرہ درج کیا ہے۔ یہ اقتباس اردو کی نعتیہ شاعری' سے بلا کم و کاست نقل کیا جاتا ہے۔

"بادی النظر میں شبہ ہوتا ہی کہ قصیدہ نعت میں متھرا گوکل و کنہیا کا ذکر بے محل ہے' لہٰذا دفع دخل کیا جاتا ہے کہ قصیدہ نعت میں تشبیب کے معنی ہیں ذکر ایام شباب کرنا اور اصطلاح شعر میں مضامین عشقیہ کا بیان کرنا۔ اساتذہ نے تخصیص مضامین عاشقانہ کی قید بھی نہیں رکھی۔ کوئی شکایت زمانہ کرتا ہے۔ کوئی متفرق مضامین کی غزل لکھتا ہے۔ کوئی غزل میں کسی طرح کا خاص تلازم ملحوظ رکھتا ہے۔ الغرض متبعان کلام اساتذہ حقیقت شناسان تشبیب و قصیدہ پر پوشیدہ نہیں کہ مضامین تشبیب کے محصور نہیں ہیں اور نہ کچھ مناسبت کی قید ہے کہ حمد و نعت و منقبت میں قصیدہ ہو تو تشبیب میں بھی اس کی رعایت ہے میرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی نے منقبت میں قصیدہ لکھا' جس کا مطلع ہے۔

صبحے کہ در ہوائے پرستاری وثن
جنبد کلید تبکدہ در دوست برہمن

اور اس قصیدے کی تشبیب میں بھی ایسے ہی مضامین لکھے ہیں۔ عمدہ تر سند اس کے جواز کی یہ ہے کہ حضرت سرور کائنات خواجہ ہردو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں قصیدہ بانت سعاد، جس کی تشبیب بھی مشروع نہیں ہے، پڑھا گیا اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے اس کی تحسین فرمائی۔"

اگر نعتیہ قصائد میں شاعر کو یہ اجازت دے دی جائے کہ وہ اپنے ماحول کے روابط، نظریاتی مزعومات اور تہذیبی روایات کو آغاز سخن میں بے دریغ استعمال کرے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مارو تھل کا نعت گو سسی پنوں کی داستان معاشقہ اور اس کے متعلقات کو تشبیب میں جگہ دے گا، سوہنی مہیوال کے خطے سے مانوس شاعر تلاطم دریا اور شب ہائے تیرہ و تار کا ذکر نعتیہ قصائد کی تشبیب میں لابدی سمجھے گا، یوں شاعر اور اس کے علاقائی مناسبات کی نمایاں حیثیت مضامین نعت کے ساتھ برنگ ایطاء مشہود ہوگی، جبکہ نعت کی عظمت و توقیر کا تقاضا تو یہ ہے کہ انتفائے متفرقات سے وحدت خیال کا اثبات رونما ہو اور مضمون و اسلوب کا چشمہ حجازی فکر سے پھوٹے۔ علامہ یوسف نبہانی نے المجموعہ النبہانیہ فی المدائح النبویہ کے دیباچے مین نعتیہ قصائد کی تشبیب پر اس طرح اظہار خیال فرمایا ہے:

یستحسن لمن یمدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یشبب بذکر الدیار الحجازیہ ومعالمہا وحب سکانہا والشوق الیہم والبکاء ووصف النیاق والسیر والمناھل ووصف السحاب والبرق والریح التی تجی من نحوھم والدعاء بالسلام ولدیارھم بالعمران والسقیا وما اشبہ ذلک

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ثناگر کے لیے یہی مستحسن ہے کہ وہ تشبیب قصیدہ میں دیار حجاز، اس کے مقامات، ساکنان حجاز کی محبت، ان سے اشتیاق ملاقات کا ذکر با چشم نم کرے۔ سواریوں، سیر اور چشموں کی تعریف کرے، ابروبرق اور سرزمین حجاز سے آنے والے جھونکوں کو سراہے۔ ان کے برقرار رہنے کی دعا مانگے، دیار مقدس کی آبادی و شادابی کا خواستگار رہے اور اس قسم کے دوسرے امور کا تذکرہ چھیڑے۔

کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا قصیدہ بانت سعاد انسٹھ اشعار پر مشتمل ہے، چونتیس اشعار میں سعاد کی جدائی، اس کی عہد شکنی، اونٹنی کے قدوقامت، اس کی نسل، تیز رفتاری اور صحرا پیمائی کا بھرپور تذکرہ ہے۔ اس کے بعد روئے سخن گریز کی طرف ہے اور چالیسویں شعر میں حضوری بارگاہ رسالت کا انداز اس نہج پر ہے۔

فقد اتیت رسول اللہ معتذرا

والعذر عند رسول اللہ مقبول

پس میں خود بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں معذرت خواہ کی حیثیت سے حاضر ہوگیا اور معذرت، تو آپ کے ہاں (ہمیشہ) مقبول ہی ہے۔

اس قصیدے کی تشبیب پر علامہ نبہانی علیہ الرحمتہ کا تبصرہ قابل ہزار تحسین و آفرین ہے:

اما قصیدۃ بانت سعاد التی اتخذھا دلیلا بعض من سلک ھذا

المسلک واستحسنه وهو فی نفسه غیر حسن فهی لا تصلح دلیلا لذالک لان ناظمها کعب بن زهیر رضی الله عنه کان قبل اسلامه شاعرا جاهلینا فنظمها علی طریقتهم قبل ان یجتمع بالنبی صلی الله علیه وسلم ویسلم علی یدیه و یعرف اداب الاسلام....ویدل علی ماقلته انه رضی الله عنه لم یحصل منه مثل هذا التشبیب بعد اسلامه ولا من احدمن شعراء النبی صلی الله علیه وسلم کحسان وعبدالله بن رواحة وکعب بن مالک و غیرهم من شعراء الصحابه رضی الله عنهم فی مقدمه شعر مدحوا به النبی صلی الله علیه وسلم الا مع قرب عهدهم فی الجاهلیته وعوائدها اما بعد ذالک فلم یروعن احدمنهم شیی من هذا القبیل وکیف یکون وهم اوفر الناس عقولا واعظم الناس ادبا مع الله ورسوله۔

ترجمہ : لیکن جو حضرات اس مسلک (جواز تشبیب) پر چلے اور اسے پسند کیا' (در آں حالیکہ) وہ فی نفسہ پسندیدہ نہیں' انہوں نے قصید بانت سعاد سے استدلال کیا۔ ان کی یہ دلیل اس اعتبار سے نادرست ہے کہ اس قصیدے کے ناظم حضرت کعبؓ بن زہیر اسلام لانے سے پہلے دور جاہلیت کے شاعر تھے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے قصیدے کو بارگاہ اقدس میں حاضری' قبول اسلام اور آگاہی آداب اسلام سے پیشتر اسی دور کے شعراء کی نہج پر نظم کیا...... اور یہ امر میرے قول پر دال ہے کہ قبول اسلام کے بعد حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے ہاں اس قسم کی کوئی تشبیب نہیں ملتی۔ شعرائے عہد نبوی مثلاً حسانؓ بن ثابت' عبداللہ بن رواحہ' کعبؓ بن مالک اور دیگر شعرائے صحابہؓ نے جو قصائد آپ کی شان اقدس میں لکھے ہیں' ان کے آغاز میں بھی اس قبیل کی کوئی چیز مروی نہیں باوصفیکہ ان کا عہد جاہلیت اور اس کے اطوار کے قریب تھا اور ایسا ہوتا بھی کیونکر کہ وہ لوگوں سے بڑھ کر دانشمند تھے اور خدا اور رسول کے آداب کی بجا آوری میں دوسرے انسانوں کی نسبت عظیم تر تھے۔

ان اشکالات کو رفع کرنے کے بعد ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے علامہ نبہانی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ مجھے ان شعراء کے قصائد کو' جن کے آغاز میں مضامین تشبیب تھے' اپنے مجموعے میں شامل کرنا بے حد ناگوار محسوس ہوا' دراصل میں اس مقام ملامت میں ان کا شریک و سہیم بننا نہیں چاہتا تھا۔ پھر خیال آیا کہ ان پر شاعرانہ صنعت گری کا غلبہ ہوا' اس میں ان کا سوء ارادہ اور فساد نیت شامل نہیں۔ لہٰذا میں نے ارادہ سابقہ سے رجوع کیا اور ان کے کلام کو شامل مجموعہ کرلیا۔ اس شمول میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے نبہانی کی ارادت باطن اور اخلاص مندی ملاحظہ فرمائیں: وادخلتها فی هذه المجموعته کغیرها راجیا من الله تعالی ثم من النبی صلی الله علیه وسلم العفو عنی وعنهم والقبول منی ومنهم

ترجمہ : اور میں نے حامل تشبیب قصائد کو بھی دوسرے قصائد کی طرح اس مجموعے میں شامل کر دیا' اللہ تعالیٰ کی جناب اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ سے اپنے اور ان کے لیے عفو و قبول کا امیدوار ہوں۔

بہرحال شاعر پر اس امر کا التزام واجب ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ السلام کی عظمت و شان' بارگاہ نبوی کے آداب اور نعت کے مثالی مقتضیات کو ہر آن پیش نظر رکھے۔ ہر اس قسم کے تذکرے سے احتراز کرے' جو شارع علیہ السلام کے پسند خاطر نہ ہو' فرضی محبوب کے خدوخال' رخسار و گیسو' ناز و انداز' شراب و شاہد و مینا و ساغر اور خمریات کو منظوم نہ کرے کہ ان مضامین کے جامع اظہار کے لیے غزل ایک علیحدہ صنف سخن کی حیثیت سے موجود ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس و لازوال مرکز عنایات ہے' جس سے حسن دلربائی کا طلب گار ہے' عشق فدا کاری کا خواستگار ہے اور خرد گویائی کی خیرات مانگتی ہے۔ جہاں نیاز سرفراز ہے' وارفتگی دم بخود ہے اور جنوں ساکت و مدہوش ہے۔ اب خدا لگتی کہیے' کیا مشرکانہ رسوم کا ذکر' گوپیوں کے اطوار کا تذکرہ اور سلسلہ طاغوت کا طومار' محامد نبویہ کے بیان میں حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی و رضا کا موجب ہو سکتا ہے یا اس سے مقامات سیرت نبوی کے ابلاغ کا کوئی پہلو نکلتا ہے' جبکہ ان اللہ بری من المشرکین و رسولہ کی واضح نص قرآنی موجود ہو۔ اکابرین سخن نے شعوری یا لاشعوری طور پر بپاس آداب نبویہ اس قسم کے ترہات سے اجتناب کیا ہے فارسی کے مشہور شاعر خاقانی کے نعتیہ قصائد کے آغاز میں معارف ربانیہ منظوم ہیں' جن کے بعد نعتیہ مضامین کا سلسلہ بے پناہ عقیدت و ارادت سے لبریز ہے اور لوامع اسوہ مبارکہ ایمان افروزی کرتے نظر آتے ہیں۔ اس کے ایک قصیدے کا مطلع ہے۔

اے پنج نوبہ کوفتہ دردار ملک لا
لا در چہار بالش وحدت کشد ترا'

پھر نعتیہ مضامین کی شان دیکھیے۔

چوں نوبت نبوت اودر عرب زدند
از جودی واحد صلوات آمدش صدا
اے مستماز ہستی ذات تو عاریت
خاقانی از عطائے تو ہست آیت ثنا

ذکر شب معراج اس طرح ہے۔

روحانیاں مثلث عطری بسو ختند
وز عطر ہا مسدس عالم شدہ ملا

خلفائے راشدین علیہم الرضوان کا ذکر پاک نبوت و ولایت کے لطیف رابطے کے ساتھ کس نورانیت باطن سے کیا ہے رحمت باری سے بعید نہیں کہ وہ شاعر کو اس شعر کے طفیل سند مغفرت عطا کر دے۔

ہر چار' چار حد بنائے پیمبری
ہر چار' چار عنصر ارواح اولیا

اسی طرح عرفی شیرازی کا شینیہ نعتیہ قصائد میں امتیازی مقام کا حامل ہے' اس کا ابتدائیہ بھی اکثروبیشتر متصوفانہ مضامین پر مشتمل ہے۔ اس قصیدے کے دو شعر تبرکاً ہدیہ قارئین ہیں۔

شہنشا ہے کہ فراشان بزم اوبہ صد منت
بہ فرق عرش می ریز ند خاک فرش ایوانش
شہنشا ہے کہ ہست ازغایت درویشی و ہمت
وجود خود فراموش و غم عالم فراوانش

معارف نگاری اور لطافت آفرینی میں میرزا بیدل کا کوئی حریف نہیں' وہ اس میدان میں یکتا ہے۔ حقائق مسلمات عالم اس کے آئینہ قلب پر جلوہ ریز ہیں۔ نعت میں اس کا رائیہ اول سے آخر تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کی والہانہ وابستگی اور لازوال عقیدت کا عظیم شاہکار ہے' کوئی شعر اور کوئی ترکیب آداب نبویہ سے معارض نہیں۔ نعت میں یہی مثالی اسلوب نظم ہے' جو قابل تقلید ہے اور نونہالان نسل جدید سے اس کی اقتدا کا التماس ہے۔

○

اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کے اثرات

عاصی کرنالی

جب اردو شعرا نے شعر گوئی کا آغاز کیا تو ان کے سامنے فارسی زبان اور شعر و ادب کی ایک طویل اور مستحکم روایت تھی۔ فتوحات کے نتیجے کے طور پر برصغیر میں مسلمانوں کی حکومتوں کا آغاز ہوا تو سلاطین، امراء، اہل لشکر اور علماء و ادبا کی آمد کا سلسلہ بھی شروع ہوا اور پھر معاشی و معاشرتی ضرورتوں سے یہ لوگ یہیں آباد ہوتے چلے گئے۔ اس طرح ایرانی کلچر، تمدن، طرز حیات اور طرز احساس کو اس نئی سرزمین میں نشوونما پانے کے تاریخی اور تہذیبی مواقع پیدا ہو گئے۔ یہ نووارد دین اور ان کے متعاقین اپنے ساتھ ایک رچی بسی روایت لے کر آئے تھے چنانچہ اسی فضا میں انہوں نے سانس لینا اور نئی سرزمین کی تہذیبی اور ادبی روایت کو اپنی آوردہ روایت میں جذب کرنا شروع کیا اور یہ بالکل قدرتی اور طبیعی بات تھی۔ پھر کچھ ایسے اہم عوامل پیدا ہوئے کہ ایرانی کلچر کی جڑیں زیادہ گہری ہوتی چلی گئیں۔ غزنوی دور سے مغلیہ دور کے عہد آخر تک یعنی قریب قریب آٹھ سو برس کی طویل مدت تک سرکاری زبان فارسی رہی۔ اسی زبان میں دفتری امور انجام پاتے تھے اور یہی مافی الضمیر کے اظہار کی زبان تھی اور اسی میں علمی و ادبی کاموں کی پیش رفت ہوتی رہی۔ جو حکومت کی زبان ہوتی ہے وہی خواص اور عوام میں سرایت کر جاتی ہے۔ چنانچہ اہل قلم بھی اسی فارسی زبان میں تخلیق شعر و ادب کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی ہی مستحکم دیرینہ روایت کے فروغ و ترویج کے دائرے سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔

ڈاکٹر اعجاز حسین کے بقول "ایرانی کلچر کا اثر مغلیہ بادشاہوں کی وجہ سے اتنا زیادہ ہندوستانیوں پر پڑ چکا تھا کہ طرز معاشرت و طرز تخیل بھی ایرانی رنگ میں رنگ گیا تھا۔ اس تبدیلی میں سب سے زیادہ حصہ ایرانی ادب کا تھا جس کے مقناطیسی اثر نے ذہن کو کسی اور طرف جانے ہی نہیں دیا۔"

یہی فارسی زبان میں لکھنے والے اہل قلم جب تغیر زمانہ اور معاشرتی احوال کے تحت اردو میں لکھنے لگے تو فارسی ہی کا اتباع ان کے مدنظر رہا۔ نیز برصغیر میں آنکھ کھولنے والے بھی انہی کے دائرہ اثر میں رہے اور اسی روایت کو فروغ دیتے رہے۔

تہذیبی ہم آہنگی کے علاوہ مذہبی ہم رنگی و ہم آہنگی بھی فارسی روایت کی بالیدگی کا ایک لائق توجہ عامل ہے۔ اسی کے سبب ایرانی شعرا کے مزاج میں جو ذوق تصوف یا فلسفیانہ انداز فکر تھا، قریب قریب اپنی اصلی صورت اور حقیقی تناظر میں برصغیر میں بھی پھیلتا چلا گیا اور یہاں کی شاعری صوفیانہ اور فلسفیانہ رنگ میں ہو بہو رنگی گئی۔ یوں بھی ہوا کہ عقائد کے اس اتباع میں "تقلید کامل" اس طرح نبھائی گئی کہ بقول اعجاز حسین:

"اپنی شاعری میں دین کے موافق و مخالف ہر طرح کا عقیدہ پیش کرنے لگے۔"

جب اردو کی پوری شاعری فارسی شعری روایت کی گرفت میں تھی تو اردو حمد و نعت اس سے کیسے بچی رہتی چنانچہ نعت گو شعرا نے بھی بیشتر لوازم و اسالیب فارسی شاعری ہی سے قبول کیے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے بقول:

"بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اردو کی بعض دوسری اصناف سخن کی طرح نعت گوئی کے بیشتر لوازم و اسالیب بھی فارسی ہی کے زیر اثر اردو میں آئے ہیں اور فارسی شعرا ہی کی رہنمائی میں اردو نعت گو شعرا نے آگے قدم بڑھایا ہے۔ فارسی نعت گوئی کی روایت مثنوی، قصیدہ، قطعہ اور رباعی وغیرہ کی صنفوں میں چلی آرہی تھی۔ غزل میں بھی اس کا داخلہ ممنوع نہ تھا۔ اردو شاعری میں بھی نعت کی یہی صورتیں جگہ پا گئیں۔"

اب ہم ان مماثلتوں کا ذکر اجمالاً کریں گے۔ جو فارسی حمد و نعت کی شعری روایت اور اردو حمد و نعت میں مشترک ہیں:

1 قصیدہ، مثنوی، قطعہ، رباعی اور غزل کی اصناف میں فارسی حمد و نعت گوئی نے خوب رواج پایا۔ اردو شعرا نے زیادہ تر انہی اصناف کا اتباع کیا۔ بہت بعد میں دوسری اصناف و ہیئیات اختیار کی گئیں۔ (جن کا تذکرہ روایت گریزی کے جائزے میں کیا جائے گا)۔

2 فارسی شعرا کسی بھی موضوع پر مثنوی یا قصیدہ لکھتے مثلاً "تصوف، اخلاق، عشق رزم، بزم، تاریخی اور معاشرتی احوال پر کوئی مثنوی یا مدح سلاطین و امرا میں کوئی قصیدہ، تو بالعموم اس کا آغاز حمد اور نعت کے مضامین سے کرتے۔ طویل مثنویوں میں طویل حمدیں اور نعتیں بھی شامل مثنوی ہوتیں۔ بعض اوقات حمد اور نعت کا اعادہ باب وار ہوتا جاتا۔ انہی میں فلسفیانہ یا صوفیانہ انداز فکر کے ساتھ خدا کی خالقیت، قدرت و حکمت، نظام حیات و کائنات میں خدا کی تدبیر و تنظیم کے مضامین، اپنی عبدیت کا اظہار، استغاثہ و مناجات کے اجزاء بھی شامل ہوتے اور نعت میں میلاد نامے، معراج نامے، شمائل نامے اور معجزات نبوت کا ذکر ہوتا، نیز حضور علیہ السلام کی عظمت رسالت، مقاصد نبوت، توصیف جمال محمدی، سیرت طیبہ کی تبلیغ، استغاثہ و استمداد کے مضامین داخل نعت کئے جاتے۔ گویا مثنوی اور قصیدے کا موضوع اور ہوتا لیکن اسے اجزائے حمد و نعت سے متبرک کیا جاتا اور توصیف الٰہی اور ثنائے محمدی سے فتح کلام ہوتا۔ اس کے علاوہ مطلقاً "حمدیہ و نعتیہ مثنویاں، حمدیہ و نعتیہ قصائد یا رباعیات و قطعات بھی کہے جانے کا رواج قائم رہا۔ اسی نہج کا اتباع اردو شعرا کے یہاں نظر آتا ہے۔

غزل کا آغاز حمد اور نعت کے اشعار سے کیا جاتا یا غزل کے درمیان حمدیہ یا نعتیہ شعر شامل کر لیا جاتا، بعض اوقات ایسا اخلاقی یا اصلاحی شعر جو بالواسطہ حمد یا نعت سے ارتباط پیدا کر لیتا۔ تمام اصناف میں کہیں نہ کہیں حمد و نعت کا بالواسطہ یا بلاواسطہ شعر اس طرح نظر آتا ہے جیسے سیر چمن میں، گلہائے رنگ رنگ کے درمیان کوئی جاذب نظر اور دلکش گلاب کا پھول یا انبار جواہر میں کوئی تابندہ تر لعل و الماس۔ اس فارسی روش کا رواج اردو میں بھی قائم رہا۔

4 مختلف اصناف کی داخلی تنظیم وہی فارسی جیسی رہی۔ غزل کی ہیئت میں مطلع' حسن مطلع' مقطع' قافیہ و ردیف' بعض غزلیں غیر مردف' قصیدے میں اجزائے قصیدہ کا تلازمہ' تشبیب' (بہاریہ' عشقیہ' اخلاقی' مناظر فطرت' فلسفیانہ مسئلہ' پند و نصیحت' مو عظت و حکمت وغیرہ) گریز' مدح' دعائیہ۔

مثنوی میں سائز کی طوالت' ہر بیت کا قافیہ و ردیف مختلف' مرکزی قصہ' قصہ در قصہ' ربط خیال' وحدت اثر وغیرہ۔ قطعہ و رباعی کے وہی روایتی تلازمے۔

زبان و بیان میں وہی فارسیت' فنی قواعد جو وہاں جاری تھے۔ انہی کے دائرے میں گردش رہی۔

۔#نظام اوزان و بحور

نثر اور شعر میں بنیادی فرق وزن کا ہے۔ بقول مرزا اوج جس طرح نحو میزان کلام منثور کی ہے۔ اسی طرح علم عروض میزان کلام منظوم کی ہے"۔(1) اسی ضرورت کے پیش نظر نظام اوزان و بحور وجود میں آیا اور مناسبت طبعی اور مقتضیات شعری کے مطابق اس میں تغیرات و اضافات کا عمل جاری رہا۔ ہر زبان نے اپنے غنائی مزاج کے مطابق بحور اختیار کیں۔ اردو شاعری نے بھی اپنے مزاج و مذاق کی کسوٹی پر ہر بحر کو پرکھا اور رد و قبول کے مراحل سے گزری۔ عربی اور فارسی کی مروج بحور میں جن کو ہم مزاج اور ہم آہنگ پایا۔ ان کو قبول کیا۔ جہاں غرابت محسوس کی گریز کیا۔ اتنا ضرور ہے کہ عربی بحور سے مقابلتہً کم فائدہ اٹھایا اور فارسی کی اکثر بحروں کو اپنے شعری رگ و پے میں خون کی طرح دوڑایا۔

جہاں تک عروض کی ابتدا اور پیش رفت کا تعلق ہے بقول مصنف حدائق البلاغت "خلیل بن احمد" اس فن کا اس[illegible] اور جمع کرنے والا ہے۔ اس نے کلام عرب میں تجسس اور تلاش کرکے معلوم کیا کہ اشعار عرب پندرہ بحروں میں موزوں ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔ طویل' مدید' بسیط' کامل' وافر' ہزج' رمل' رجز' منسرح' مضارع' سریع' خفیف' مجتث' مقتضب' متقارب۔۔۔ اور اس کے بعد ابوالحسن اخفش نے سولہویں بحر اور ایجاد کی اور اس کا نام متدارک رکھا۔ ان میں سے بحر طویل' بحر مدید' بحر بسیط' بحر وافر اور بحر کامل عربی شعروں کے ساتھ مختص ہیں یعنی اہل عجم ان میں شعر نہیں کہتے۔ بجز عرب کے اس واسطے کہ وہ وزن نامطبوع اور نامرغوب ہیں۔(2) آگے چل کر وہ کہتے ہیں "تین بحریں خلیل بن احمد کے بعد نکالی گئیں اور وہ یہ ہیں۔ جدید' قریب' مشاکل' یہ تینوں عجم کے اشعار کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں۔ بہرکیف یہ سب انیس بحریں ہوئیں۔(3)

آغا صادق "جوہر عروض" میں رقم طراز ہیں:۔ بعض عربی اور فارسی بحور نظم اردو کے لئے

مناسب نہیں۔ مثلاً "بحر طویل' وافر' جدید' قریب' مشاکل وغیرہ۔(4)

وہ اسی کی وضاحت یوں کرتے ہیں:۔ اردو کے شعرا نے صرف مندرجہ ذیل بحور بکثرت استعمال کی ہیں' متدارک' متقارب' رمل' ہزج' رجز' مجتث' مضارع' منسرح' کامل' خفیف۔ ان میں سے سریع نسبتاً" کم مستعمل ہے۔ مندرجہ ذیل بحریں صرف عربی شاعری سے مختص ہیں۔ طویل' مدید' بسیط' وافر' کامل' لیکن ان میں سے کامل فارسی میں کم اور اردو میں زیادہ مستعمل ہوتی ہے۔ مدید' بسیط طویل' اور وافر اردو میں بطریق شاذ آتی ہیں۔(5)

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ اردو نے عربی بحور کو کلیتہً شجر ممنوعہ قرار نہیں دیا بلکہ اپنے محک شعر پر پرکھا۔ جو بحریں خوش آہنگ لگیں ان میں شعر کہے۔ تاہم ہماری شاعری نے فارسی کی روایت' بحور پر زیادہ انحصار و اعتبار کیا۔ اب ہم ایسی تمام بحور کے اردو میں استعمال کا اجمالی جائزہ لیتے ہیں۔ ہم نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جملہ بحور اور ان کی مختلف صورتوں کا نام بنام ذکر کرنے کی بجائے صرف انہی بحور اور ان کے متعلقات کو لیا ہے جو اردو میں مطبوع و مرغوب قرار پائیں اور اسی لئے رواج پذیر ہوئیں۔ ہم نے ناموں کی بجائے کہ وہ پیچیدہ اور غریب ہیں ان کے ارکان لکھ کر فارسی اور اردو کے حمدیہ' نعتیہ یا کہیں کہیں دوسری اصناف کے شعروں سے مثالیں بہم پہنچائی ہیں۔ اس طریق کار کا سبب یہ ہے کہ ہمارا ہدف علم عروض کی مکمل معلومات کی جمع آوری نہیں بلکہ فارسی شعری روایت کا اردو شاعری پر اثر دکھانا مقصود ہے۔

بحر متقارب سالم:

ارکان　　فعولن فعولن فعولن فعولن

فارسی　　چہ نقش بدیع است کز پردہ سرزد۔ زہی حسن قول و زہی لطف قائل ***(فیضی)

اردو　　وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا۔ مرادیں غریبوں کی برلانے والا ***(حالی)

دیگر صورتیں

(الف) ارکان: فعولن فعولن فعولن فعول / فعل

فارسی　　بگفتار پیغمبرت راہ جوی' دل از تیرگی ہا بدیں آب شوی۔(فردوسی)

اردو　　محمدؐ کلیم و محمدؐ کلام۔ محمدؐ پہ لاکھوں درود سلام۔(سلیم احمد)

(ب) ارکان: فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن

فارسی: صبا بسوئے مدینہ رو کن ازیں دعا گو سلام برخواں۔ بگرد شاہ مدینہ گرد و بصد تضرع پیام برخواں

(نظام الدین اولیا)

اردو نہ جانے کیا شے لئے ہوئے ہے زمین طیبہ کا ذرہ ذرہ

کہ دل نے عبرت کئے ہیں سجدے قدم قدم پر نظر سے پہلے

(عبرت صدیقی بریلوی)

(ج) ارکان: فعلن فعولن فعلن فعولن

فارسی: بنی جہاں را خود را نہ بنی، تا چند ناداں غافل نشینی ####(اقبال)

اردو: ایمان مطلق ارشاد محکم۔ نور مجسم، جان دو عالم ####(نشور واحدی)

بحر متدارک مثمن سالم

ارکان: فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن

فارسی: سخت سرگشتہ ام از غم ہجر تو۔ گر خطای کنم دلبرا عفو کن (از مقیاس الاشعار)

اردو: زینت بحر و بر، رونق دو جہاں۔ غیرت مہر و مہ، جلوہ دلستاں (فرحت شاہجہاں پوری)

دیگر صورتیں:

(ا) ارکان: فعلن فعلن فعلن فعلن

فارسی: تاکی مارا در غم داری۔ تاکی برما آری خواری

اردو: دو جگ کے سردار محمدؐ۔ نبیوں کے سالار محمدؐ (شاہ ابدال پھلواروی)

(ب) ارکان: فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن

فارسی: می و نغمہ مسلمؑ حوصلۂ کہ قدح زن گردش سر نہ شود

بجل است سبکری آں قدرت کہ دماغ جنوں زدہ تر نہ شود

(مقیاس الاشعار)

اردو: ظفر آدمی اس کو نہ جانیئے گا وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا

جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا ####(بہادر شاہ ظفر)

(ج) ارکان: فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن

فارسی:

امشب یارم آمد از در رویش دیدم حیراں گشتم
قرباں کردم دل بر دلبر چوں جاں آمد بی جاں گشتم

(مقیاس الاشعار)

اردو: وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکان فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے کی عاقل کو یہ قرآں کے سی پاروں میں

(ظفر علی خاں)

بحر ہزج مثمن سالم

ارکان: مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

فارسی: صفا از عقدۂ دلہاست آں زلف معقدرا۔ بحمد اللہ کہ ربطی ہست با مطلق مقیدرا (نظیری)

اردو: کیا تھا نور جب اللہ نے پیدا محمدؐ کا۔ اسی دن سے ہوا ہے عاشق شیدا محمدؐ کا (مصطفیٰ خان شیفتہ)

دیگر صورتیں:

(ا) ارکان: مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن

فارسی: از غیر تبرا کن، با دوست تولا کن۔ سر در سرا لا کن، مقصود زلا ایں است (عطار)

اردو: مشکل ہے اگر میرا طیبہ میں ابھی جانا۔ اے بادِ صبا میری آہوں کو تو جانے دو (صائم چشتی)

(ب) ارکان: مفعول مفاعیل مفاعیل مفاعیل / فعولن

فارسی: عرش است کمیں پایہ ز ایوان محمدؐ۔ جبریل امیں خادم دربان محمدؐ (سعدی)

اردو: ہر سنگ میں واں کے شرر طور ہے پنہاں۔ ہر خشت کو کہیے ید بیضائے مدینہ (غلام امام شہید)

(ج) ارکان: مفاعلن مفاعلن مفاعلن مفاعلن

فارسی: فراز سرو بوستاں نشستہ اند قمریاں۔ چو مقریان نغز خواں بہ زمردیں منارہا (قاآنی)

اردو: میں حرف کم نما سہی بیاض شوق میں مگر۔ مرا سیاق دیکھنا، مرا سباق دیکھنا (جعفر بلوچ)

(د) ارکان: مفاعیلن مفاعیلن مفاعیل / فعولن

فارسی: زہے پشت و پناہ ہر دو عالم۔ سرو سالار فرزندان آدم (سنائی)

اردو: فدائے ایزد غفار ہوں میں۔ گدائے سید ابرار ہوں میں (ضیاء القادری)

(ہ) ارکان: مفعول مفاعلن مفاعیل / فعولن

فارسی: ای جود تو دست دل سخا را۔ ای عزم تو بال در صبا را (عرفی)

اردو: شاہان بلند مرتبت ہیں۔ دربار نبی میں دست بستہ

بحر رمل مثمّن مقصور

ارکان: فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات / فاعلن

فارسی: یا شفیع المذنبیں بار گناہ آوردہ ام - بر درت ایں بار بر پشت دو تا آوردہ ام (جامی)

اردو: جو پڑھے گا صاحب لولاک کے اوپر درود - آگ سے محفوظ اس کا تن بدن رہ جائے گا (کافی شہید)

دیگر صورتیں:

(ا) ارکان: فاعلاتن فاعلاتن فاعلات / فاعلن

فارسی: آفتاب شرع دریائے یقیں - نور عالم رحمتہ اللعالمین

اردو: غنچہ دل کے لیئے وجہ نمو - تیرے کوچے کی ہوائے مشکبو (جمال سویدا)

(ب) ارکان: فاعلاتن / فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن / فعلان

فارسی: مرحبا سید مکی مدنی العربی - دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی (قدسی)

اردو: سر اگر تن سے جدا ہو تو جدا ہو حافظ - سر سے ہو گا نہ در احمد مختار جدا (حافظ پیلی بھیتی)

(ج) ارکان: فاعلاتن / فعلاتن فعلاتن فعلن / فعلان

فارسی: تاج بر سر نہ نہیں تا جاں - عقد بند کمر محتاجاں

اردو: سب پہ ہے ابر کرم کا سایہ - ایک عالم پہ ہے رحمت تیری (حافظ لدھیانوی)

(د) ارکان: فعلات فاعلاتن فعلات فاعلاتن

فارسی: بشری ملک نظامت، فلکی زمیں تواضع - چو فلک بہ پاک جسمی، چو ملک بہ پاک جانی (مولانا شہاب الدین)

اردو: نہیں اس جہاں میں کوئی جو شریک رنج و غم ہو - ہے خدا کے بعد اے دل اسی ذات کا سہارا (سید مسرت جہاں بیگم نوری)

بحر مضارع مثمّن اخرب

ارکان: مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

فارسی: مستغرق گناہیم، ہر چند عذر خواہیم

پژمردہ چوں گیاہیم باران ما محمدؐ (خواجہ معین الدین چشتیؒ)

اردو: سرکار نیند کب تک، للہ جلد اٹھیے امت کا دم رکا ہے گویا لبوں پہ آکر (تمنا عمادی)

دیگر صورتیں:

(ا) ارکان: مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات مر فاعلن

فارسی: غالب ثنای خواجہ بہ یزداں گزاشتیم۔ کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است ***(غالب)

اردو: رنگ ظہور سے ترے گلشن رخ حدوث۔ نور وجود سے ترے روشن دل قدم ***(بہادر شاہ ظفر)

بحر رجز مثمن سالم:

ارکان: مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلن

فارسی: ای از شعاع روی تو خورشید تاباں را ضیا۔ آنی کہ ہستی را شرف، بالاتر از عرش علیٰ (خواجہ بختیار کاکی)

اردو: کیا شکل کھینچی واہ وا قرباں ترے دست قضا۔ پڑھتے ہیں جس کو دیکھ کر حور و ملک صل علیٰ

(امجد حیدر آبادی)

دیگر صورتیں:

(ا) ارکان: مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن

فارسی: ای سرنامہ نام تو عقل گرہ کشای را۔ ذکر تو مطلع سخن طبع سخن سرای را***(فغانی)

اردو: اے کہ ترے جلال سے ہل گئی بزم کافری۔ رعشہ خوف بن گیا رقص بتان آذری (جوش ملیح آبادی)

بحر مجتث مخبون مقصور:

ارکان: مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان ر فعلن

فارسی: نشستہ ایم بیاد تو یا رسول اللہ۔ بکنج نیستی از عجز روئی بر دیوار (بیدل)

اردو: ہوا ہے خلق پہ احسان شان ستاری۔ چھپانے عیبوں کو اب پردہ دار آتے ہیں (سیف ٹونکی)

بحر منسرح مثمن مطوی:

ارکان: مفتعلن فاعلات / فاعلن مفتعلن فاعلات رفاعلن

فارسی: روز قیامت کہ خلق روی بہ ہر سو کنند - خسرو مسکین نکرد میل بجز سوی دوست (خسرو)

اردو: ہے یہی میری نماز' ہے یہی میرا وضو - میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو (اقبال)

بحر خفیف مسدس مخبون:

ارکان: فاعلاتن مفاعلن فعلن / فعلان

فارسی: چاکرش آفتاب و بندہ سہیل - روی او والضحیٰ و موی واللیل (عراقی)

اردو: چارۂ درد لادوا تم ہو - بے سہاروں کا آسرا تم ہو (حمید عظیم آبادی)

بحر سریع مطوی:

ارکان: مفتعلن مفتعلن فاعلان / فاعلن

فارسی: قطرہ آبی نخورد ماکیاں - تا نکند روی بسوی آسمان (خسرو)

اردو: اے شب ملتاں تو سلامت رہے - اب تو مدینے کی سحر چاہیے ####(عاصی کرنالی)

رباعی:

کل چوبیس اوزان مروج ہیں - بارہ شجرہ اخرب سے اور بارہ شجرہ اخرم سے ارکان کی ایک ایک مثال:

شجرہ اخرب: مفعول مفاعلن مفاعیلن فع

شجرہ اخرم: مفعولن فاعلن مفاعیلن فع

فارسی:
ساقی قدحی کہ ہست عالم ظلمات
جز روی تو نیست در جہاں آب حیات
از جان و جہان و ہرچہ در عالم ہست
مقصود توئی و بر محمدؐ صلوٰت
(خیام)

اردو:

کیا قامت احمدؐ نے ضیا پائی ہے
چہرے میں عجب نور ہے، زیبائی ہے
مصحف کو نہ کیوں فخر ہو اس صورت پر
قرآن سے پہلے یہ کتاب آئی ہے
(دبیر)

6- عربی فارسی قواعد (گرامر) کا وہی غلبہ رہا۔ بھاشا، مقامی بولی کی گرامر جزواً" شریک عمل رہی۔ ورنہ صرف نحو علم بیان علم بدیع میں میلان طبائع فارسی ہی کی جانب ہے۔

بحوالہ آب حیات "اسم فاعل فارسی، عربی سے بے شمار لیے۔ شطرنج باز کے قیاس پر چوپڑ باز۔ وفادار کے قیاس پر سمجھ دار۔ باغبان کے قیاس پر گاڑی بان۔

اسم ظرف قلم دان کے قیاس پر خاصدان

اسی طرح آب حیات میں باب حروف کے تحت کئی حروف کے جذب و اختیار کا ذکر ہے۔ یای نسبت کا ذکر ہے۔ دلی وال کی جگہ دہلوی۔

ہندی مصدر موجود تھے مگر صدہا مصادر مرکبہ بنالیے اور ان سے افعال بھی تراشے۔۔" یہاں تک تو صرف یہ بات متبادر ہوئی کہ اردو نے فارسی کی تال میل سے اپنا کام چلایا اور فارسی کے اثرات کی پذیرائی کی ورنہ اگر دیکھا جائے تو صدہا مقامات کو فارسی قواعد یا عربی قاعدوں سے من و عن قبول کیا گیا ہے۔ مثلاً" صرف (کلمہ)۔

اسم کی اقسام بلحاظ جنس۔ اردو کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی سے تذکیر و تانیث اختیار کی گئی۔

اسم کی اقسام بلحاظ تعداد۔ زیادہ تر عربی اوزان کے مطابق بنی ہوئی جمع کو استعمال میں لایا گیا۔

اسم علم اور اس کی اقسام میں وہی تتبع۔

اسم ذات۔ تصغیر و تکبیر میں اردو کے ساتھ ساتھ فارسی کی تقلید۔

ظرفیت میں بعض علامات فارسی کی روش

آلہ۔ بعض عربی و فارسی بھی مستعمل۔

اسم صفت میں بعض لاحقے اور سابقے عربی فارسی سے۔

صفت ذاتی کے درجات میں فارسی کی تقلید۔

صفت نسبتی میں یہی تلازمہ۔

بعض مصادر ترکیبی شکل میں فارسی و عربی سے بنالئے گئے۔

بے شمار حاصل مصادر فارسی زیر استعمال۔

اسم فاعل اور اسم مفعول، اکثر عربی اور فارسی۔

بہت سے فارسی و عربی حروف، ہندی حروف کے علاوہ داخل قواعد۔

نحو--(کلام) اکثر مرکبات فارسی سے مستعار۔ خصوصاً" مرکب اضافی 'توصیفی' عطفی کا بکثرت استعمال۔

علم بیان اور علم بدیع بھی اشجار کی صورت اپنی شاخوں اور شاخسانوں کے ساتھ اردو کی زمین پر سایہ افگن ہے۔

محاورات بے حد وحساب اپنے ہونے کے باوجود فارسی محاوروں یا ان کے ترجموں کا میلان ہے' جن کے استعمال سے اپنے بیان کو آراستہ کرتے ہیں۔

ہمہ قسم کی شاعری میں استعمال کے ساتھ ساتھ اردو حمد ونعت بھی فارسی قواعد کے ان اثرات و برکات سے مالا مال ہے---

7- جہاں تک قصص 'اساطیر' واقعات' مقامات اور تلمیحات کا تعلق ہے 'انہیں زیادہ تر سرزمین عرب سے نسبت ہے۔ ارض عرب کو یہ شرف حاصل ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ وہاں واقع ہیں۔ اکثر انبیا علیہم السلام کی برکات سے یہ ارض طیب آسودہ ہے۔ قرآن یہاں نازل ہوا۔ خاتم الانبیاء سید المرسلین ہادی کائنات ''معلم انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہاں مبعوث ہوئے۔ اسی سعید سرزمین نے ان کے انوار قدس کو جذب کیا اور ان کے ارشادات وتعلیمات واعمال صالحہ کی تجلیوں سے یہ خاک رشک افلاک ہوئی۔ اس لئے فارسی اور اردو حمد ونعت نے اس پہلو سے براہ راست اس ارض مقدس کو حوالہ بنایا۔ تاہم کیونکہ فارسی حمد ونعت کو اس سلسلے میں تقدم حاصل ہے۔ اس لئے اگر اردو حمد ونعت ان قصص' واقعات' مقامات اور تلمیحات کو داخل کلام کرتی ہے تو ہم اسے بھی فارسی ہی کا بالواسطہ اتباع قرار دیں گے۔ اصل میں عربی کا تمام سرمایہ دین و دانش اور خزینہ ادب و آگہی اور بے شمار علوم وفنون فارسی فکر و خیال اور تخلیق و تحقیق کی مہر توثیق ثبت ہونے کے بعد ہمارے لئے لائق تحصیل واستفادہ بنے ہیں اس لئے ہم اردو زبان وادب کے کسی بھی شعبے اور پہلو پر فارسی نقوش و آثار کی اہمیت سے انکار کر ہی نہیں سکتے اور فارسی زبان وادب اپنے جمال و کمال کی جن انتہاؤں کو چھو کر ہم پر پرتو افگن ہوا' وہاں ہم اس کے اتباع کو اپنے لئے موجب فخر ومباہات ہی قرار دیں گے۔ اور اردو حمد ونعت پر فارسی شعری روایت کے اثر کا اعتراف تحدیث نعمت کے طور پر کریں گے۔

اردو نعت میں شانِ الوہیت کا استخفاف

رشید وارثی

تنقید وہ فن منیف ہے جس نے ہمیشہ ادب کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اسے بے راہ روی سے محفوظ رکھا ہے اس صنف ادب نے ہمارے ہاں مغربی اہل نقد و نظر کے تتبع میں گذشتہ ایک صدی کے دوران رواج پایا ہے۔ لیکن ان سو برسوں میں بھی مختلف وجوہات کی بنا پر نعتیہ ادب میں تنقید پر توجہ نہ دی جا سکی جس کے نتیجے میں ایک طرف تو اردو ادب میں نعت نگاری کو وہ بلند مقام حاصل نہ ہو سکا جو اس کا استحقاق ہے' دوسری جانب اردو نعت میں ایسے فروتر مضامین شامل ہوتے گئے جو اس صنف لطیف کے تقدس اور ارفع و اعلیٰ مقاصد کے قطعی منافی ہیں۔ لہٰذا نفس مضمون پر گفتگو سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نعت نگاری میں تنقید کی ضرورت و اہمیت کا اجمالی جائزہ لے لیا جائے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ جس طرح مختلف اشیاء کی لطافت اور کثافت کے اعتبار سے ان کی پیائش اور پرکھ کے تقاضے اور پیمانے مختلف ہیں اسی طرح دیگر اصناف سخن سے قطع نظر نعت نگاری جیسی لطیف اور رفیع الشان مقاصد کی حامل صنف کسی روایتی تنقید کے بجائے "معنوی تنقید" کی متقاضی ہے۔

معنوی تنقید کیا ہے؟ : تنقید خواہ سماجی ہو یا نفسیاتی جمالیاتی ہو یا تاثراتی' روایتی ہو یا سوانحی' ان سب کا مخرج و منبع "مغرب" ہی رہا ہے۔ اس صورتحال میں اگر یہ جائزہ لیا جائے کہ تنقید نے اب تک جو اشکال و جہات اختیار کی ہیں کیا یہ صورتیں نعتیہ ادب و تنقید کے ارفع و اعلیٰ تقاضوں کو پورا کرنے کی اہلیت رکھتی ہیں؟ تو یقیناً ہمارا جواب نفی میں ہوگا چنانچہ ان مقاصد حسنیٰ کے حصول کے لیے ہمیں اس آفاقی مکتب تنقید کی بازیافت کرنا ہوگی جس کی جانب خود ناعت حقیقی جل جلالہ نے یاایھا الذین امنو الا تقولو راعنا وقولوا انظرنا (البقرہ۔ ۱۰۴) کا حکم دے کر اور ذات ممدوح کردگار صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے نعتیہ اشعار میں معنوی سقم کی اصلاح فرما کر اہل ایمان کی رہنمائی کی ہے۔ اسی مکتب تنقید کو ہم "معنوی تنقید" سے موسوم کر سکتے ہیں۔

نعت نگاری میں معنوی تنقید کے لیے صرف تنقیدی شعور ناکافی ہے کیونکہ یہ لطیف اور مقدس صنف سخن تنقیدی شعور کو تحقیقی مطالعہ کی ٹھوس بنیاد فراہم کرنے کی متقاضی ہے۔ لہٰذا تحقیق اور تنقید کا امتزاج ہی وہ صورت ہے جس سے نعت نگاری میں "معنوی تنقید" کے تقاضے کما حقہ پورے کیے جانے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

معنوی تنقید اقلیم نعت میں شاہراہ تحقیق پر گامزن رہتے ہوئے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں فخر موجودات صلی اللہ و آلہ وسلم کے اسوہ حسنہ اخلاق و کردار فضائل و شمائل شان عبدیت و محبوبیت' غرض ذات

رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور "حقیقت محمدیہ" سے متعلق متنوع صداقتوں کا ادراک کرتی ہے اور اپنے تجزیات کا اس صحت اور وضاحت کے ساتھ اظہار و ابلاغ کرتی ہے کہ گمان و یقین کے بین بین مضطرب خیالات رکھنے والے تخلیقی ذہنوں کو حقیقت شناسی کی آسودگی نصیب ہو کر پختہ عقائد کی بنیاد فراہم ہوتی ہے۔ چنانچہ صنف نعت کو اردو ادبیات میں اس کے شایان شان مقام پر فائز رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی تخلیقی بنیادوں کو اسلام کے اساسی عقائد اور فلسفہ شریعت کی آفاقی سطح پر استوار کیا جائے۔

ہم نے اس سے پیشتر مقالے میں "نعت نگاری میں ذم کے پہلو" کے عنوان سے بعض ایسے اشعار کی نشاندہی کی تھی جن میں ذات ممدوح خدا (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی توصیف کے بجائے تنقیص کے پہلو مضمر ہیں۔ اور اب اس مقالے میں اردو نعت گو شعراء کے بعض ایسے اشعار معنوی تنقید کے ساتھ ملاحظہ فرمایئے جن میں شان الوہیت کے استخفاف کے پہلو نمایاں ہیں۔

ذات و صفات باری تعالیٰ کی تمثیل : ارکان اسلام کے پہلے رکن "توحید" سے مراد ایک ایسی ذات کا اثبات ہے جس کے مشابہ کوئی اور ذات نہ ہو اور جو اپنی صفات عالیہ سے کبھی معطل نہ ہو اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظمت و کبریائی الوہیت و بادشاہی اور اسماء و صفات سے مخلوق کو کوئی مشابہت نہیں یہاں یہ صراحت ضروری ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بعض اسمائے حسنیٰ کی خلعت سے اپنے حبیب پاک علیہ الصلوۃ والسلام کو جو سرفراز فرمایا ہے حقیقت میں مشابہت وہاں بھی نہیں ہے۔ کیونکہ ذات قدیم کی صفات اور مخلوق کی صفات بالکل مختلف ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اور مخلوق کی ذات میں کوئی مماثلت و مشابہت نہیں اسی طرح اللہ رب العزت کی صفات اور مخلوق کی صفات میں کوئی مماثلت و مشابہت نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ یعنی اس کی مثل (یا اس جیسا) کوئی نہیں (سورہ الشوریٰ۔ آیت ۱۱) اور پھر ارشاد ہوتا ہے فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰہِ الْاَمْثَالَ یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں مثالیں بیان نہ کرو (سورہ نحل۔ آیت ۷۴)۔ حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی ہیں اور اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنی جن صفات سے متصف فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔ لہٰذا سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صفات مبارکہ سے آپ کی عبدیت کامل اور شان محبوبیت کا اثبات ہوتا ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات سے شان الوہیت کا۔

ان حقائق کی روشنی میں نعتیہ مجموعوں میں شامل یہ اشعار دیکھئے :

تو کہ ہے مثلِ خدا رنگِ قدامت کا امیں
ہر نئی فکر کی تعمیر اٹھائی تو نے

وہ فہم و فکر سے بالا وہ اسم و جسم سے پاک
خدائے بہتر و برتر کی عظمتوں کی طرح

یہاں بعض دیگر اسقام سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ نشاندہی کرنا مقصود ہے کہ قرآنی احکام کے خلاف ان اشعار میں "خدائے بہتر و برتر کی عظمتوں کی طرح" اور "مثل خدا" کہہ کر صفات باری تعالیٰ کی تمثیل بیان کی گئی ہے، جو شرک بالصفات کے مترادف ہے۔

اسی طرح ایک اور شعر دیکھئے۔

زمین تیری طرح ہے نہ آسماں تجھ سا
بجز خدا نہیں کوئی بھی بیکراں تجھ سا

حالانکہ اس شعر کا مصرعہ اولیٰ "حقیقت محمدیہ" یا مراتب وجود کے حوالے سے مبنی بر صداقت ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کو زیادہ بلیغ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے۔ ع

"گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب"

لیکن "بجز خدا نہیں کوئی بھی بیکراں تجھ سا" کہنے سے اول الذکر شعر کا مصرعہ ثانی توحید باری تعالیٰ کے خلاف معانی سے آلودہ ہو گیا ہے۔ البتہ یہ مصرعہ اگر اس طرح کہہ لیا جاتا:

"خدا کے بعد نہیں" کوئی بیکراں تجھ سا۔ تو یہ مضمون حقیقت سے ہم کنار ہو جاتا۔ اردو نعت کے حوالے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان بے مثالی کا بیان درج ذیل اشعار میں صحت معانی کے ساتھ نظر آتا ہے:

ے ثانی تیرا کونین کے کشور میں نہیں ہے
بس حد ہے کہ سایہ بھی برابر میں نہیں ہے

اکبر وارثیؒ

کوئی مثل مصطفیٰؐ کا کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا
کسی اور کا یہ رتبہ کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا

صبیح رحمانی

کلام الٰہی کی تنقیص : ہم میں سے ہر شخص یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ صفات باری تعالیٰ کے ذریعہ ہی ہمیں معرفت ذات حاصل ہوتی ہے۔ ذات و صفات باری تعالیٰ کے سوا تمام اشیاء حادث ہیں یعنی عدم سے وجود میں آئی ہیں۔ یوں تو قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے بے شمار صفات کا ذکر آیا ہے۔ لیکن حیات[1]، قدرت[2]، سمع[3]، بصر[4]، کلام[5]، علم[6] اور ارادہ[7] خداوند کریم کی صفات ذاتیہ ہیں اور انہیں ام الصفات کہا جاتا ہے۔ یہاں ان اُم الصّفات میں سے صفت کلام کے حوالے سے مختصر گفتگو مقصود ہے اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کی طرح کلام بھی قدیم ہے (حادث و مخلوق نہیں)۔ لہٰذا امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بھی اس شخص کی تکفیر ثابت ہے جو قرآن کریم کو مخلوق مانے یہی وہ مہتمم بالشان عقیدہ ہے جس کی حفاظت کی پاداش میں امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کو کوڑے لگائے گئے لیکن آپ نے قرآن کو حادث یا مخلوق کہنے سے صاف انکار

کردیا اسی لیے یہ فقہی مسئلہ متفقہ علیہ ہے کہ حدیث میں غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت آئی ہے اور غیر اللہ کی قسم کھانے سے قسم منعقد نہیں ہوتی۔ لیکن کلام الٰہی چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے لہٰذا کلام اللہ کی قسم کھانے سے بلا کراہت قسم منعقد ہو جاتی ہے۔ نیز توریت' زبور' انجیل اور صحف ابراہیمؑ کی قسم بھی منعقد ہو جاتی ہے کیونکہ یہ بھی کلام الٰہی ہے (کتاب الفقہ علی المذاہب اربعہ)۔ مزید یہ کہ جس طرح کلام الٰہی کو حادث سمجھنا بد عقیدگی اور گمراہی ہے اسی طرح کلام الٰہی سے بہتر طرز بیان کا گمان رکھنا بھی گمراہی ہے اور اس کے شواہد قرآن کریم میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ قرآن کریم کی جامعیت کے بارے میں ارشاد ربانی ہے (اس قرآن میں) ہم نے ہر چیز کو تفصیل سے بیان کردیا ہے (سورہ بنی اسرائیل۔ ایت ۱۲) اسی طرح سورۃ النحل کی آیت ۸۹ میں ارشاد ہوتا ہے "اس (قرآن کریم) میں تفصیلی بیان ہے ہر چیز کا اور یہ سراپا ہدایت و رحمت ہے" اس آیت کی تفسیر میں صاحب ضیاء القرآن نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم کا یہ شعر نقل کیا ہے۔

جمیع العلم فی القران لکن
تقاصر عنہ افہام الرجال

یعنی قرآن کریم میں تو تمام علوم ہیں لیکن لوگوں کے ذہن اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں چنانچہ قرآن کریم سے استفادہ کرنا ہر شخص کی ذہنی استعداد کے ساتھ ساتھ تائید ربانی پر موقوف ہے۔ اس کے علاوہ کلام الٰہی میں فصاحت و بلاغت اور فن بدیع کے جملہ کمالات اس درجہ عروج پر نظر آتے ہیں کہ ان سے متحیر ہو کر عرب کے فحول شعراء اور خطباء اظہار عجز کرنے پر مجبور ہوگئے اور ان میں سے اکثر اعجاز قرآن ہی کی بدولت دولت ایمان سے مشرف ہوئے۔

ان حقائق کی روشنی میں عصر حاضر کے ایک معروف ثناخواں اور نعت گو شاعر محترم کا یہ شعر دیکھئے۔

(تخلص) آپ کی مدحت خاص کو
کم سے کم حق کا طرز بیاں چاہئے

اس شعر میں ذات حق تعالیٰ جل جلالہ کے طرز بیان کو "کم سے کم" کہنے سے قادر مطلق کی صفت کلام' وحی متلو اور غیر متلو (قرآن و حدیث) کی تنقیص ہوتی ہے۔ اسی طرح چونکہ قرآن کریم حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ہمیشہ قائم رہنے والا معجزہ ہے' لہٰذا کلام الٰہی کے طرز بیان کو کسی بھی زاویہ سے کم سے کم کہنا ذات ممدوح خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے معجزے کی بھی تنقیص کا پہلو رکھتا ہے لہٰذا مذکورہ بالا شعر کو کس زاویہ تفہیم یا خوش فکری سے نعت سرور کائناتؐ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے؟ ذرا سوچئے کہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے یہ گمان رکھا جائے کہ (نعوذ باللہ) اس کا طرز بیان حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی "مدحت خاص" کے لیے کم سے کم حیثیت رکھتا ہے۔ تو پھر آپؐ کی کامل مدح سرائی کے لیے ذات قادر مطلق کو بھی مجبور ماننا پڑے گا کہ وہ اپنے محبوبؐ کی کماحقہ مدحت بیان کرنے پر قادر نہیں۔ لہٰذا اس قسم کی مدح سرائی سے اجتناب کرنا بلکہ تائب ہونا نعت گوئی کیا ایمان کا بھی تقاضا ہے۔

مذکورہ شعر کے خالق شاعر محترم کو یہ سعادت حاصل ہے کہ ان کے سینے میں کلام الٰہی محفوظ ہے۔ اس طرح انشاء اللہ تعالیٰ وہ اپنی اور اپنی سات پشتوں کی مغفرت کا سامان بہم کر چکے ہیں۔ لہٰذا نہایت ادب و احترام کے ساتھ ان کی توجہ قرآن کریم کی اس آیت کی جانب مبذول کرائی جاتی ہے "مالکم لا ترجون لِلہ وقارا" ترجمہ : تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا بھی خیال نہیں رکھتے (سورہ نوح۔ آیت ۱۳)۔

نعت نگاری کی عظمت کے حوالے سے معروف نعت گو شاعر حافظ مستقیم صاحب کا یہ شعر کس قدر جامع اور خوبصورت ہے:۔

نعت والا کہاں اور کہاں مستقیم
اس کا حق ' حق تعالیٰ ادا کر چکا

خدائے مجبور کا تصور : قرآنی تعلیمات سے بہرہ مند تمام اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے ہر چیز پر قادر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ منجملہ دیگر آیات کے سورہ یٰسٓ کے آخری رکوع میں ارشاد ربانی ہی اِنَّمَا اَمرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیئاً اَن یَّقُولَ لَہٗ کُن فَیَکُون یعنی اس (اللہ تعالیٰ) کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرمادیتا ہے کہ ہو جا۔ تو وہ ہو جاتی ہے۔ ایمانیات کی اس بنیادی تعلیم کی روشنی میں نعت کے ضمن میں کہے جانے والے مندرجہ ذیل اشعار کا جائزہ لیجیے:

سرکارؐ کی آمد سے ثابت ہوا اے (تخلص)
اللہ کو تھی جلوہ نمائی کی تمنا

مقصود کائنات ہے بس آپؐ ہی کی ذات
ہر چیز میں خدا کی تمنا ہیں آپ ہی

خلوت میں نہ جلوت تھی نہ جلوت میں تھی خلوت
دو قلب میں تھی ایک تمنا شب معراج

سیر شب اسریٰ سے یہ نکتہ ہوا پیدا
تو حق کا تمنائی ۔ حق تیرا تمنائی

(خواہش) الفاظ آپ کے ہیں مشیت کی خواہشیں
محروم حرص و آز بنائے گئے ہیں آپ

(نفس مضمون سے قطع نظر مصرعہ ثانی میں لفظ "محروم" کا استعمال بے محل ہے جو شخص کسی نعمت سے باز رکھا جائے' اسے محروم کہتے ہیں۔ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اتمام ہوا لہٰذا لفظ "محروم" ہر اعتبار سے آپ کی شان کے منافی ہے۔ اس کے برعکس جس شخص کو کسی برائی سے باز رکھا جائے'

وہ "محفوظ" کہلاتا ہے۔ چونکہ حرص و آز اخلاق ذمیمہ میں سے ہیں' لہٰذا آپ کو "محفوظ حرص و آز" کہنا چاہیے)۔

(ارمان) صرف قدسی ہی نہیں درباں ختم المرسلیں
خالق اکبر کو ہے ارمان ختم المرسلیں

خالق ارض و سما کو بھی تھا ارمان بہت
عرش پر ہو کوئی مہماں' کوئی ہمراز آئے

(آرزو) نہ زباں پہ اپنی لاؤ کبھی بے وضو محمدؐ
ہے خدائے کل جہاں کی فقط آرزو محمدؐ

صاف ظاہر ہے یہ ذکر معراج سے
خود خدا کو بھی ہے آرزو آپ کی

مندرجہ بالا اشعار کے حوالے سے مختصراً عرض یہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک اسم صفت الجبار ہے۔ جس کی تشریح کے ضمن میں دیگر تفصیلات کے ساتھ اہل لغت یہ کہتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے آگے سب مجبور ہیں' اس لیے وہ جبار سے موسوم ہے۔ امام بیہقی محمد بن کعبؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "وہ جبار اس لیے موسوم ہے کہ مخلوق کو اپنے ارادے کے آگے مجبور کر دیتا ہے۔ (کتاب الاسماء والصفات)۔ چنانچہ اس جبر مشیت کے نتیجے میں نفس انسانی پر وارد ہونے والی کیفیتوں کو تمنا' خواہش' ارمان' یا حسرت و آرزو سے موسوم کیا جاتا ہے یہ الفاظ قریب قریب ہم معانی اور ایک دوسرے کے مترادفات ہیں۔ چونکہ ان الفاظ سے قدرت کی نفی ہوتی ہے' لہٰذا یہ مخلوق کے لیے مخصوص ہیں۔ ذات حق تعالیٰ پر ایسے الفاظ کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ رب العلمین کی شان عزو جلال' شان ہیبت و قدرت' شان کبریائی و جبروت اور شان غنا و بے نیازی کے منافی ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرنے سے اجتناب ضروری ہے۔

خدائے فانی کا تصور : یہ حقیقت نصوص صریحہ سے ثابت و معروف ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اصل کائنات اور خلاصہ موجودات ہیں۔ آپ خلق اول' تعین اول' برزخ کبریٰ اور رابطہ بین الظہور والبطون ہیں۔ قرآنی شواہد سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ اس مقام محبوبیت پر فائز ہیں کہ آپ سے محبت کرنے والے بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہو جاتے ہیں۔ آپ کی شان محبوبیت اتنی عظیم ہے کہ الفاظ و معانی اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔ تاہم شان الوہیت اور شان رسالت میں حفظ مراتب کا خیال رکھنا ہر صاحب ایمان کے لیے لازمی ہے اس حوالے سے شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ شعر صنف نعت نگاری میں ایک رہنما اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔

اَلعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَعَرّٰیٰ
فَالرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَنَزَّل

ترجمہ : بندہ خواہ کتنا ہی عروج حاصل کرلے' وہ بندہ ہی ہے۔ اور رب تعالیٰ خواہ کتنا ہی نزول فرمائے' وہ رب ہے۔

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں بیان کردہ اس حقیقت سے روگردانی کے نتیجے میں اردو نعت میں جو غیر محتاط رویہ نظر آتا ہے مندرجہ ذیل اشعار اس کے غماز ہیں:

واللہ مصور بھی ہے سو جان سے قرباں
ایسی بھی ازل میں کوئی تصویر کھنچی ہے

کس منہ سے ہوں میں حُسنِ خداداد کے صدقے
خود خالقِ ایجاد ہے ایجاد کے صدقے

حق جس کا میزباں ہے وہ مہماں تمہی تو ہو
خالق فدا ہے جس پہ وہ انساں تمہی تو ہو

حبیبِ پاک کی عظمت کا کیا ٹھکانہ ہے
خدائے عزوجل بھی ہے جاں نثارِ حبیب

مندرجہ بالا اشعار میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر (نعوذ باللہ) قربان ہونا' صدقے ہونا' فدا ہونا اور جاں نثار ہونا بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ الفاظ مخلوق کے لیے خاص ہیں کیونکہ مخلوق فانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ لہٰذا ذات حیی القیوم کے لیے ایسے الفاظ کا استعمال کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ مزید وضاحت کے لیے ذیل میں ان الفاظ کے معانی کا مختصر جائزہ لیتے ہیں:

قربان ہونا ۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں تصدق ہونا تاکہ اس کا قرب حاصل ہو۔ جان فدا کرنا۔

صدقے ہونا ۔ قربان ہونا' واری جانا' تصدق ہونا۔

فدا ہونا ۔ صدقے ہونا' قربان ہونا' کسی کی جان کے بدلے اپنی جان دے دینا۔ اپنے آپ کو بانفس فدیہ میں دے دینا (جیسے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے لیے مینڈھا قربان کیا گیا اور اس قربانی کو فدیہ کہا گیا)۔

جانثار ۔ جان نثار کرنے والا' جان قربان کرنے والا۔ جان فدا کرنے والا۔

یہ چاروں الفاظ بھی تقریباً ہم معانی اور ایک دوسرے کے مترادفات ہیں۔ اپنے حقیقی اور لغوی معنی کے علاوہ یہ الفاظ کلمات حقارت کے طور پر بھی استعمال کئے جاتے ہیں کہ عاشق اپنی جان محبوب کے سامنے حقیر جانتا ہے اور محبوب پر اپنی جان قربان کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اس لیے کنایتہً اور مجازاً یہ عاشق کے لیے بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ البتہ صرف اس عاشق پر ان کا اطلاق درست ہوگا جس کی حیات فانی ہو اور محبوب کی خاطر بانفس قربان کی جاسکے۔ لیکن جو ذات لافانی اور ہمیشہ قائم و دائم رہنے والی ہو' اس پر ان الفاظ کا مجازاً بھی اطلاق نہیں ہو سکتا۔

مزید برآں ایمانیات کے حوالے سے یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اگر یہ الفاظ ذات باری تعالیٰ کے لئے استعمال کئے جائیں تو اس طرح قرآنی آیات کی تکفیر کے ساتھ حق تعالیٰ کے بعض اسمائے صفات کی بھی نفی ہوگی مثلاً الحی ٗ القیوم ٗ الدائم ٗ القائم اور الباقی وغیرہ۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر ایمان رکھنا ہی توحید کی اساس ہے لہٰذا ذات حق تعالیٰ کے لیے قصداً ان الفاظ کو استعمال کرنے والا صفات باری تعالیٰ کی تکفیر کا مرتکب ہوگا۔ لہٰذا صنف نعت اس غیر محتاط رویہ سے اجتناب کی مقتضی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان محبوبیت کے بیان میں درج ذیل شعر صحت مضمون کی ایک بہتر مثال ہے:

اللہ ہے خود ان کی اداؤں کا ثنا خواں
کونین کی ہر چیز ہے قربانِ محمدؐ

(قمر یزدانی)

خدائے حاجت مند کا تصور : سورۂ عنکبوت (آیت ۶) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ان اللہ لغنی عن العلمین یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ تمام جہانوں سے بے پروا ہے اور اسی طرح وہ تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے وہ صاحبِ قدرت ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس ذات مطلق سے کسی آن اس کی شیون و صفات کے مسلوب ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا لہٰذا جو ذاتی و صفاتی اطلاقیت اشیاء کے ظہور سے پہلے تھی وہ ظہور اشیاء کے بعد بھی ویسی ہی موجود ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں ایک کہنہ مشق شاعر محترم کا یہ شعر دیکھئے۔

تجھ سے اللہ کو تعارف ہمیں عرفان ملا
تھا فریقین کو درکار وسیلہ تیرا

(اس شعر میں خالق اور مخلوق کے لیے لفظ "فریقین" استعمال کرنے کی شرعی حیثیت پر گفتگو کسی اور مقام پر موقوف کرتے ہیں)

اردو زبان میں تعارف کے معانی ایک دوسرے کو پہچاننا ٗ شناسائی ٗ واقفیت اور جان پہچان کے آتے ہیں۔ لہٰذا مصرعہ اولیٰ سے ذات علام الغیوب کے علمِ مطلق کی نفی پائی جاتی ہے۔ جبکہ مصرعہ ثانی میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ مخلوق خدا کے ساتھ ساتھ خود اللہ کو بھی (نعوذ باللہ) ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ درکار تھا۔ اس طرح خدائے حاجت مند کا تصور ابھرتا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جو ذات جل جلالہ چیونٹی جیسی ادنیٰ مخلوق کو بذریعہ وحی سلیمان علیہ السلام کے لشکر کی آمد سے مطلع کرنے پر قادر ہے (خلاصہ سورۂ نمل) تو کیا انسان کے قلوب کو براہ راست اپنی معرفت عطا کرنے سے قاصر ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس عالم اسباب میں انسانوں اور جنات کی ہدایت کے لیے اس نے انبیاء علیہم السلام کو ذریعہ بنایا ہے۔ یہ مشیت خداوندی ہے ضرورت خداوندی نہیں۔ لہٰذا یہ کہنا "تھا فریقین کو درکار وسیلہ تیرا" اللہ تعالیٰ کی شان قدرت کے منافی ہے۔

اسی طرح یہ شعر دیکھئے۔

عبد و معبود میں رشتہ کوئی صدیوں سے نہ تھا
ایسے بچھڑوں کو ملانے کے لیے آپ ﷺ آئے

صدارتی انعام یافتہ ایک مجموعہ نعت میں شامل اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں خداوند کریم اور اس کی مخلوق کو ملا کر "ایسے بچھڑوں" کہا گیا ہے جیسا کہ اس سے ماقبل شعر میں خداوند تعالیٰ اور مخلوق خدا کو ملا کر "فریقین" کہا گیا تھا۔ اس طرح نادانستہ طور پر شرک خفی کا ارتکاب ہو گیا ہے۔ توحید باری تعالیٰ کے سب سے عظیم مبلغ اور معلم اعظم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس سلسلے میں یہاں تک اہتمام فرمایا ہے کہ خداوند کریم اور اس کے رسول کی طرف ایک ضمیر لانے سے منع فرما دیا۔ تاکہ خدا اور رسول کا مرتبہ برابر ہونے کا تصور پیدا نہ ہو سکے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپؐ کے سامنے کسی شخص نے دوران خطبہ یہ جملہ کہا "جس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی" یہاں تک اس نے کہا تھا کہ آپؐ نے اس کو روک دیا۔ اور فرمایا "اٹھ جاؤ تم برے خطیب ہو" (ادب المفرد۔ امام بخاری)۔ اس جملہ پر آپ کے اظہار ناراضگی کی وجہ یہ تھی کہ لفظ اللہ اور رسول کو ملا کر "ان دونوں" کہنے میں شرک کا شائبہ ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں اللہ اور رسول کا بیان ایک جملے میں بھی کیا جائے تو ان میں فرق برقرار رکھا جاتا ہے مثلاً اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول یا اغنھم اللہ و رسولہ من فضلہ وغیرہ۔

الغرض جب اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیبؐ کو ملا کر لفظ "دونوں" کہنے کی حدیث میں قولی اور عملی طور پر ممانعت آئی ہے تو پھر عام بندوں کے ساتھ خدائے وحدہ لاشریک کو ملا کر "ایسے بچھڑوں" یا اس سے قبل شعر میں "فریقین" کہنا شرک کا اور زیادہ مفہوم پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا اس کا سدباب ہونا چاہئے۔ مزید یہ کہ معنوی اعتبار سے مذکورہ بالا شعر کا پہلا مصرعہ:

ع "عبد و معبود میں رشتہ کوئی صدیوں سے نہ تھا"

بھی خلاف حقیقت ہے۔ یعنی یہ تو ٹھیک ہے کہ مخلوق خدا اپنے معبود سے غافل تھی یا ان کے دلوں پر حجاب غفلت پڑا ہوا تھا۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ تو ہمہ دم اپنے تمام بندوں سے واقف ہے اور ان کی ضروریات پوری فرماتا ہے وہ اپنے ہر بندہ کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے 'اگرچہ بندوں کو اس کا ادراک نہیں۔

یہ ارتباط کہ رہتے ہیں میرے دل کے قریب
یہ احتیاط کہ محسوس بھی میں کر نہ سکوں

(سعید وارثی)

مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ کا تو واضح ارشاد ہے:

"نہیں ہوتی سرگوشی تین آدمیوں میں مگر ان کا چوتھا وہ (اللہ) ہوتا ہے اور نہ پانچ آدمیوں میں مگر ان کا چھٹا وہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم نہ زیادہ میں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی وہ ہوں۔" (سورۃ المجادلہ۔ ۷)

ان نصوص قرآنیہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خداوند کریم تو ہمیشہ سے اپنے بندوں کی جانب ہمیشہ مائل

بہ کرم ہے لیکن بندے اس سے غافل رہ کر اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں۔ پھر خدا تو زمان و مکان کی قید سے پاک اور منزہ ہے۔ لہٰذا ہر زمانے میں اور ہر جگہ اس کی بادشاہی قائم و دائم ہے اس پر "بچھڑنے کا" اطلاق نہیں ہو سکتا۔ مزید یہ کہ کسی کا کسی سے بچھڑ جانا مجبوری کی علامت ہے اور اس سے قدرت کی نفی ہوتی ہے لہٰذا اس شعر سے بھی خدائے مجبور و حاجت مند کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔

نعت نگاری میں موقع و محل کی نزاکت کے اعتبار سے الفاظ استعمال کرنے پر جناب محشر بدایونی نے کیا خوب توجہ دلائی ہے۔

گلشنِ نعت میں یہ بصیرت بھی ہو
کون سا گُل ہے بہتر کہاں کے لیے

خدائے محکوم کا تصور : قرآن کریم نے تمام انسانوں اور جنات سے سوال کیا ہے الیس اللہ باحکم الحکمین یعنی کیا اللہ تعالیٰ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں (سورہ التین۔۸) احکم حرف تفضیل ہے۔ اور اس سوال کا منشاء و مقصود اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مطلق کا اثبات ہے۔ جیسا کہ سورہ ہود کی ۴۵ ویں آیت میں نوح علیہ السلام کی زبانی ارشاد ہوتا ہے (اے پروردگار) "تیرا وعدہ سچا ہے اور تو احکم الحاکمین ہے" ان تعلیمات ربانی کے برعکس ایک نعتیہ دیوان میں خدائے محکوم کا تصور ملاحظہ فرمائیے:

انوکھی بات نہیں عزو اقتدارِ حبیبؐ
اصول ہے کہ محبّ پر ہو اختیارِ حبیبؐ

اسی نعت کا ایک مصرعہ ہے "خدائے عزوجل بھی ہے جاں نثارِ حبیبؐ" جس سے اس بات کی توثیق ہوئی ہے کہ حبیبؐ سے شاعر محترم کی مراد حبیب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ شعر میں کہا گیا ہے کہ چونکہ محبّ پر حبیب کا اختیار ہوتا ہے لہٰذا (نعوذ باللہ) ذاتِ حق سبحانہٗ تعالیٰ پر اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اختیار حاصل ہے اور مزید یہ تاثر دیا جارہا ہے کہ یہ کوئی انوکھی یا حیران کن بات نہیں بلکہ ذات خداوند کریم پر اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اقتدار ایک اصولی بات ہے اس طرح جناب حبیب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حاکیت اور خدائے بزرگ برتر کی محکومیت یعنی اپنے حبیب کے زیر اختیار ہونا ثابت کرنے کی جسارت کی گئی ہے حالانکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو منجملہ دیگر فضائل کے اپنی کامل اطاعت و بندگی کا مظہر بنا کر شرف محبوبیت سے سرفراز فرمایا ہے اور آپ کی عبدیت کاملہ کی قدر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ آپ کی ناز برداری فرماتا ہے اور اس کے شکر میں نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے رب کے حضور محو سجود رہتے ہیں۔ اور آپ محو سجود رہتے ہوئے ہی اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے لہٰذا رعایت لفظی کے سہارے خدا و رسول محب و محبوب اور عبد و معبود کے درمیان حفظ مراتب سے رد گردانی کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اور نعت نگاری کے آداب کے بھی منافی ہے۔

اگر ہم اس دنیا میں بھی دیکھیں تو حفظ مراتب کی ایک اچھی مثال یہ سامنے آتی ہے کہ سلطان محمود غزنوی

رحمتہ اللہ علیہ اپنے غلام ایاز کو ان کی ادائے دلبری اور اخلاقی صفات کی وجہ سے عشق کی حد تک چاہتے تھے۔ اس والہانہ محبت کے باوجود سلطان اور غلام کے مابین حفظ مراتب میں کبھی فرق نہ آنے پایا۔ سلطان محمود ایاز کو شفقت شاہانہ سے نوازتے رہے اور ایاز اس بندہ پروری اور قدردانی پر سلطان کے حضور سراپا نیاز بنے رہے۔

کائنات عشق کی چونکہ پہلی منزل ہی حب ہے لہٰذا جو حضرات دعوئٰ عشق کے ساتھ خلاف اسلام باتیں بیان کرتے ہیں غزل میں تو شاید ان مضامین کی گنجائش ہو سکتی ہو لیکن نعت نگاری کا تقدس ایسے مضامین کا متحمل نہیں ہو سکتا لہٰذا اس زاویہ سے بھی نعت نگاری میں احتیاط ضروری ہے۔

شانِ کُن فیکون کا استخفاف : صراط مستقیم سے ہٹ کر خارزار تخیل میں رہوار قلم کو دوڑانے کے نتیجے میں اردو نعت میں جو غیر اسلامی تصورات بیان ہوئے ہیں ان میں ایک اضافہ یہ بھی ہوا ہے۔

؎ وہ نغمۂ کُنؔ جس سے مرتب ہوئے کونین
اللہ کے پردے میں محمدؐ کی صدا ہے [۱]

گویا یہ تصور دیا جا رہا ہے کہ معاذ اللہ ذات باری تعالیٰ کے پردے میں فاعل حقیقی اور صاحب کُن فیکون ذات رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے جس نے امر کُن صادر فرمایا تھا۔ اور اس کے نتیجے میں یہ بزم کونین وجود میں آئی۔ اور اس بات پر یہ پردہ پڑا رہا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ خلاقِ دو عالم ہے خدا کا شکر ہے کہ امت مسلمہ کا ہر فرد اللہ تعالیٰ کے بدیع السموات والارض اور خالق المخلوقات ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے لہٰذا مذکورہ بالا شعر میں جو مفہوم بیان ہوا ہے اس کے رد میں قرآنی دلائل دینے کی ضرورت نہیں۔ یہاں اس غلط تصور کی نشاندہی سے صرف یہ مقصود ہے کہ نعت نگاری میں ایسے بے بنیاد اور غیر اسلامی مضامین کی تقلید کا سدباب کیا جائے۔

رقیبِ خدا۔ عاشقِ مصطفیٰؐ ؟ : بارگاہ رب العزت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان محبوبیت کے حوالے سے گذشتہ عنوانات کے تحت مختصر گفتگو کی جا چکی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت و رہنمائی کے لیے دیگر انبیاء علیہ السلام کو اپنی نیابت اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نیابت کبریٰ سے سرفراز فرمایا چنانچہ اس جہان رنگ و بو میں آپ کے ورود مسعود کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت اور احسان عظیم سے تعبیر فرمایا ہے اب بنی نوع انسان کا کوئی فرد اس نعمت کبریٰ اور احسان عظیم پر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر ادا کرنے کے بجائے ذات محبوب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اپنے عشق کا اس طرح اعادہ کر بیٹھے۔

؎ نہ کیوں فخر ہو عشق پر اپنے مجھ کو
رقیبِ خدا ۔ عاشقِ مصطفیٰؐ ہوں

تو کیا "رقیب خدا ہو کر محبوب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عشق کا دعویٰ درست ہو سکتا ہے؟ اور کیا عشق رسولؐ پر مفاخرت کا یہ انداز بارگاہ مصطفویؐ میں پسندیدہ ہو سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔

عربی زبان میں رقیب کے معانی محافظ اور نگہبان کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ایک اسم صفت بھی ہے ان معانی میں

کوئی شخص خود کو "رقیب خدا" (خدا کا نگہبان) تو خیر کہہ ہی نہیں سکتا۔ رہی اردو زبان تو اردو لغت میں اس لفظ کے معانی محافظ اور نگہبان کے علاوہ حریف مقابل بلکہ دشمن کے بھی آتی ہیں جیسا کہ اکبر الہ آبادی نے کہا ہے۔

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اور کسی دوسرے شاعر نے بھی لفظ رقیب کا استعمال انہی معانی میں اس طرح کیا ہے۔

رفیقوں سے رقیب اچھے جو جل کر نام لیتے ہیں
گلوں سے خار بہتر ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں

اردو لغات میں لفظ رقیب کی تشریح یوں بھی کی گئی ہے کہ وہ دو شخص جو ایک ہی محبوب کے عاشق ہوں ان میں سے ہر ایک دوسرے کا رقیب کہلاتا ہے اس لیے کہ ہر ایک دوسرے سے محبوب کی نگہبانی اور حفاظت کرتا ہے۔ اسی لیے رقیب کو "رقیب روسیاہ" بھی کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ان معانی میں خود کو "رقیب خدا" کہنا تو معاذاللہ کفر کے مترادف ہے۔ اور اگر رقیب کے معنی حریف، مقابل یا دشمن کے لیے جائیں تو معاذاللہ کوئی شخص خود کو اللہ تعالیٰ کا حریف اللہ تعالیٰ کا مقابل یا اللہ تعالیٰ کا دشمن کہہ کر ذات محبوب خدا سے عشق کا دعویٰ کس طرح کر سکتا ہے؟ ظاہر ہے ایسا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس بارے میں نرم سے نرم الفاظ میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ انداز توصیف نادانستہ طور پر انتہائی غیر ذمہ دارانہ اور بارگاہ رب العزت میں گستاخی کے مترادف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے ہمیں اپنے محبوبؐ کی امت ہونے کا اعزاز عطا فرمایا۔ اس حوالے سے جناب عاصی کرنالی کا یہ شعر کتنا خوبصورت ہے۔

یہ عدل ہے کہ خدا نے مجھے کیا پیدا
یہ فضل ہے کہ ترا امتی کیا مجھ کو

توحید باری تعالیٰ کی تمثیل : اسلام کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کہ ذات وحدہ لاشریک ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ چنانچہ اثبات توحید کے عقیدے پر ثابت قدم رہنا اور تشبیہ سے بچنا ہی راہ ہدایت ہے۔ اس بنیادی عقیدے کے برعکس ایک شاعر و ناقد محترم (اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین) اپنے نعتیہ مجموعہ میں یہ نیا فلسفہ پیش کرتے ہیں۔

یہ عجیب فلسفہ ہے کہ ہیں لا شریک دونوں
نہ نبی ہے کوئی ان سا نہ خدا ہی دوسرا ہے

اس شعر میں ایک شرعی سقم تو وہی موجود ہے (جس کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے) کہ خدا اور رسول کے لیے ایک ہی ضمیر "دونوں" استعمال کی گئی ہے۔ جو شرک خفی کی آلودگی سے پاک نہیں دوسری بات یہ کہ اگرچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت شان یہ ہے کہ آپؐ کل موجودات میں بعد از خدا بزرگ تر ہیں اور مظہر اسماء و صفات ہیں لیکن لفظ لاشریک کا معنوی اطلاق صرف اس ذات جل جلالہ پر ہوتا ہے۔ جو موجود بالذات ہو۔ اور یہ اللہ

تبارک وتعالی کی صفت خاصہ ہے۔ اسی طرح استغنائے ذاتی بھی ذات لاشریک کی صفت خاصہ ہے۔ جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالی کے نیازمند ہیں۔ اور اللہ تبارک وتعالی کی ذات اقدس غنی عن العلمین ہے۔ آپ اللہ تعالی کے عبد کامل ہیں اور اللہ تعالی معبود حقیقی آپ خلق اول ہیں اور اللہ تعالی خالق حقیقی مختصر یہ کہ اگر ہم مخلوق کی صفات حق تعالی کے لیے ثابت کریں تو کفر لازم آتا ہے اور حق تعالی کی صفات خاصہ خلق کے لیے ثابت کریں تو شرک لازم آتا ہے۔ لہٰذا ذات خیرالانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لاشریک کہنا شرک فی الصفات کے مترادف ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ مذکورہ شعر میں اللہ تعالی کے لاشریک ہونے کی دلیل تو ٹھیک ہے کہ کوئی دوسرا خدا نہیں۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لاشریک ہونے کیدلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ آپ جیسا کوئی اور نبی نہیں۔ تو یہ بات آپ کے لاشریک ہونے پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ آپؐ اگرچہ امام الانبیاء افضل الرسل اور خاتم الانبیاء ورسل ہیں لیکن منجانب اللہ تعالی تمام انبیاء ومرسلین علیھم السلام منصب نبوت یا رسالت پر فائز رہے ہیں اور اللہ تعالی کی تمام کتابوں اور رسولوں پر ایمان رکھنا ہر مسلمان کے لیے شرط ایمان ہے۔ لہٰذا حق بات یہ ہے کہ سرور دوجہاں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فخر موجودات اور جامع کمالات انبیاء ومرسلین ہیں۔ لہٰذا آپ تمام مخلوقات میں بے مثل ہیں لاشریک صرف اللہ تبارک وتعالی کی ذات ہے۔

آپ کی رفعت شان اور "بعد از خدا بزرگ" ہونے پر اردو نعت کے حوالے سے جمیل نظر صاحب کا یہ شعر قابل تعریف ہے۔

نجات بن کے جو آیا ہے آدمی کے لیے
خدا کے بعد ہے تعریف سب اسی کے لیے

نام نبیؐ لے کر خدا کے زندہ رہنے کا گمان : قران کریم کی سب سے عظیم الشان آیت آیتہ الکرسی ہے جس کے آغاز میں ارشاد ربانی ہے اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم، یعنی اللہ تو وہ ہے جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ زندہ ہے اور سب کو زندہ رکھنے والا ہے۔ (سورہ البقرہ۔ ۲۵۴)۔

یہاں اللہ تعالی کے دو اسمائے صفات بیان ہوئے ہیں ایک الحی اور دوسرا القیوم الحی کے معنی ہیں وہ ذات جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی جو موت اور فنا کے نقص سے بہت پاک ہے جو موجود بالذات اور عدمیت سے منزہ ہے۔ القیوم سے مراد وہ ذات ہے جو اپنے وجود وحیات میں دوسرے کے وجود سے مستغنی اور قائم بالذات ہو۔ یعنی اس کے وجود وحیات کے لیے کسی اور شے کا وجود شرط نہ ہو بلکہ ہر شے کا وجود اس کے وجود سے وابستہ ہو اور اس کے بغیر کسی شے کا وجود ممکن نہ ہو۔ القیوم مبالغہ کا صیغہ ہے اس لفظ کا مصدر "قیام" ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ ذات قائم ودائم ہے جو کائنات کی ہر چیز کی تخلیق، نشوونما اور بقا کی تدبیر فرمانے والی ہے۔

اس مختصر توضیح کے بعد ہم اپنے محترم قارئین کی توجہ مندرجہ ذیل شعر کی جانب مبذول کراتے ہیں۔

نام نبیؐ کا ربط ہے ایسا خدا کے ساتھ
مشروط جاندار ہیں جیسے ہوا کے ساتھ

یہاں یہ نرالا فلسفہ پیش کیا جارہا ہے کہ جس طرح دیگر ذی حیات اشیاء کی زندگی کے لیے ہوا کا وجود شرط ہے یعنی ہوا کے بغیر ان کی حیات ناممکن ہے اسی طرح نام نبیؐ کا اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اقدس کے ساتھ ایسا ربط ہے کہ اگر (نعوذ باللہ) وہ نام نبی نہ لے تو زندہ نہیں رہ سکتا یعنی اللہ تعالیٰ کی حیات نام نبی لینے کے ساتھ مشروط ہے چنانچہ اس شعر میں اللہ تعالیٰ کے موجود بالذات رہنے اور قیومیت وقدامت کی نفی ہوتی ہے ذات واجب الوجوب (اللہ تبارک وتعالیٰ) کی ذات تو نور محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تخلیق سے پہلے بھی موجود تھی اور جب سب فنا ہوجائیں گے تب بھی اسی کی ذات کل شی ھالک الا وجہ زندہ وموجود رہے گی۔ اس قسم کی بے اصل اور صفات باری تعالیٰ کے استخفاف بلکہ تکفیر پر مبنی مضمون آفرینی سے اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے۔ آمین

فن نعت نگاری کے حوالے سے جمیل نظر (مرحوم) نے کیا خوب کہا ہے۔

جو چاہتے ہیں لفظ چنیں نعت کے لیے
کمزور پہلوؤں پہ وہ پہلے نظر کریں

جمال الٰہی میں اضافہ کا گمان : اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے ساتھ اس کی صفات بھی قدیم اور دائم و قائم ہیں۔ ان میں کسی تغیر وتبدل یا ترقی وترفع کا گمان گمان باطل ہوگا۔ اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہوئے یہ شعر دیکھیے۔

خالقِ عرش سرِ عرش بصد رعنائی
جلوہ فرما ہے بہ اندازِ دگر آج کی رات

اس تصوراتی شعر میں (بصد رعنائی کہہ کر) یہ بیان کیا جارہا ہے کہ خالق عرش اپنے حسن وجمال میں کئی گنا اضافہ کے ساتھ اسریٰ کی شب ایک نئے انداز سے جلوہ افروز ہے۔ یہاں یہ معنوی سقم بھی پیدا ہوگیا ہے کہ جو چیز نامکمل ہوتی ہے یا درجۂ کمال پر نہیں ہوتی اسی میں مزید بہتری یا اضافہ کی گنجائش ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی تمام صفات کے ساتھ ایسی باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔ جن میں حدوث کا شائبہ پایا جائے۔

یہاں اس شبہ کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی صاحب سورہ الرحمٰن کی ۲۹ویں آیت کل یوم ھو فی شان سے تجلی ذات مراد لیتے ہوں تو یہ سخت مغالطہ ہے۔ لفظ شان کے معانی کام حال اور فکر کے آتے ہیں۔ اور اس کی جمع شئون ہے۔ چنانچہ اس آیت میں شیون یا افعال الٰہی کا بیان ہے کہ وہ ہر آن کسی نہ کسی عظیم کام کا ظہور فرماتا ہے جو اس کی قدرت کے مظاہر ہیں ابن جریر میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! وہ شان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا گناہوں کا معاف فرمانا دکھ کو دور کرنا لوگوں کو ترقی وتنزل پر لانا۔ ابن ابی حاتم ابن عساکر اور بخاری شریف میں اس کے ہم معانی دیگر احادیث بھی

مروی ہیں۔(تفسیر ابن کثیر)

مختصر یہ کہ ایسے الفاظ اور تراکیب جن میں تغیر و تبدل کے معنی پوشیدہ ہوں ذاتِ لایزال ولم یزل کی عظمت کے منافی ہیں۔ حمد و نعت میں ایسے مضامین کے بیان سے احتیاط لازمی ہے۔

اسی حوالے سے ایک اور شعر دیکھئے۔

زبانِ شمعِ رسالت[؟] اگر نہ ضو دیتی
قسم خدا کی، خدایوں خدا نہیں ہوتا

اس شعر کا مصرعہ ثانی مبہم ہے جس سے قاری کو یہ تاثر ملتا ہے کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فریضہ تبلیغ بحسن و کمال ادا نہ فرماتے تو آج جس طرح خدا ہے اس طرح نہ ہوتا حالانکہ شاعر محترم یقیناً یہ کہنا چاہتے ہوں گے کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہزارہا صعوبتیں اٹھا کر مخلوق خدا کو درس وحدانیت نہ دیتے تو جس طرح آج عقیدہ توحید یا خدا کی وحدانیت کا تصور پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے' اس قدر واضح نہ ہوتا۔ اور وجود باری تعالیٰ یقین کی حد میں نہ آتا۔ لیکن "قسم خدا کی خدایوں خدا نہیں ہوتا" کہنے سے ذات واجب الوجوب کی تنقیص کا پہلو بھی نکلتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تو زمان و مکان کی تخلیق سے قبل بھی موجود تھا۔ اور اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ تخلیق کائنات سے پہلے تھا۔ اس کی ذات ہر تغیر و تبدل سے پاک ہے اور یہی قیومیت اور قدامت کا مفہوم ہے لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ خدا تو جیسا تھا ویسا ہی ہے' اور ہمیشہ ویسا ہی رہے گا لیکن "زبان شمع رسالت[؟] اگر نہ ضو دیتی" تو اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جہاں میں کوئی خدا آشنا نہیں ہوتا۔

مواہبِ الٰہیہ کی تحدید : قرآنی تعلیمات کی رو سے اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کی طرح اس کی شان عطا بھی لامحدود ہے۔ سورہ لقمٰن کی ۲۷ویں آیت میں ارشاد ربانی ہے "اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں ان کے قلم بن جائیں اور جتنے سمندر ہیں وہ روشنائی بن جائیں اور اس کے علاوہ سات سمندروں کی مزید روشنائی مہیا ہو جائے تب بھی اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہیں ہونگی"۔ چنانچہ حافظ شیرازی علیہ رحمتہ نے کیا خوب کہا ہے۔

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

یعنی اوراق ختم ہو گئے' عمر اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ ہم ساری زندگی سمند قلم دوڑاتے رہے لیکن تیری صفات کا احاطہ تو کجا' تیرے ایک وصف کے بھی کماحقہٗ' بیان سے عاجز و قاصر ہی رہے۔

سورہ ابراہیم کی ۳۴ویں آیت میں فرمان الٰہی ہے وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ان کا شمار نہیں کر سکتے۔ اسی طرح قرآن کریم میں بارہا یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت ایسی بے پایاں اور بیکراں ہے کہ عقل انسانی تو کجا راہوار تخیل کی بھی اس کے حقائق تک رسائی ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان قدرت کا کیا ٹھکانہ ہے کہ آسمان کی یہ وسعتیں جو بظاہر ہمیں لامتناہی نظر آتی ہیں۔ قرآن

کریم بتاتا ہے کہ ایسے ساتوں آسمان اس کے دست قدرت کی ایک مٹھی میں سما سکتے ہیں۔(دیکھئے سورہ الزمر کی ۶۷ ویں آیت)۔ان حقائق کی روشنی میں یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے:

؎ پڑھنے لگیں درود اگر دل کی دھڑکنیں
اس سے بڑا تو کوئی خدا کا کرم نہیں

؎

اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی عطائے کردگار
لب پہ ہے نعت نبیؐ دل میں ولائے مصطفیؐ

مندرجہ بالا اشعار میں اللہ تعالیٰ کے جود و کرم کو ایک خاص دائرے تک محدود سمجھ کر یہ بیان کیا گیا ہے کہ "اس سے بڑا تو کوئی خدا کا کرم نہیں" یا "اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی عطائے کردگار"۔اس طرح مواہب الٰہیہ کے لامحدود اور لامتناہی ہونے کی واضح الفاظ میں نفی کی گئی ہے۔جس سے اللہ تعالیٰ کی صفت وہب' صفت جود' اور صفت کرم اور اسم صفت وھاب' جواد' باسط' واسع' اور کریم کا استخفاف ہوتا ہے لہٰذا ان اشعار کو کس زاویہ خوش فکری یا خوش اعتقادی سے نعت کے ذیل میں شمار کیا جا سکتا ہے؟۔

اس کے علاوہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ اس کائنات ارضی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درود مسعود کو اپنی نعمت کبریٰ اور احسان عظیم سے تعبیر فرمایا ہے لہٰذا ذات رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستگی کے حوالے سے بھی دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ایسے شواہد موجود ہیں جو مذکورہ اشعار میں بیان کردہ وسعت کرم سے بہت عظیم ہیں۔ مثلاً دل کی دھڑکنوں کے درود پڑھنے یا لب پہ نعت نبیؐ اور دل میں ولائے مصطفیؐ ہونے کے مقابلے میں کسی خوش نصیب بندے کو اللہ تبارک و تعالیٰ مشاہدہ جمال مصطفوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دولت سے ایسا سرفراز فرمادے کہ وہ زبان حال سے کہہ اٹھے۔

جس طرف نظریں اٹھاتا ہوں نظر آتے ہیں آپؐ
میری خاطر کس قدر تکلیف فرماتے ہیں آپؐ

تو یقیناً یہ بہت بڑی سعادت اور ارفع و اعلیٰ مقام ہوگا۔اور یہ کوئی خیال آفرینی کی بات نہیں بلکہ کتب سیرو تذکار اولیاء میں سینکڑوں ایسے واقعات موجود ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خوش نصیب غلاموں کو اس عالم مثال میں ان ظاہری آنکھوں سے اپنے دیدار سے مشرف فرمایا ہے حاضر دربار ہونے والے خوش بختوں کو اپنے دست مبارک کے بوسے کی سعادت عطا فرمائی ہے ہدیہ صلوٰۃ و سلام قبول ہونے کی اپنے لب قدس سے نوید سنائی ہے اپنے اور اپنی آل پاک علیہم السلام کے فضائل اور دیگر اسلامی موضوعات پر کتابیں تحریر کرنے والے خوش نصیب مصنفوں کو قبولیت کی سند عطا فرمائی ہے کثرت سے درود و سلام پڑھنے والوں کو درود و سلام کے بعض مخصوص صیغے خود تعلیم فرمائے ہیں۔ان امور کی تفصیلات شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کی کتاب فیوض

الحرمین، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم، فتوحات مکیہ، مفتی مکہ مکرمہ قاضی دحلان مکی علیہ الرحمتہ کی کتاب اسنی المطالب فی ایمان ابو طالب، مولانا جامی علیہ الرحمتہ کی کتاب شواہد نبوت علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمتہ کی کتاب شرح الصدور اور علامہ ابن قیم علیہ الرحمتہ کی کتاب الروح وغیرہ میں اعتماد کے ساتھ دیکھی جا سکتی ہیں۔

الغرض اللہ تبارک وتعالیٰ کے لطف وکرم اور جود وعطا کے عظیم سے عظیم امکانات ہمہ وقت روشن اور موجود ہیں۔ لہٰذا اس سلسلے میں کسی بھی مثال کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے کرم یا انعامات الٰہیہ کی حد قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس واسع العظیم کی ہر شان اور ہر صفت حد وتناہی سے منزہ ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ضمن میں مندرجہ ذیل دو اشعار ہدیہ قارئین کر دئے جائیں:

میرے گناہ اور تری بندہ نوازیاں
ان کا کوئی حساب نہ ان کا شمار ہے

عصیان ما و رحمت پروردگار ما
ایں را نہایت است نہ آں را نہایت است

(اردو مجموعہ نعت میں شامل)

ان اشعار میں شان رحمت کے استقصار کا نیا پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ شاعر محترم اللہ تعالیٰ کی شان بندہ نوازی اور شان رحمت کے لامحدود ہونے پر تو ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ اپنے گناہوں کے بھی لامحدود ہونے کا فلسفہ پیش فرما رہے ہیں۔ شرک فی الصفات کا یہ پہلو کتنا ہولناک ہے کہ یہ کہا جا رہا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت اور شان بندہ نوازی بے حساب ولامحدود ہے اسی طرح (نعوذ باللہ) شاعر صاحب کے گناہ وعصیاں بھی بے شمار ولامحدود ہیں۔ اگر مخلوق کے ایک فرد کے گناہوں کو خالق کی رحمت کی طرح لامحدود مان لیا جائے، تو اربوں انسانوں کے گناہ تو (نعوذ باللہ) رحمت حق سے تجاوز کر جائیں گے۔ چنانچہ یہ ایک بے بنیاد اور گمراہ کن تصور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے کہ میری رحمت تمام روئے زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اس کو محیط ہے۔ لہٰذا مذکورہ اشعار قرآنی تعلیمات کے خلاف مضامین پر مبنی ہیں۔ اس کے علاوہ رحمت حق تعالیٰ سے اپنے گناہ وعصیاں کا تقابل اور پھر دونوں کی برابری کا ادعا (اگرچہ نادانستہ ہو) شرک کے شائبہ سے خالی نہیں (اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ آمین) اس تناظر میں خواجہ عابد نظامی صاحب کا یہ شعر کس قدر صداقت پر مبنی نظر آتا ہے۔

نعت گو ہے فقط وہی عابد
جس نے قرآں سے اکتساب کیا

مواہب الٰہیہ کی تکفیر : ہمارے نعتیہ ادب میں دیگر اصناف سخن کی طرح تقلیدی فکر کے مظاہر بھی عام ہیں چنانچہ تنقیدی فقدان کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کے منافی مضمون آفرینی کا اعادہ نسل در نسل ہوتا رہتا ہے جس کی ایک مثال یہ ہے کہ اساتذہ میں سے کسی نے یہ مضمون باندھا تھا۔

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمدؐ سے

اس مشہور شعر کی تقلید میں عصر حاضر کے ایک معروف ثناخواں اور نعت گو شاعر سے تقریباً ان ہی معانی میں یہ شعر صادر ہو گیا۔

تیری عطاؤں کی قسم تیری اداؤں کی قسم
تجھ سے جو کچھ نہ مل سکا تیرے نبیؐ سے مل گیا

اس حوالے سے عرض یہ کرنا ہے کہ بخاری شریف کی یہ حدیث تقریباً سب ہی کے علم میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں"۔ چنانچہ محولہ بالا شعر کے مصرعہ ثانی میں یہ کہنے سے "تجھ سے جو کچھ نہ مل سکا" شان قدرت کی تنقیص اور مواہب الٰہیہ کے بیان میں استقصار کے معانی پیدا ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ کسی چیز کے ملنے کے سبب کی تعریف میں مسبب کی نفی خلاف عدل ہے۔ چونکہ یہ بات منشائے رسالت کے بھی خلاف ہے لہٰذا اس انداز توصیف کو نعت سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کس طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے؟

تقلیدی فکر کی ایک مثال دیکھئے:

تجاہل عارفانہ : اساتذہ میں سے کسی کا یہ شعر نعتیہ ادب میں اکثر ہدف تنقید رہا ہے:۔

وہی جو مستوئ عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفےٰؐ ہو کر

عصر حاضر میں اس غیر اسلامی تصور کو واضح طور پر بیان کرنے سے گریز کرتے ہوئے تجاہل عارفانہ کے ساتھ اس طرح پیش کیا گیا ہے:

؎ کیا اسم حقیقی ہے کسی کو نہیں معلوم
مشہور ہوئے آپؐ محمدؐ کے لقب سے

قرآن کریم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذاتی نام "محمد" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سورہ آل عمران کی آیت ۱۴۴، سورہ احزاب کی آیت۔ ۴۰، سورہ فتح کی آیت۔ ۲۹ اور سورہ محمد کی آیت ۲ میں آیا ہے۔ اور اسی نام پاک کی نسبت سے کتاب اللہ کی ۴۷ ویں سورۃ کا نام ہی "سورہ محمد" ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ الصف کی

چھٹی آیت میں آپؐ کا ایک اور ذاتی نام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے ضمن میں اس طرح آیا ہے کہ (اے بنی اسرائیل) "میں تمہیں بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا' اس کا نام احمد ہے۔ ظاہر ہے قرآن کریم کے آغاز ہی میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب ہر قسم کے شکوک و شبہات سے پاک ہے۔ لہٰذا خود خالق کائنات کی زبانی آپ کا نام اقدس بیان ہونے کے بعد یہ کہنا کہ "کیا اسم حقیقی ہے کسی کو نہیں معلوم" تجاہل عارفانہ نہیں تو کیا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے کلام پر پختہ یقین رکھنا شرط ایمان نہیں؟ اس کے علوہ کیا یہ کہنا درست ہے کہ "مشہور ہوئے آپ محمدؐ کے لقب سے" جبکہ قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ "محمد" آپؐ کا لقب نہیں بلکہ نام ہے۔ مختصر یہ کہ اس شعر میں دانستہ طور پر یہ تاثر دینے کی کوشش نظر آتی ہے کہ جس ذات اقدس پر اسم محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا حجاب پڑا رہا (نعوذ باللہ) حقیقت میں وہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ چنانچہ یہ ایک غیر اسلامی تصور ہے۔ اس سے اجتناب ضروی ہے۔

"حقیقت محمدیہ" کے حوالے سے مندرجہ ذیل اشعار میں محتاط رویہ کی ترجمانی ہوتی ہے:

غالب ثنائے خواجہؐ بہ یزداں گزا شتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

(غالب)

تم ذات خدا سے نہ جدا ہو نہ خدا ہو
اللہ ہی کو معلوم ہے کیا جانئے کیا ہو

(مولانا حسن رضا خاںؒ)

رخِ پاک ہے پر تو نورِ یزداں
جمالِ خدا ہے' جمالِ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)

(ستار وارثیؒ)

چونکہ صداقت بیان نعت نگاری کا اولین تقاضا ہے لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ دیگر نعت گو شعرائے کرام کی طرح اس صنف لطیف سے وابستہ مبتدی حضرات بھی اپنے مطالعہ اسلامیات کو وسعت دیں اور براہ راست اصل ماخذ سے رجوع فرماتے رہیں۔ اس کے علاوہ صرف ان ہی باتوں کو بیان کرنے کا اہتمام فرمائیں جو اچھی طرح سمجھ میں آچکی ہوں۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ صداقت کی پابندی ادبیات کا اہم ترین وصف ہے۔ جناب حامد اللہ افسر میرٹھی صاحب اپنی کتاب "تنقیدی اصول اور نظریئے" میں اسی جانب توجہ دلاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "اگر ہم مواد یا اسلوب میں سے ایک چیز کو ترک کرنے پر مجبور ہوں تو موخر الذکر کا ترک اولیٰ ہے' کیونکہ ایک تصنیف جو واقعات زندگی کے مطابق نہیں ہے فضول و بیکار ہے خواہ وہ کیسے ہی اعلیٰ درجہ کے اسلوب بیان میں پیش کی جائے"۔ اس اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اظہار و بیان کے داخلی پہلو یعنی خیال یا مواد کو

اس کے خارجی پہلو یعنی زبان یا اسلوب پر فوقیت اور ترجیح حاصل ہے۔ لہٰذا یہ سوچنا چاہیے کہ جب عام ادبیات میں صداقت بیان کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، تو نعت نگاری جیسا مقدس فن (جس کا بنیادی تقاضا ہی حق شناسی اور صدق بیانی ہے) کس قدر راست گوئی اور صداقت بیان کا متقضی ہے۔

شانِ کریمی کے منافی تصور : قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے جو اسمائے صفات آئے ہیں ان میں ذات واجب الوجوب جل جلالہ کے جلالی، جمالی اور کمالی اوصاف بیان ہوئے ہیں استقصا کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان میں بڑی تعداد ان اسماء حسنیٰ کی ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم مہرو محبت اور عفو و درگذر کا اظہار ہوتا ہے فرمان الٰہی ہے کتب علی نفسہ الرحمتہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کرلیا ہے (الانعام۔ ۲) سورۃ الزمر کی چھٹی آیت میں ارشاد خداوندی ہے "(اے رسولؐ) میرے جن بندوں نے (ارتکاب گناہ سے) اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے ان سے فرمادیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا بے شک وہ معاف فرمانے والا اور رحم فرمانے ولا ہے" اس کے باوجود جو لوگ رحمت باری تعالیٰ سے مایوس ہوتے ہیں ان کے لیے سورۂ حجر کی آیت ۵۶ میں فرمایا گیا ہے کہ "اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہ لوگوں کے سوا اور کون ناامید ہوتا ہے" قرآن کریم کی اور بہت سی آیات اور احادیث میں اللہ تعالیٰ کی شان رحیمی اور کریمی کے بارے میں واضح تعلیمات کے باوجود اگر کوئی شاعر محترم اس طرح مدح سرا ہوں:

ے بروزِ حشر نظر در سیاہ اعمالی
نہ تھا خدا کے کرم کا بھی آسرا مجھ کو

تو یہ تصور (Imagination) غیر اسلامی اور اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحیمی و کریمی سے انکار کا مظہر ہوگا۔ ذات و صفات باری تعالیٰ پر ایمان اسلام کے اساسی عقائد میں سے ایک بنیادی عقیدہ ہے چنانچہ آغاز تعلیم کے زمانے میں ہی ایمان مجمل کی صورت میں ہم اپنے بچوں کو ان عقائد سے آراستہ کردیتے ہیں۔ مذکورہ بالا شعر میں اللہ تعالیٰ کے کرم کا آسرا نہ ہونے کا بیان سورہ حجر کی محولہ بالا آیت کی روشنی میں گمراہی کی علامت ہے۔ جس کا شاعر محترم خود اعتراف فرمارہے ہیں۔ ایسے مضامین رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف ہیں مدحت نگاروں کو آپ کی لائی ہوئی شریعت کے فروغ کے لیے ہی زبان و قلم استعمال کرنا چاہئیں۔ بصورت دیگر ہم لاکھ عشق کا دعویٰ کرتے رہیں، ہادی دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا قرب حاصل نہیں کرسکتے کوتاہی عمل کے احساس کے ساتھ امید شفاعت کے حوالے سے حنیف اسعدی صاحب کا یہ شعر ایک اچھی مثال ہے:

ے مری نجات کا اعمال پہ مدار نہیں
یہ آسرا مجھے محبوبؐ کردگار سے ہے

عبد کاملؐ سے خدائی کا مطالبہ : ذات باری تعالیٰ کے بارے میں صاحب ایمان یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کا خالق و مالک ہے۔ کوئی شے اپنی ذات و صفات عدم و وجود اور حیات و بقا میں اس سے مستغنی نہیں اور وہ سب سے بے نیاز ہے کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے:

؎ تو تو جس خاک کو چاہے وہ بنے بندۂ پاک
میں خدا کس کو بناؤں جو خفا تو ہو جائے

اس ذات یکتا کی شان قدرت یہ ہے کہ وہ علی کل شی قدیر ہے۔ وہ نقص سے پاک اور لوگوں کے شرک سے بالاتر ہے' وہ مالک الملک جسے چاہے عزت عطا فرمائے اور جسے چاہے قعرذلت میں ڈال دے اس کے ارادہ و افعال میں کوئی شریک نہیں وہ صادق الوعد ہے وہ محسنین کو پسند فرماتا ہے اور انسانیت کے محسن اعظم (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو اس نے روئے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائیں۔ اور اپنی رحمت سے اپنے عبد کامل (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو وسعتِ کونین میں اپنی نیابت کبریٰ کے منصب پر فائز کر کے تصرفات کے اختیارات اور اولین و آخرین کے علم سے سرفراز فرمایا۔ ہزاروں درود و سلام ہوں اس عبدہ و رسولہ پر جس نے اس عطائے ربانی پر ہمیشہ اس کے حضور سجدہ ریز ہو کر ذات واہب العطایا کا شکر ادا کیا۔ اور شان سجود کی عظمت سے خلق خدا کو آشنا کیا۔ اس اسجد الساجدین (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے حضور اگر کوئی بہت بڑے شاعر محترم اسلامی عقائد سے روگردانی کرتے ہوئے اس طرح خراج عقیدت پیش فرمائیں:

؎ تو جسم و روح کے آہنگ کا نذر داعی
خدا کے پہلو بہ پہلو مجھے خدائی دے

تو کوئی راسخ العقیدہ مسلمان کس زاویہ سے اس قسم کی مضمون آفرینی کو نعت محبوبؐ کردگار سے تعبیر کر سکتا ہے؟ جبکہ اس شعر کے مصرعہ ثانی میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے سب سے مقرب سب سے زیادہ اطاعت گزار سب سے زیادہ سجدہ گزار' اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے سب سے بڑے علم بردار اور درس توحید کی پاداش میں سب سے زیادہ ظلم برداشت کرنے والے محبوب پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا جارہا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی خدائی (شان عظمت) ہے حضورؐ ایسی ہی خدائی شاعر صاحب کو عطا فرمادیں۔ گویا اس عقیدے کا اظہار کیا جارہا ہے کہ (نعوذ باللہ) سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے عبد کامل کے بجائے "خداگر" کی حیثیت رکھتے ہیں کہ جسے چاہیں مقام خداوندی پا فائز فرمادیں۔

ہادی مطلق ایسے بے بنیاد اور بھٹکے ہوئے مضامین کی تقلید سے نسل نو کو محفوظ رکھے آمین

احمدؐ بے میم کی غلط توجیہہ : علم معرفت کی اصطلاح میں ذات احدیت باعتبار تعین اول "حقیقت محمدیؐ" کہلاتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اول ماخلق اللہ نوری (زرقانی۔ مواہب لدنیہ)۔ اس لیے حقیقت محمدیہؐ کو تجلی اول اور تعین اول کہا جاتا ہے اور یہی مقام وحدت کہلاتا ہے۔ اسی حقیقت محمدیؐ کی جلوہ گری

سے تمام موجودات عالم کا ظہور ہوا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے "محمد احمد بلا میم است" جس کی شرح حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے یوں فرمائی ہے" (ترجمہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حقیقت جس سے عبارت حقیقت محمدیہؐ ہے' وحدت اور احدیت جامعہ کے نام سے موسوم ہے "احمد بلا میم" کا اشارہ اسی احدیت جامعہ کی طرف ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا تعین جو تعین اول ہے' ذات حق پر زائد نہیں۔" (شرح لوائح جامی) چنانچہ تنزلات ستہ یا مراتب وجود کے اعتبار سے اگرچہ "احمد بے میم" کا کنایہ درست ہے' لیکن یہاں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ ذات محمدیہ اور حقیقت محمدیہ دو مختلف حقائق ہیں۔ ان دو حقائق کو ایک قرار دینا ممکن کو واجب اور واجب کو ممکن قرار دینے کے مترادف ہے۔

"احمد بے میم" کے حقائق اور اصل معانی سے لاعلم رہتے ہوئے اردو لغت میں اس نکتہ کو شامل توصیف کرنے سے جو صورتحال پیدا ہوئی ہے اس کی مندرجہ ذیل مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

ـ
تردد میں نظر آتا نہیں پردہ تعین کا
احد کو کیجئے یا احمد بے میم کو سجدہ

ـ
معانی قل ھو اللہ احد کے ہیں یہاں (تخلص)
برائے قافیہ رکھا ہے میں نے میم احمد کا

ـ
کون احد تھا کون احمد تھا اک شب معراج تھی
اتنی عجلت میں ہو کوئی فیصلہ ممکن نہیں

اس موضوع پر جناب حیرت الہ آبادی کا یہ قطعہ ایک اچھی مثال ہے۔

نورِ احد ہے میم کے پردے میں جلوہ گر
رتبہ مرے حضورؐ کا سمجھے گا کیا بشر
اہلِ خرد یہ کہنے پہ مجبور ہوگئے
"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

آپ بھی توجہ فرمایئے : قارئین کرام میں سے جن حضرات نے اللہ تعالیٰ کے عبد کامل (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور معبود حقیقی جل جلالہ کے درمیان حفظ مراتب کے حوالے سے اس تحریر سے کچھ استفادہ کیا ہو ان کی خدمت میں مندرجہ ذیل دس اشعار بلا تبصرہ پیش کئے جاتے ہیں۔ تاکہ اب تک کے مطالعہ کے بعد وہ خود غور فرما سکیں کہ ان اشعار میں "شان الوہیت" کے منافی کون سے پہلو مضمر ہیں۔ اگر آپ ان اشعار میں سے دو تین

اشعار میں بھی ان پہلوؤں کی نشاندہی میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو میں یہ سمجھوں گا کہ بفضلہ تعالیٰ اس تحریر کا مقصود حاصل ہو گیا۔

تھے مسند پہ محمدؐ ایک عالم تھا تحیر کا
خدا خود تھا نثارِ انجمن کل شب جہاں میں تھا

ہم نے پہچانا خدا کو اس سے بڑھ کر یہ ہوا
تیرے ملنے سے ہمیں اپنی شناسائی ملی

اپنے رب سے دعا مانگتے وقت اب شرم آتی نہیں
ان کی دہلیز سے آئے اپنی دعا میں اثر رکھ کے ہم

بس رسالت اور وحدت میں یہی ہے امتیاز
اس طرف رونق ملی اس سمت تنہائی ملی

اک خالق جہاں ہے تو اک مالک جہاں
اک جان کائنات ہے اک وجہ کائنات

وہ جو آئے ہیں تو ساتھ آئی ہیں ساری رونقیں
ورنہ صحرائے عدم میں کیا تھا وحدت کے سوا

اللہ کے ہر وصف کو پایا ہے مجسم
سرکار دو عالم ہمیں کیا کیا نظر آئے

صرف ایک لمحہ روضہ اقدس کو چوم لوں
صرف ایک لمحے کی مرے مولا خدائی دے

یا نبیؐ کتنا دل آویز وہ منظر ہو گا
جب خدا نے تمہیں اور تم نے خدا کو دیکھا

یہ قطرۂ نیساں میں گہر رکھ دیا کس نے
یہ معجزۂ ربِّ علا ہے کہ نہیں ہے

اردو نعت میں شانِ الوہیت کے استخفاف کے بعض پہلوؤں کی اگرچہ مزید بہت سی مثالیں ہمارے سامنے

موجود ہیں لیکن اس مختصر مضمون میں ان سب کا احاطہ کرنا محال ہے لہٰذا کتاب کی ضخامت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم فی الحال مذکورہ مثالوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ ان شعرائے کرام کے شکر گزار ہیں جن کے مجموعہ ہائے نعت سے اس مقالے کے لیے خوشہ چینی کی گئی ہے۔ مجھے اپنی کم علمی اور فنی بے بضاعتی کا بھی پورا اعتراف ہے۔ میں اس وضاحت کو بھی تقاضائے عدل سمجھتا ہوں کہ جن شعرائے کرام کے بعض اشعار کو اس مقالے میں معنوی تنقید کے ساتھ نقل کیا گیا ہے وہ تو چند ایک ہی ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ سینکڑوں بہترین اور بلند پایہ اشعار ان شعرائے کرام کے نعتیہ دواوین کی زینت ہیں اور بلاشبہ لائق تحسین اور قابلِ داد ہیں۔ مزید یہ کہ اگر کوئی صاحب یہ محسوس فرمائیں کہ فدوی بعض اشعار کی صحیح تفہیم سے قاصر رہا ہے تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ یہ احقر العبادان کا تاہیوں کا ازالہ کر سکے۔ اور یہی وہ صورت ہے کہ جس کی بنا پر یہ بندہ کمترین اپنے آقاؐ کے حضور سرخروئی کی امید رکھ سکتا ہے۔ خدا کرے اس بندہ حقیر اور دیگر تنقید نگاروں کی کوششیں کاروانِ نعت کو زیادہ مستعدی کے ساتھ رواں دواں رکھنے میں ممد و معاون ثابت ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہماری ہر کوتاہی کو معاف فرمائے آمین

میں اس تحریر کے حوالے سے قارئین کرام کی خدمت میں یہ وضاحت بھی پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگرچہ ادب کے محاسن اور معائب (دونوں) کا صحیح اندازہ کرنا اور اس پر رائے صواب قائم کرنا تنقید کی معنویت اور مقاصد میں شامل ہے۔ لیکن اس مقالے میں کسی مخصوص شاعر کی کسی کتاب پر تنقید کے بجائے اسلامی عقائد اور شرعی نصوص کی روشنی میں مختلف عنوانات کے تحت مختلف شعرائے کرام کے بعض ایسے اشعار کا جائزہ لیا گیا ہے جن میں کوئی نہ کوئی شرعی سقم موجود ہے۔ اس طرح اردو کے نعتیہ ادب میں "معنوی تنقید" کے نام سے ایک نئے مکتب تنقید کو متعارف کرانے کی ابتدائی کوشش کی گئی ہے جس کا مقصد اقلیم نعت میں تحقیق کی بنیاد پر تخلیقی ادب کی نشو و نما کی راہ ہموار کرنا ہے بلاشبہ اس بے ہنر کا یہ مقام نہیں کہ اس کام کو مزید آگے بڑھا سکے۔ لہٰذا فن تنقید کے مسلمہ اساتذہ کرام اور ماہرین عظام سے دست بستہ التماس ہے کہ وہ اس جانب ضروری توجہ فرما کر نعتیہ ادب کے طلباء اور دیگر وابستگان کو اپنے گرانقدر تجربات اور بصیرت افروز مقالات سے مستفید فرمائیں۔

آخر میں قارئین کرام کی خدمت میں گذارش ہے کہ نعتیہ ادب میں تو فن تنقید ابھی نووارد ہے لیکن اردو ادبیات میں تنقید کے حوالے سے جو مشکلات در پیش ہیں اس تناظر میں اردو کے معروف نقاد اور محقق ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کی کتاب "نئی تنقید" سے ایک برمحل اقتباس پیش کرتے ہوئے اس مقالے کو مکمل کیا جاتا ہے وہ لکھتے ہیں "تنقید میں تخلیق اور تخلیق میں تنقید موجود ہوتی ہے۔ بنیادی طور پر تخلیقی اور تنقیدی جبلتیں ایک ہی ہوتی ہیں۔ جیسے سیاست میں تنقید کی مخالفت برسرِ اقتدار جماعت کرتی ہے اسی طرح ادب میں تنقید کی مخالفت وہ ادیب و شاعر کرتے ہیں جو نقاد سے اپنے بارے میں صرف وہ لکھوانا چاہتے ہیں جو وہ پسند کرتے ہیں وہ نقاد کو اپنی حمایت میں اپنا قد اور شہرت بڑھانے کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں اور جب ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوتی تو وہ حکمراں جماعت کی طرح تنقید کو رد کرنے اور اس کی اہمیت گھٹانے میں لگ جاتے ہیں مجھ سے ایک نامی ادیب

نے جو شگفتہ اور مزاحیہ تحریر کی اچھی مشق رکھتے ہیں ایک بار کہا" صاحب ہم تو نقادوں سے صرف اپنی بے محابا تعریف سننا چاہتے ہیں "گویا وہ خود کو مسند ریاست پر فائز کر کے نقاد کو صرف قصیدہ گو کا درجہ دینا چاہتے ہیں اور یہی وہ کام ہے جو نقادوں کو نہیں کرنا چاہئے۔ اور یہی وہ کام ہے جو عام طور پر اس وقت تنقید میں ہو رہا ہے۔ اسی وجہ سے آج ادبی تخلیق کے نام پر کوڑے کرکٹ کا ڈھیر لگ گیا ہے۔ ہر شاعر عظیم ہے۔ ہر افسانہ نگار عظیم 'اور لطف کی بات یہ ہے کہ ہمارے ادیب و شاعر تنقید کے اسی غلط رجحان کی وجہ سے اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں کہ وہ واقعی اپنے ادب ہی میں نہیں بلکہ دنیائے ادب میں اضافہ کر رہے ہیں۔ ایک شاعر نے جن کے بے شمار مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ اور کئی ضخیم نمبر بھی ان کی شان میں نکل چکے ہیں ایک دن مجھ سے پوچھا کہ " جالبی صاحب! یہ سارے لوگ جو مجھے عظیم و لافانی شاعر کہہ رہے ہیں کیا غلط کہہ رہے ہیں "؟ میں نے غلط فہمی کے اس گنبد بے در میں رہنے والے شاعر کو ترحم کی نظروں سے دیکھا اور خاموش ہو گیا۔"

نعت اور شعریت

عزیز احسن

اگلے وقتوں کے لوگ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہونے کے باوجود اس کا اظہار معیوب جانتے تھے۔ وہ ڈرتے تھے کہ اس دعوے میں صداقت کی ذرا سی بھی کمی رہ گئی تو کہیں ان کی عاقبت خراب نہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم شعراء نے نعتیہ شاعری بہت کم کی۔ قدماء کی نعتیہ شاعری کی معراج بھی اظہار عجز ہی تھی۔ ان کی نعتیہ شاعری یقیناً کمیت (Quantity) کے اعتبار سے بہت زیادہ نہیں تھی لیکن وہ شاعری کیفیت (Quality) کے معاملے میں افلاس زدہ نہیں تھی۔ نعت گوئی میں ان کا رویہ کچھ ایسا تھا کہ۔

آنسو ہیں تو آنسو ہیں ہنسی ہے تو ہنسی ہے
دیوانہ بہرحال تکلف سے بری ہے

(ندا خالدی)

کیونکہ ان کی نوائے عاشقانہ محض اثر بہار کا نتیجہ نہیں ہوتی تھی۔ فن اور موضوع دونوں سے خلوص برتنا ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔

اس کے برعکس آج کل صاحب کتاب نعت گو شعراء کی تعداد میں تو دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن ان میں سے بیشتر کا نعتیہ کلام اس بات کا غماز ہے کہ ان کے نزدیک سب سے بڑا مسئلہ صرف اظہار عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ خواہ ان کی عملی زندگی ان کے دعوے سے کتنا ہی بعد کیوں نہ رکھتی ہو۔ عملی زندگی تو دور کی بات ہے۔ بیشتر شعراء کی نعتیہ شاعری سے اتنی محنت بھی ظاہر نہیں ہوتی جتنی پرائمری اسکول کے بچے اپنے کسی پرچے کی تیاری میں کرتے ہیں۔ حد ہے کہ بڑے بڑے معروف شاعر جب نعت کہنے بیٹھتے ہیں تو اپنے آقا و مولا رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی جاننے کی بھی زحمت گوارا نہیں کرتے اور جو نام یا جو لقب ان کے دل کو بھا جائے اس سے سرور کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرنے لگتے ہیں۔ بعض نعتیہ مجموعوں کی شاعری تو بلا مبالغہ ایسی بھی نہیں ہوتی جیسی کوئی سنجیدہ مبتدی شاعر اپنی مشق بڑھانے کے لیے کرتا ہے۔ اس پر دیدہ دلیری یہ کہ کتابیں دھڑلے سے چھپتی رہتی ہیں اور ان ہی مبتدی شاعروں کا کلام گروہی امداد (Party Support) کی بنیاد پر نعت خواں حضرات بھی پڑھتے پھرتے ہیں۔ اس طرح لحن داؤدی کے دوش پر غیر معیاری نعتیں سامعہ نواز ہوتی رہتی ہیں۔ کچھ انہی حالات کے پیش نظر میں نے "نعت نبیؐ میں زبان و بیان کی بے احتیاطیاں" کے زیر عنوان مضمون قلمبند کیا تھا۔ الحمدللہ بعض اہل علم و دانش نے اس مضمون کو بہت سراہا۔ لیکن پتہ نہیں جن لوگوں کی

طرف روئے سخن تھا ان پر اس مضمون کا کچھ اثر ہوا بھی ہے کہ نہیں۔ نعت گوئی اور نعت خوانی کی فضاؤں میں تبدیلیٔ موسم کے اثرات ظاہر ہونے میں تو کچھ وقت لگے گا۔ پھر بھی ہواؤں کا رخ امید افزا حد تک موافق نہیں ہے۔ بہرحال ع مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

یہ بات ابتداء ہی میں واضح کردوں کہ میرے مخاطب وہ نعت گو شعراء ہیں جو محض اپنے جذبے کے بل بوتے پر نعت گوئی کے میدان میں کود پڑے ہیں۔ جنہیں شعر کے معیارات جاننے اور نعتیہ شاعری کے لیے بنیادی معلومات حاصل کرنے کا نہ تو خود موقع ملا ہے اور نہ ان کے سامعین (Audience) نے انہیں کبھی اس ضرورت کا احساس دلایا ہے۔ دراصل اعلیٰ شاعری کا کوئی نہ کوئی تصور رکھنے والے لوگ ہی اعلیٰ شاعری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کوشش میں کامیابی تو نصیب کی بات ہے لیکن یہ طے ہے کہ خود اپنی تحریریں پڑھ پڑھ کے خوش ہونے کے عادی شعراء (چاہے ان کے مداح کتنی ہی بڑی تعداد میں کیوں نہ ہوں) کبھی اعلیٰ شاعری کر ہی نہیں سکتے۔ اس مرحلے پر میں ان موضوعات کا ایک خاکہ پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جن پر مختصراً کچھ عرض کرنے کا ارادہ ہے۔

۱۔ شعر گوئی کا قرینہ، شعر کی تعریف اور شعریت کے حامل اشعار کا نمونہ۔

۲۔ اصلاح سخن۔ اساتذہ اور نقادوں کی ہدایات۔

۳۔ نعتیہ شاعری میں شعریت کے آثار۔

۴۔ بے احتیاطیاں۔

اب ان موضوعات پر قدرے تفصیل سے کچھ عرض کردوں تاکہ ابلاغِ مطالب کی راہ ہموار ہو۔

۱۔ شعر گوئی کا قرینہ، شعر کی تعریف اور شعریت کے حامل اشعار کا نمونہ

ملا وجہی قطب شاہی عہد میں دکنی اردو کا ایک ادیب و شاعر تھا۔ اس نے اپنی ایک منظوم تصنیف "قطب مشتری" (سال تصنیف ۱۰۱۸ھ) ۱۔ میں ایک باب "در شرح شعر کے عنوان سے لکھا ہے۔ بابائے اردو مولوی (ڈاکٹر) عبدالحق نے وجہی کی قدیم زبان کو اپنی جدید نثر میں منتقل کیا ہے ملاحظہ فرمایئے۔

"شعر سلیس ہونا چاہیے۔ زیادہ کہنے کی ہوس نہ کر، ایک شعر کہہ پر اچھا کہہ، مگر اس میں کچھ نزاکت ہونی چاہیے۔ شعر کہنے میں سب سے بڑی مشکل یہ آ پڑتی ہے کہ لفظ اور معنی میں ایسا ربط ہو کہ دونوں مل کر ایک جان ہو جائیں۔ لفظ موزوں اور منتخب اور معنی بلند ہوں۔ معنی میں اگر زور ہے تو بات کا مزہ ہی اور ہو جاتا ہے۔ البتہ اس کا سنوارنا ضروری ہے۔ مثلاً اگر کوئی محبوب حسین ہے تو سنوارنے سے نور علیٰ نور ہو جائے گا۔ شعر میں کوئی جدت ہونی چاہیے۔ دوسروں کی تقلید کرنی آسان ہے لیکن شاعر وہی ہے جو اپنے دل سے نئی بات، پیدا کرتا ہے..... میں تو اس رنگین بات کا قائل ہوں جو دل میں بیٹھ جائے، جس سے دل میں ولولہ پیدا ہو اور آدمی سن کر اچھل پڑے۔" ۲

گیارھویں صدی ہجری کی تصنیف سے یہ اقتباس اس لیے نقل کیا ہے کہ پندرھویں صدی ہجری میں شاعروں کی صف میں شامل ہونے کے شوقین یہ جان لیں کہ اردو یا کسی بھی زبان میں شاعری کرنے کے لیے کم از کم شاعر کا شعری آدرش تو بلند ہو۔ شعر کی تعریف کرنا چونکہ بہت مشکل ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اردو اور انگریزی کے اہل فن کی کچھ آراء نقل کردی جائیں۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

"جو جذبات الفاظ کے ذریعے سے ادا ہوں وہ شعر ہیں" ٣

"شعر کا نمایاں وصف جذبات انسانی کو برانگیختہ کرنا ہے یعنی اس کو سن کر دل میں رنج یا خوشی یا جوش کا اثر پیدا ہوتا ہے۔" ٤

ورڈس ورتھ کے خیال میں۔

"تمام اچھی شاعری شدید احساسات کا برجستہ اظہار ہے۔"

"All good poetry is the spontaneous overflow of powerful feelings" 5

سڈنی کی رائے ہے کہ:

"It's (poetry's) glory is that it is the only one art that does not immitate, but creates" 6......

"شاعری کی عظمت اس لیے ہے کہ فنون میں یہ واحد فن ایسا ہے جو نقل نہیں کرتا بلکہ تخلیق کرتا ہے۔"

اس کا دعوی ہے کہ

Poetry Sidney claims, is superior as moral teacher to both philosophy and history, because it does not deal with mere abstract propositions, as philosophy does, but with the concrete example, and as its examples are not tied to fact it can make them more apt and convincing than anything found in history" .7

"شاعری بحیثیت معلم اخلاق فلسفہ اور تاریخ سے برتر ہے کیونکہ یہ فلسفے کی طرح محض مجرد قضیوں سے سروکار نہیں رکھتی بلکہ ٹھوس مثالیں رکھتی ہے۔ اور چونکہ اس کی مثالیں حقیقت سے کسی بندھن کی پابند نہیں ہوتیں اس لیے یہ انہیں تاریخ کے مقابلے میں زیادہ موزوں اور دل نشین بنا سکتی ہے۔"

ٹی ایس ایلیٹ کہتا ہے کہ:

"The poets medium is, of course, language, and all critics agree

that poets use language rather differently from those who write simply to convey factul information. But not all critics have agreed.
that the poets way of using language constitutes his sole or his major distinguishing quality" .8.

"شاعر کا وسیلہ اظہار بلاشبہ زبان ہے اور تمام نقاد اس بات پر متفق ہیں کہ شاعر' ان لوگوں کے مقابلے میں' زبان کو قدرے مختلف انداز سے استعمال کرتا ہے' جو محض واقعاتی اطلاعات فراہم کرنے کے لیے لکھتے ہیں۔ لیکن سارے نقاد یہ بات نہیں مانتے کہ محض زبان کا مختلف استعمال ہی شاعر کے لیے کوئی واحد یا نمایاں وجہ امتیاز ہے۔"

پوپ نے بڑی مختصر لیکن بڑے پتے کی بات کی ہے وہ کہتا ہے کہ:

"What oft. was thought but never so well expressed"
Pope. 9.

"شاعر کا فرض یہ ہے کہ وہ وہ کچھ لکھے جو اکثر سوچا تو گیا' لیکن اس خوبصورتی سے اظہار نہ پا سکا تھا۔"

ڈبلیو ایچ آڈن نے تخلیقی حوالے سے بات کی ہے....

"Why do you want to write poetry?" If the youngman answers, "I have important things to say", then he is not a poet . If he answers
, "I like hanging around words listening to what they say', then may
be he is going to be a poet " W. H. Auden. 10.

"تم شاعری کیوں کرنا چاہتے ہو؟ اگر کوئی جوان مجھے اس سوال کا جواب یوں دے کہ "میں کچھ اہم باتیں کہنا چاہتا ہوں" تو وہ شاعر نہیں ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ یہ کہے کہ "میں جاننا چاہتا ہوں کہ میرے گرد و پیش جو الفاظ موجود ہیں وہ کیا بول رہے ہیں" تب ممکن ہے وہ شاعر بننے والا ہو۔"

ماہیت شعر پر محمد حسن عسکری صاحب کی بھی کچھ باتیں سن لیجیے۔
"شعر کو "خیال" یا جذبے کا اظہار نہ سمجھے بلکہ ایک جمالیاتی نقش جس کی وحدت

اتنی مکمل ہوتی ہے کہ ایک لفظ ادھر ادھر کرنے یا گھٹانے بڑھانے سے اس نقش کی صورت ہی بدل جائے گی۔" ۱۱

دوسری جگہ عسکری صاحب لکھتے ہیں۔

"شعر کی صفت یہ ہے کہ وہ پڑھنے والے کی توجہ اپنی طرف منعطف کرنے کے بجائے کسی خیال یا جذبے یا چیز کو آشکار کرے۔" ۱۲

شاعری کے بارے میں کروچے کے خیالات کا خلاصہ قمر جمیل کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

"شاعری کا کوئی مقصد نہیں ہوتا' کوئی پیغام نہیں ہوتا' شاعری ایسی کرن کی طرح ہوتی ہے جو اپنی روشنی کا باعث خود ہوتی ہے اور تاریکی میں چھپی ہوئی چیزوں کو روشن کر دیتی ہے۔ ہر شخص کے دل میں خواہ وہ مفکر ہو' سیاست داں ہوں یا نقاد' تخیل کا ایک پرائیویٹ ذخیرہ ہوتا ہے۔ سیاسی شاعری شاعری نہیں ہوتی۔ شاعری کا تعلق تخیل کی دنیا سے ہوتا ہے۔ لیکن خالص شاعری کا تصور مضحکہ خیز ہے۔ یہ ایسی ہی ہے جیسے کوئی یہ سمجھتا ہو کہ پھول زمین اور پودے کے بغیر اگ سکتا ہے۔" ۱۳

ان تمام تعریفوں سے کم از کم شاعری کے بارے میں ایک خاکہ تو بن ہی جاتا ہے کہ شاعری کچھ ماورائی انداز کا اظہار خیال ہے اور شاعری وجدان کی زبان ہے۔ شاعری نہ تو خطابت ہے اور نہ ہی اظہار فلسفہ ہے۔ اس بات سے یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شاعری وہ فن ہے جس کی ماہیت کو سمجھنے اور جس کو فن کے طور پر برتنے کے لیے دنیا کے بہترین دماغ صرف ہوئے ہیں۔

اب ذرا دیکھئے کہ شاعری کی زبان کیسی ہوتی ہے۔ورڈس ورتھ کہتا ہے۔

"A large portion of the language of every good poem can in no respect differ from that of good prose". 14.

"ایک اچھی نظم کی زبان کا بڑا حصہ اچھی نثر سے کسی حال میں مختلف نہیں ہو سکتا۔"

ورڈس ورتھ جس زبان کی بات کر رہا ہے اس کو مشرقی ادبیات میں فصاحت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:۔

"علمائے ادب نے فصاحت کی یہ تعریف کی ہے کہ لفظوں میں جو حروف آئیں ان میں تنافر نہ ہو' الفاظ نامانوس نہ ہوں' قواعد صرفی کے خلاف نہ ہوں۔"....فصاحت کے مدارج میں اختلاف ہے' بعض الفاظ فصیح ہیں' بعض فصیح تر' بعض اس سے بھی فصیح تر۔" ۱۵

فصاحت کے حوالے سے یہ نکتہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شاعری کی زبان روزمرہ بولی جانے والی زبان سے مختلف

نہیں ہونی چاہئے۔ اور ظاہر ہے نثر میں وہی زبان استعمال ہوتی ہے لہٰذا شعر کی لفظیات میں الفاظ کی نشست کا نثری انداز ملحوظ رکھنا چاہئے۔

ان خیالات کی روشنی میں اردو شاعری کے سرمائے کا جائزہ لیں تو ایسی شاعری تو ضرور مل جاتی ہے جو عوام میں بے حد مقبول ہو لیکن عظیم شاعری کے نمونے دو تین شاعروں کے علاوہ کہیں نہیں ملتے۔

قمر جمیل لکھتے ہیں:

> ''مقبول شاعری اور عظیم شاعری میں فرق ہے۔ مقبول شاعری ان جذبات کا اظہار ہے جو عام فکر اور جذبات کی رو کے مطابق ہوتی ہے۔ عظیم شاعری فلسفۂ حیات کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ عظیم شاعری ہمارے اندر عظیم یادوں اور عظیم خیالات کو بیدار کرتی ہے۔'' ۱۶

ڈاکٹر سید عبد اللہ نے درجہ اول کی شاعری کے کچھ اوصاف گنائے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

> ''اول درجے کی شاعری کے لیے چند اوصاف ضروری ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ مضمون کے لحاظ سے آفاقی اقدار کی حامل ہو، پھر یہ کہ وہ وسیع انسانیت کے کسی پیغام کی ترجمان ہو، یہ بھی کہ وہ قلب انسانی کے متعلق ہمارے علم میں اضافہ کرتی ہو پھر وہ ایک ایسے اسلوب میں پیش کی گئی ہو جو اپنی حسن کاری کے باوجود براہ راست اپیل رکھتا ہو اور آرزوئے تخلیق کے بے ساختہ جذبے کے سوا کسی خارجی غرض سے متاثر نہ ہو۔''

۱۷

گویا ڈاکٹر سید عبد اللہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اعلیٰ شاعری 'اول درجے کی شاعری یا عظیم شاعری وہ ہوتی ہے جو:۔

۱۔ مضمون کے لحاظ سے آفاقی اقدار کی حامل ہو۔

۲۔ وسیع انسانیت کے کسی پیغام کی ترجمان ہو۔

۳۔ انسان کی قلبی کیفیات کی عکاس ہو۔

۴۔ جس کا اسلوب Style بذات خود پر کشش یا جاذب توجہ ہو۔

۵۔ آرزوئے تخلیق کے بے ساختہ جذبے کے سوا کسی خارجی غرض سے متاثر نہ ہو۔

(ورڈس ورتھ کا ''شدید احساسات کا برجستہ اظہار'' اور مشرقی ادبیات میں ''آمد'' کا تصور یہی ہے)۔

اس معیار (CRITERION) کے تحت ڈاکٹر سید عبد اللہ نے مومن خاں مومن کو دوسرے درجے کا شاعر قرار دیا ہے۔ لیکن بعض جدید نقادان فن کا خیال ہے کہ یہ مومن کی طرف داری ہے۔

مومن خان مومن وہ شاعر ہے جس کا پہلا دیوان اس عہد کے معروف سخن سنج و سخن فہم نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے ۱۸۴۶ء میں مرتب کر کے شائع کیا تھا۔ اس وقت سے آج تک ڈیڑھ سو سال میں مومن کے بعض اشعار اور بعض غزلوں کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی ہے اور اس پسندیدگی مین پروپیگنڈے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ بعض

اشعار تو آپ نے بھی سنے ہوں گے مثلاً۔

اس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پہ اب
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

یا۔

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو

یا ان کی وہ غزل جس کی ردیف ہے "تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو"۔ اور یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ مومن خاں مومن اپنے عہد کا سب سے زیادہ پڑھا لکھا آدمی تھا اور اس کو اپنی علمی حیثیت کا احساس بھی تھا۔ کہتا ہے۔

دیا علم و ہنر حسرت کشی کو
فلک نے مجھ سے یہ کیسی دغا کی

لیکن علم و ہنر کے غرے کے باوجود مومن خاں مومن دوسرے یا تیسرے درجے کے شاعر ٹھہرتے ہیں تو شاعری کی دنیا میں ہر بوالہوس کی دال کیسے گل سکتی ہے؟

اس سے پتہ چلا ہے کہ شاعری علم کے بل بوتے پر تو نہیں ہوتی لیکن شعری ادراک کے لیے ذہانت اور شعریت کا حقیقی شعور ضروری ہے۔ پھر بھی کسی کی تخلیقی صلاحیت کے بارے میں حتمی رائے نہیں دی جا سکتی کہ وہ ضرور بہ ضرور عظیم شاعری پیش کر سکے گا۔

اب ہماری گفتگو کم از کم اس موڑ پر آ گئی ہے جہاں ہم شعریت کے حوالے سے کچھ کہہ سکیں۔ شعریت کیا ہے؟ یعنی شعر کا پر تاثیر ہونا' جاذب توجہ ہونا' دل میں کھب جانا' لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے کہ بعض شعر بہت زیادہ پُر تاثیر ہوتے ہیں اور بعض اس تاثیر سے عاری ہوتے ہیں؟ یہ جاننے کے لیے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ شاعر نے اپنے مشاہدات' اپنی یادداشت' اور اپنی تخیل کی ہم آہنگی سے جذبے کی ترسیل کے لیے الفاظ کا کیسا پیکر تراشا ہے اور کیسا طرز اظہار (Style) اپنایا ہے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ ہر شاعر کا ہر شعر یکساں شعریت کا حامل ہو یا ہر نظم اسی قدر پر تاثر ہو لیکن محنت اور تخلیقی خلوص سے شاعری کا معتدبہ حصہ کم از کم لائق سماعت تو ہو ہی سکتا ہے۔ اب ذرا اچھے اشعار یا شعریت سے بھرپور ابیات ملاحظہ فرمائیے۔

شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

میر تقی میر

سودا جو ترا حال ہے اتنا تو نہیں وہ
کیا جانئے تو نے اسے کس آن میں دیکھا

سودا

چلی بھی جا جرسِ غنچہ کی صدا پہ نسیم
کہیں تو قافلۂ نو بہار ٹھہرے گا

مصحفی

نہ چھیڑ اے نکہت بادبہاری راہ لگ اپنی
تجھے انکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

انشاء اللہ خان انشاء

کھولی تھی آنکھ خواب عدم سے ترے لیے
آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے

خواجہ میر درد

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا

درد

دل سے مٹنا تری انگشت حنائی کا خیال
ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

غالب

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

ذوق

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

مومن

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

مصطفیٰ خاں شیفتہ

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانا مر گیا آخر تو ویرانوں پہ کیا گزری

رام نرائن موزوں

قدما کے عہد سے عہد حاضر تک کی غزل دیکھ جایئے شعریت سے بھرپور اشعار کچھ نہ کچھ ضرور مل جائیں گے۔ حفیظ ہوشیارپوری کا شعر ہے۔

جب کبھی عشق کیا ہم نے پشیمان ہوئے
زندگی ہے تو ابھی اور پشیماں ہوں گے

ان تمام اشعار میں شعریت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ان کا حسن صرف الفاظ کا مرہون منت نہیں ہے، صرف طرز اظہار کا یا Style کا طلسم بھی نہیں ہے۔ صنائع بدائع یا شعری مناسبات لفظی کا بھی کمال نہیں ہے اور محض جذبوں کا اظہار بھی نہیں ہے لیکن مجموعی طور پر ہر چیز موجود ہے۔ ان اشعار میں Imagery بھی ہے۔ اور کہیں علائم (Symbols) بھی ہیں۔ مثلاً یہی دیکھئے کہ دل کا بجھنا سب محسوس کرتے ہیں لیکن میر کی طرح مفلس کے چراغ سے تشبیہ کون دے سکا ہے؟ محبوب کو پہلی نظر ہی میں دل سونپ دینے کے بعد کبھی کبھی خود عاشق بھی سوچنے لگتا ہے اور ناصح بھی اس کو احساس دلاتے ہیں لیکن اس تاثر کا بھرپور اظہار سودا سے بہتر کس شاعر نے کیا ع کیا جانئے تو نے اسے کس آن میں دیکھا مصحفی کا شعر تو بالکل ہی آج کا شعر ہے۔ اس شعر کی فضا تو قطعاً دو سو سال قبل کی نہیں لگتی، نہ طرز احساس، نہ طرز بیان نہ Imagery اور نہ زبان۔ سب ہی کچھ تو نیا ہے۔ بہار اتنی تیز رفتار ہے کہ نسیم بھی اس کی گرد کو نہیں پہنچ سکتی۔ پھر بھی نسیم کو آگے بڑھتے رہنے پر مائل کرنے کا رجحان۔ تلخ حقیقتوں کی بھرپور آگاہی لیکن تھک کر بیٹھ رہنے سے گریز کا واضح اشارہ۔ پھر بھی شعر میں نہ خطاب ہے اور نہ پروپگنڈا۔ تلاش بہاراں (یا آدرش) میں مسلسل آگے بڑھتے رہنے کی اس سے بہتر خلاقانہ تبلیغ ممکن ہی نہیں ہے۔

غرض ہر شعر میں کوئی ایک تاثر اتنا بھرپور ہے کہ دل کھنچنے لگتا ہے۔ رام نرائن موزوں کے شعر میں تمام باتیں روایتی غزل کی ہیں۔ غزالاں، دوانہ، مجنوں، ویرانے، لیکن ان تمام نشانات (SIGNS) سے جو علامتیں (SYMBOLS) بنی ہیں وہ اس شعر کے تاریخی پس منظر کے باعث بنی ہیں۔ یہ شعر سراج الدولہ کے متعلق ہے اور اسی تعلق نے اس شعر کو رمزیت سے پر کرکے احساس و تاثر کا ایک مرقع بنا دیا ہے۔ یہاں میں نے نشانات (SIGNS) اور پھر علامتوں (SYBOLS) کا تذکرہ کر دیا لیکن بات واضح نہیں ہوگی اگر میں ان الفاظ کی تشریح کے لیے محمد حسن عسکری صاحب سے رجوع نہ کروں۔ عسکری صاحب لکھتے ہیں۔

> "نشان" بڑی سیدھی سی چیز ہے۔ بس صرف نام جس کی مدد سے آپ کسی چیز کو پہچان سکیں۔ یوں تو ایسا کون سا لفظ ہے جس کے ساتھ انسانی جذبات تھوڑے بہت لپٹے ہوئے نہ ہوں۔ تاہم "نشان" میں جذبات کا دخل کم سے کم ہوتا ہے اور یہ نسبتا معروضی، خارجی اور غیر شخصی چیز ہے۔ اس کے برخلاف "علامت" موضوعی، داخلی اور شخصی چیز ہے۔ "علامت" کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اس سے کسی چیز کو پہچاننے میں آپ کو مدد ملے بلکہ یہ تو کسی انسانی یا کئی انسانوں کی ایک یا ایک سے زیادہ جذباتی کیفیتوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ بالکل ممکن ہے کہ یہ کیفیتیں بہت پیچیدہ اور ناقابل تجزیہ ہوں۔ شاید اس علامت کے علاوہ الفاظ میں ان کے اظہار کا اور کوئی طریقہ ہی نہ ہو۔" ۱۸

عسکری صاحب ہی ایک اور جگہ شاعر کی ذمہ داری کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

> "شاعر کے ذمے دو فرائض ہوئے۔ ایک تو لوگوں کی ذہنی اور جذباتی زندگی کے اظہار کے لیے علامتیں ڈھونڈنا۔ دوسری طرف یہ دیکھنا کہ اس کے چاروں طرف جو "نشان" بکھرے ہوئے ہیں ان سے لوگوں کی کون کون سی جذباتی کیفیتیں وابستہ ہیں۔ خواہ ان لوگوں کو اس سے آگاہی ہو یا نہ ہو۔ شاعر کے چاروں طرف جو چیزیں ہوتی ہیں وہ انہیں مجہولیت سے رہائی دلا کے ان کے اندر معنویت پیدا کرتا ہے۔" ۱۹

ان اشارات کی روشنی میں ذرا رام نرائن موزوں کا شعر پڑھئے اور غور فرمایئے کہ موزوں نے کس خوبصورتی سے نشانات کو علامتوں میں تبدیل کرکے ہندوستان کے باشندوں کو تاریخی جبریت کا احساس دلایا ہے۔ اردو غزل میں اچھے اشعار کی کمی نہیں ہے۔ برے اشعار بھی اردو غزل میں مل جائیں گے۔ بلکہ اچھے اشعار سے زیادہ ہوں گے لیکن تاریخ ادب اور دواوین میں محفوظ اشعار بہرحال مادر پدر آزاد نہیں ہوں گے۔ برے اشعار کی مثالیں بھی دیکھ لیجیے۔

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے
بھوں پاس آنکھ، قبلہ حاجات چاہیے

غالب

کیسے مجھ سے بگڑے تم اللہ اکبر رات کو
ذبح ہی کرتے جو ہوتا پاس خنجر رات کو

مومن

لے کے بوسے کسی بے رحم نے ڈالے ہیں نشاں
کاکلیں چھوٹی ہیں اس واسطے رخساروں پر

داغ

ان اشعار سے اول الذکر اشعار کا موازنہ کیجئے صاف پتا چل جائے گا کہ شعریت کن میں ہے اور بھونڈا پن کن اشعار میں ہے۔ ایسے اشعار دیکھنے ہوں تو قدماء کے دواوین کھنگالئے! ایسا معلوم ہو گا کہ پورے پورے دیوان میں چند اچھے اشعار کا چھینٹا دے دیا گیا ہے اور بس۔ لیکن اس قسم کی شاعری کے لیے بھی ان لوگوں نے کتنی محنت کی ہے اور کس غضب کی مشق بہم پہنچائی ہے، پھر استادی شاگردی کا کتنا مضبوط ادارہ قائم کیا ہے اور اصلاح و مشورہ سخن کا کیسا نظام برپا کیا ہے کہ ان لوگوں کے انہماک پر رشک آتا ہے۔ غالب اول درجے کے شاعر تھے۔ مومن کے شاعرانہ مرتبے پر پہلے لکھا جا چکا ہے اور داغ کا درجہ متعین کرنا میرا منصب نہیں۔ بہرحال عرض یہ کرنا ہے کہ یہ سب شعراء اپنے اپنے درجے میں وقت کے اساتذہ تھے لیکن ان کے کلام میں بھی بھونڈے اشعار شامل ہیں۔ اب ملاحظہ فرمایئے اس مشق، محنت اور مشورت کے چند نمونے جو اساتذہ سخن کے شاگردوں نے بڑے خلوص کے ساتھ جاری رکھی اور سچ تو یہ ہے کہ محنت کا حق ادا کر دیا یہ الگ بات کہ ع کام یاروں کا بقدر لب و دنداں نکلا

اصلاح سخن:۔

مرزا غالب کی اصلاح

شاگرد۔ عبدالرزاق شاکر۔

کوئی آتا نہیں آگے ترے ہنستا ہو کر
آئینہ جب نظر آیا ہے تو اندھا ہو کر

غالب: یہ مطلع دل نشین ہے، مگر اتنا تامل ہے کہ آئینہ کو اندھا کہنا چاہیئے یا نہیں۔

شعر۔ مردم چشم سیہ جب نظر آتا ہے ترا بیٹھ جاتا ہے میرے دل میں سویدا ہو کر

اصلاح غالب۔ مردم آنکھ کی پتلی مذکر نہیں۔ معشوق کی قید کیا ضرور؟ دعوی حسن پرستی رہے عموماً یہ خوب ہے۔

نظر آتی ہے جہاں مردمک چشم سیاہ
بیٹھ جاتی ہے مرے دل میں سویدا ہو کر

شعر :

حرمت مے کے لیے پیر مغاں کا یہ حکم
ریش قاضی کی رہے پنبہ مینا ہو کر

اصلاح غالب : یہ شعر بے لطف ہو گیا۔ کس واسطے کہ جب قاضی کی ریش کہا تو وہ ایہام "ریش قاضی" کہاں رہا۔

تبصرہ : حامد حسن قادری:۔ شراب چھاننے کے کپڑے کو فارسی میں ریش قاضی کہتے ہیں لیکن اردو میں اس کو قاضی کی ریش نہیں کہتے اس لیے شاکر کے شعر میں وہ ایہام نہیں رہتا۔

نہ پائی ریش قاضی' تو لیا عمامہ مفتی
مزاج ان مے فروشوں کا بھی کیا ہی لا ابالی ہے

(ناسخ) ۲۰

داغ دہلوی کی اصلاح

پروفیسر سید منظور علی ارشاد۔ شعر۔

اے دوستو دل لے کے وہ چٹکی میں ہمارا
پھر اس طرح ملتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

اصلاح داغ :

کیا ظلم ہے چٹکی میں وہ لیتے ہی مرا دل
اس طرح سے ملتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

تبصرہ حامد حسن قادری :۔ پہلے مصرعے میں "اے دوستو" کا خطاب عامیانہ اور متروک ہے اور اس سے زیادہ عیب یہ ہے کہ دوستوں کا واؤ گر رہا ہے۔ اسی طرح دوسرے مصرعے میں (طرح) کی (ح) ساقط ہوتی ہے۔ (اس طرح) کے بعد (سے) کے اضافے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ ہو یا نہ ہو۔ بالکل یکساں ہے۔ اصل چیز لفظ (طرح) کا صحیح تلفظ ہے۔ وہ استاد نے بتایا ہے۔

شعر :

رنج نے ساتھ مسرت میں بھی چھوڑا نہ کبھی
وصل کی شب میں مجھے ہجر کا غم یاد آیا

اصلاح :۔

رنج نے ساتھ خوشی میں بھی نہ چھوڑا افسوس
کہ شب وصل مجھے ہجر کا غم یاد آیا

تبصرہ حامد حسن قادری :۔ رنج کا مقابلہ مسرت سے نہیں بلکہ خوشی سے ہے۔ دوسرے مصرعے کی اصلاح کا

سبب یہ ہے کہ اول تو (وصل کی شب) کے بعد (میں) کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ دوسرے (میں مجھے) تنافر حروف پیدا کر رہا ہے۔

شعر :

اندھیر دیکھئے یہ نسیم بہار کا
گل کر دیا چراغ ہمارے مزار کا

اصلاح :

اچھا سلوک ہے یہ نسیم بہار کا
گل کر دیا چراغ ہمارے مزار کا

تبصرہ حسن قادری :۔ "اندھیر" کا لفظ چراغ اور گل کرنے کی مناسبت سے نہایت پامال، عامیانہ اور لکھنوی تخیل کا لفظ تھا اس کے مقابلے میں "اچھا سلوک" بھی مفہوم وہی رکھتا ہے لیکن اس میں لطیف طنز اور ہجو ملیح بھی ہے۔ ۲۱

سیماب اکبر آبادی کے کلام پر ان کے ہم عصر شاعر سیف اجمیری کی اصلاح

شعر :

فضا خموش، اعزہ نڈھال، تم محتاط
کوئی ہمارا جنازہ اٹھائے گا کہ نہیں

اصلاح سیف :

انہیں حجاب، عدو شادماں، عزیز نڈھال
مرا جنازہ بھی کوئی اٹھائے گا کہ نہیں

تبصرہ : حامد حسن قادری :۔ فضا کے سکوت و تکلم یا سکون و حرکت کو جنازہ اٹھانے نہ اٹھانے سے کوئی تعلق نہیں۔ خدا جانے سیماب صاحب کو یہ کیا سوجھی۔ سیف صاحب نے تینوں متعلق باتیں جمع کر دیں۔ اس کے علاوہ سیماب صاحب کے شعر میں "تم محتاط" کی احتیاط و اہتمام کی کیا ضرورت تھی؟ حجاب نہایت موزوں۔ حسب موقع اور صحیح جذبہ کا لفظ ہے۔ (ہمارا جنازہ) کے مقابلہ میں (مرا جنازہ) میں جو اثر ہے اور (بھی) میں جو درد ہے وہ بھی اہل ذوق سے پوشیدہ نہیں۔

شعر :

جب آنکھ ملتی ہے ان سے تو غور کرتا ہوں
نظر کے ساتھ ہے دل کا معاملہ کہ نہیں

اصلاح سیف :

نگاہ ملتے ہی ہوتی ہے جستجو مجھ کو
نظر کے ساتھ ہے دل کا معاملہ کہ نہیں

تبصرہ حامد حسن قادری :۔ سیف صاحب کی اصلاح نے شعر کو نہایت خوبصورت اور دلکش بنا دیا۔ ساری غزل میں صحیح تغزل کا شعر اس سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ اس مضمون کا سیماب صاحب ہی کے سر سہرا ہے۔ لیکن انہوں نے غور نہیں فرمایا۔ ورنہ (غور کرتا ہوں) نہ لکھتے۔ "جستجو ہونا" اصلی اور صحیح جذبہ ہے۔ "غور کرنا" علم و فلسفہ کا نتیجہ ہے۔ "جستجو" عشق و اضطراب کا۔ (آنکھ ملنا) اور (نگاہ ملنا) دونوں صحیح محاورے ہیں۔ لیکن "نگاہ ملنا" چونکہ واقعہ ہوتا ہے۔ اس لیے زیادہ لطیف و نازک ہے۔ اسی وجہ سے اساتذہ نے "آنکھ ملنا" کم لکھا ہے اور "نگاہ ملنا" بہت زیادہ۔ استادوں کے کلام پر نظر ڈالنے سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ ۲۲

احمد علی شوق قدوائی کی اصلاح

شاگرد، افسر صدیقی امروہوی

شعر

خدا عالم ہے اب تک با وفا سمجھا نہ سمجھوں گا
تمہاری بے وفائی کا مجھے شکوا ہی شکوا ہے

اصلاح

خدا شاہد ہے دل سے با وفا سمجھا نہ سمجھوں گا
تمہاری بے وفائی کا مجھے شکوا ہی شکوا ہے

تبصرہ افسر صدیقی۔ "خدا شاہد ہے" کس قدر زور دار جملہ ہے۔ "دل سے" اس ٹکڑے نے دوسرے مصرعے کو اچھی طرح مضبوط کر دیا اصلاح اسی کا نام ہے کہ ایک دو لفظ تبدیل کرنے سے شعر زمین سے آسمان پر پہنچ گیا۔

شعر

نبوت کی صداقت کو یہی اک مہر کافی ہے
رسالت آپ نے پائی ہے ختم المرسلیں ہو کر

اصلاح:

نبوت کی صداقت کو یہی اک مہر کافی ہے
وہ بعد انبیاء آئے ہیں ختم المرسلیں ہو کر

تبصرہ : افسر صدیقی امروہوی :۔ ختم المرسلین کا قافیہ بعد انبیاء کی وجہ سے اچھی طرح چست بندھ گیا۔

کسی کے سایۂ قد کی سیاہی مٹ نہیں سکتی
یہ خوبی اور کوئی پا نہیں سکتا حسیں ہو کر

اصلاح

سیاہی نور تھی صرف آپ ہی کے سایہ قد کی
یہ خوبی اور کوئی پا نہیں سکتا حسیں ہو کر

تبصرہ: افسر صدیقی اب خوبی کے معنی اچھی طرح ظاہر ہو گئے۔

ہوئے واپس شب معراج حضرت اس صفائی سے
نگاہ اہل باطن جیسے لوٹ آئے کہیں ہو کر

اصلاح :

ہوئے واپس شب معراج حضرت اس صفائی سے
نگاہ اہل دل جیسے پلٹ آئے کہیں ہو کر

تبصرہ : ۔لوٹنا دیہاتی اور قصباتی محاورہ ہے لکھنوی نہیں ہے۔

شعر :

جھولی میں بھری نکہت گل صحن چمن میں
دامن کبھی خالی نہ رہا باد صبا کا

اصلاح :

یا بوئے گل اس میں رہی یا خاک ہماری
دامن کبھی خالی نہ رہا باد صبا کا

تبصرہ : افسر صدیقی۔ اصل شعر میں یہ اعتراض تھا کہ نکہت گل ہر موسم میں نہیں رہتی اور اس بنا پر صبا کا دامن بھی ہمیشہ بھرا ہوا نہیں رہ سکتا۔ اب دو چیزوں کے اظہار سے "کبھی" کا مفہوم بالکل صاف ہو گیا۔ اب ایک لطیف معنی اور بھی نکل آئے کہ جب موسم گل تھا تو صبا کے دامن میں گلوں کی خوشبو تھی اور اس کے بعد جب موسم خزاں آیا تو پھولوں کے ساتھ ہماری زندگی بھی ختم ہو گئی اور جس کے دامن میں پہلے پھولوں کی خوشبو تھی اب ہماری خاک نظر آتی ہے۔ اصلاح اسی کا نام ہے کہ نہ صرف نقص دور ہو بلکہ حسن بھی پیدا ہو جائے۔ ۲۳

استادی شاگردی کا ادارہ اس قدر فعال تھا کہ بے استادے شعراء پر لوگ طعن کرتے تھے۔ غالب بے استادہ تھا لیکن لوگوں کی مسلسل طعن و تشنیع کی وجہ سے اس نے بھی عبد الصمد نامی استاد تراش ہی لیا۔

اصل میں شاعری تو دنیا کا وہ واحد فن ہے جو کسی کو سکھایا نہیں جا سکتا۔ جب تک طبع موزوں اور غنائیت آشنا نہ ہو کوئی عالم متبحر بھی شعر درست نہیں پڑھ سکتا کجا کہ شعر گوئی کی منزلیں طے کر سکے۔ لیکن شعر موزوں ہو جانے کے بعد اس کی نوک پلک درست کرنا' اسے مشاہدہ انسانی کے عین مطابق بنانا اور باریک بینی اور نزاکت سے کام لے کر اسے سنوارنا بہرحال علم اور مشاہدہ کا کام ہے اور چونکہ مبتدی شعراء میں علم و مشاہدہ کی کمی ہوتی ہے اس لیے انہیں لازماً کسی کہنہ مشق ادب شناس استاد سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ افسوس آج کل استادی شاگردی کا

ادارہ اتنا فعال نہیں رہا۔ لیکن ایک بات خوش آئند ہے کہ بعض ادبی رسائل میں چھپنے والا کلام دلیل معیار ٹھہرتا ہے اور اس کلام کی اشاعت سے نو آموز شعراء کو **مستقل سیکھنے** اور آگے بڑھنے کا حوصلہ ملتا رہتا ہے۔ تاہم نعت گوئی کی دنیا میں اس ادارے کی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ کاش نعت گو مبتدی اپنے آپ کو واقعی مبتدی سمجھیں اور کسی کہنہ مشق استاد سے رجوع کرنے میں عار محسوس نہ کریں! اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لیے (کہ آج کل مغربی حوالوں کے بغیر بات میں زور بھی پیدا نہیں ہوتا) ٹی۔ ایس۔ **ایلیٹ** (۱۸۸۸۔۱۹۶۵ء) کا حوالہ دیتا ہوں جس نے اپنی شہرہ آفاق نظم "دی ویسٹ لینڈ" ایزرا پاؤنڈ کو پیرس میں اصلاح کے لیے دی اور اس نے نظم کو کانٹ چھانٹ کر آدھا کر دیا اور اس کی ہیئت بھی مقرر کر دی۔ ۲۴

داغ دہلوی نے تو اپنے شاگردوں کی تعلیم کے لیے ایک قطعہ بھی کہا تھا جو آج بھی تازہ واردان بساط سخن کے لیے مشعل راہ ہے۔ افادہ عام کی غرض سے وہ قطعہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

ہدایت نامہ فصیح الملک داغ دہلوی

اپنے شاگردوں کی ہے مجھ کو ہدایت منظور — کہ سمجھ لیں تہ دل سے وہ بجا و بے جا
شعر گوئی میں رہیں پیش نظر یہ باتیں — کہ بغیر ان کے نہیں ہوتی فصاحت پیدا
چست بندش ہو نہ ہو سست یہی خوبی ہے — وہ فصاحت سے گرا شعر میں جو حرف دبا
عربی فارسی الفاظ جو اردو میں کہیں — لیکن الفاظ میں اردو کے یہ گرنا ہے روا
الف وصل اگر آئے تو کچھ عیب نہیں — وہ کنایہ ہے جو تصریح سے بھی ہو اولے
جس میں گنجلک نہ ہو تھوڑی سی صراحت بھی رہے — پہلے کچھ اور تھا اب رنگ زبان اور ہوا
عیب و خوبی کا سمجھنا ہے اک امر نازک — اہل دہلی نے اسے اور سے اب اور کیا
یہی اردو ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے — ہے وہ ٹکسال سے باہر جو کسوٹی نہ چڑھا
جوہری نقد سخن کے ہیں پرکھنے والے — ایک کو ترک کیا ایک کو قایم رکھا
بعض الفاظ جو دو آئے ہیں اک معنی میں — اگلے لوگوں کی زبان پر وہی دیتا تھا مزا
ترک جو لفظ کیا اب وہ نہیں مستعمل — ہو جو بندش میں مناسب تو نہیں عیب ذرا
گرچہ تعقید بری ہے مگر اچھی ہے کہیں — ایسی بھرتی کو سمجھتے نہیں شاعر اچھا
شعر میں حشو و زواید بھی برے ہوتے ہیں — وہ بڑا عیب ہے کہتے ہیں اسے بے معنی
گر کسی شعر میں ایطائے جلی آتا ہے — اس میں اک لطف ہے اس کہنے کا پھر کیا کہنا
استعارہ جو مزے کا ہو مزے کی تشبیہ — روزمرہ بھی رہے صاف فصاحت سے بھرا
اصطلاح اچھی مثل اچھی ہو بندش اچھی — ایک مصرع میں جو ہو چار جگہ بلکہ سوا

ہے اضافت بھی ضروری مگر ایسی بھی نہ ہو

عطف کا بھی ہے یہی حال یہی صورت ہے
وہ بھی آئے متوالی تو نہایت ہے برا

لف و نشر آئے مرتب وہ بھی اچھا ہے
اور ہو غیر مرتب تو نہیں کچھ بیجا

شعر میں آئے جو ایہام کسی موقع پر
کیفیت اس میں بھی ہے وہ بھی نہایت اچھا

جو نہ مرغوب طبیعت ہو بری ہے وہ ردیف
شعر بے لطف ہے گر قافیہ ہو بے ڈھنگا

ایک مصرع میں ہو تم دوسرے مصرع میں ہو تو
یہ شتر گربہ ہوا میں نے اسے ترک کیا

چند بحریں متعارف ہیں فقط اردو میں
فارسی میں عربی میں ہیں مگر اس سے سوا

شعر میں ہوتی ہے شاعر کو ضرورت اس کی
گر عروض اس نے پڑھا ہے وہ سخن ور دانا

مختصر یہ ہے کہ ہوتی ہے طبیعت استاد
دین اللہ کی ہے جس کو یہ نعمت ہو عطا

بے اثر کے نہیں ہوتا کبھی مقبول کلام
اور تاثیر وہ شے ہے جسے دیتا ہے خدا

گرچہ دنیا میں ہوئے اور ہیں لاکھوں شاعر
کسب فن سے نہیں ہوتی ہے یہ خوبی پیدا

پند نامہ جو کہا داغ نے بیکار نہیں
کام کا قطعہ ہے یہ وقت پہ کام آئے گا۲۵

"نکولا بولو دا پروا" (۱۶۳۶ء۔ ۱۷۱۱ء) ایک فرانسیسی شاعر و نقاد گذرا ہے۔ اس نے اعلیٰ شاعری کے معیارات پر گفتگو کی ہے اور نو آموز شعراء کے لیے مفید ہدایات دی ہیں۔ بولو کے خیالات بڑے وقیع ہیں اور اس کا شعری ادراک قابل رشک ہے۔ یوں تو اس کی تحریر بالاستیعاب اور بار بار پڑھنے کے لائق ہے کہ حکمت و دانش ہمارے لئے ایک خیر کثیر ہے لیکن طوالت سے بچنے کے لیے اس کے چند اقوال درج کرتا ہوں:۔

۱۔ جب تم خدا کو اپنی "بد شاعری" (بری شاعری) کا موضوع بناتے ہو تو خود پسند ملحد بھی اسے سن کر کانپ اٹھتا ہے۔

۲۔ کبھی کبھی بے فن شاعر' بے جا خود پسندی سے پھول کر یہ گمان کر بیٹھتے ہیں کہ وہ سب کچھ سمجھتے ہیں اور ایک ڈھول اپنے ہاتھ میں لیکر بجانے لگتے ہیں۔

۳۔ شاعری ایک ظالم فن ہے کہ یہ اچھے اور خراب کے درمیان سمجھوتہ نہیں کرتا۔ دوسرے علوم میں ایک شخص دوسرے درجے پر رہ کر بھی قابل عزت ہو سکتا ہے لیکن شاعری میں اوسط درجہ کے شاعر کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

۴۔ اگر لوگ اعتراض کریں تو صبر و توجہ سے غور کرو۔ بہتر بات مان لینا کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔

۵۔ لہٰذا تم جو دلفریب شاعری کے خطرناک راستے پر چلنے کی خواہش میں جل رہے ہو' فضول اشعار لکھنے میں اپنا وقت ضائع مت کرو یا اپنی خواہش شعر گوئی کو جینیس نہ سمجھو۔۲۶

اسی طرح نقد و نظر کی دنیا کے بہترین دماغ رکھنے والے لوگ مثلاً ایذرا پاؤنڈ' ہلڈا ڈولٹل' رچرڈ الڈنگٹن وغیرہ نے ۱۹۱۲ء میں نئی شاعری کے لیے کچھ اصول مرتب کیے (۲۷) اور ترقی پسندوں نے ۱۹۳۶ء میں ادب کے لیے منشور بنایا۔

ان حوالوں سے میرا منشاء صرف اتنا ہے کہ قارئین یہ جان لیں کہ دنیاوی موضوعات پر شاعری کرنے کے لیے تو دنیا داروں نے نہ صرف تخلیقی سطح پر بے تحاشہ محنت کی ہے بلکہ تنقیدی سطح پر بھی قابلِ تحسین کام کیا ہے۔ سچ کہا ہے۔

خشک سیروں دل شاعر کا لہو ہوتا ہے
تب نظر آتی ہے اک مصرعہ تر کی صورت

لیکن مذہبی شاعری یا نعت (جو بقول علامہ قاری محمد طاہر رحیمی مدنی 'عروس الفنون ہے ۲۸) کی طرف آتے ہوئے لوگ زبان و بیان اور عظمت فن کا بالکل خیال نہ کریں۔ اب ذرا غور فرمائیے نعتیہ شاعری کی تاریخ میں کوئی شاعر میر کا ہم پلہ ہو سکا ہے؟ عقیدت کے مارے ہوئے لوگ تو ہو سکتا ہے فوراً بول اٹھیں کہ میر کیا بیچتے ہیں نعت کی دنیا میں تو بڑے بڑے قد آور شاعر موجود ہیں۔ لیکن علمی اور حقائق کی دنیا میں عقیدت بے بصر کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی اس لیے صاحبانِ دانش کا جواب نفی میں ہی ہو گا۔ غالب' اقبال یا مومن کا ہم پلہ شاعر بھی نعت کی دنیا میں کوئی نہیں ہوا۔ فیض احمد فیض کی سی تخلیقی صلاحیتوں والا بھی کوئی شاعر دنیائے نعت کو نہیں مل سکا۔ اس کی وجہ غالباً وہی ہے جس کی طرف عسکری صاحب نے محسن کاکوروی پر اپنے مضمون میں اشارہ کیا ہے کہ :

> "بیشتر مذہبی شاعری کے ناکام رہنے کی ایک تاویل تو ہم یوں کر سکتے ہیں کہ شاعری کا تعلق عالمِ طبعی سے ہے اور مذہبی تجربات عالمِ طبعی سے ماورا ہیں۔ اس لیے شاعری سے ان تجربات کے اظہار کا کام لیا ہی نہیں جا سکتا۔"۲۹....... "بیشتر مذہبی شاعری صرف ایک ہی عقیدے کے لوگوں کو متاثر کرتی ہے۔"۳۰

تاہم اس حقیقت کے باوجود کہ مذہبی شاعری کا دائرہ قبولیت یا دائرہ کشش (Field of attraction) قدرے محدود ہوتا ہے' دنیا میں مذہبی شاعری کو تخلیقی سطح پر عالمی پیمانے پر منوانے والے شعراء بھی پیدا ہوئے ہیں اور ان شعراء میں دو بڑے نام مشرقی ادبیات کے ہیں ایک رومی دوسرا اقبال۔ مغرب میں غالباً ڈانٹے کے مقابلے کا دوسرا شاعر موجود نہیں ہے۔

اردو کی مذہبی شاعری میں فکری گہرائی کی کمی ہے۔ اقبال کی شاعری بہرحال انفرادیت کی حامل ہے۔ اردو کی مذہبی شاعری میں' جسے میں نعت ہی کی توسیع سمجھتا ہوں' اقبال نے پیغام' فکر اور جذبے کو تخلیقی اظہار سے اس طرح ہم آہنگ کیا کہ اس سے بہتر خیال کی خلاقانہ ترسیل ممکن نہیں۔ اقبال کی تخلیقی قوت بھی اسی قدر شدید ہے جس قدر گہری ان کی فکر ہے یہی وجہ ہے کہ یار لوگ ابھی تک اسی بحث میں پڑے ہوئے ہیں کہ اقبال شاعر بڑا ہے کہ فلسفی۔ ہمارا مسئلہ فی الحال یہ نہیں ہے اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی کمیٹڈ (Commited) شاعری کے حوالے سے شعریت سے بھرپور شاعری کرنے والا واحد کامیاب شاعر اقبال ہے اور بس۔ یہ بات اقبال نے خود بھی محسوس کی اور اس کا اظہار بھی کر دیا۔

خرد افزود مرا درس حکیمانِ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظراں

(مغربی مفکروں کے پڑھائے ہوئے سبق نے میری عقل میں اضافے کیے۔ لیکن میرے سینے کو عارفوں کی نگاہ نے روشن کیا ہے)۔

ہمارا زمانی حوالہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد سے لمحہ موجود (۱۹۹۵ء) تک کا ہے اس لیے ہم ان نعتیہ شعری مجموعوں میں شعریت تلاش کریں گے جو ۱۹۴۷ء کے بعد منصہ شہود پر آئے۔ شعریت سے ہماری مراد کیا ہے؟ یہ بات جاننے کے لیے ہم محب عارفی کی کتاب ''شعریات: مسلک معقولیت'' کا سہارا لیں گے۔ محب عارفی صاحب لکھتے ہیں۔

> ''شعریت ایک معنوی دل کشی ہے۔ یہ ہماری جمالی جبلت کی اس شاخ کی تسکین کا باعث ہوتی ہے جو ذوق شعری کی روح و رواں ہوتی ہی۔ ذوق شعری کے دراصل دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک تخلیقی۔ جو شاعر سے شعر کہلواتا ہے، دوسرا انفعالی، جو قاری کو شاعر کی تخلیق انگریز قلبی کیفیت میں کیف انگیز شرکت سے ہم کنار کراتا ہے۔'' ۳۱

عبدالعزیز خالد بہت پڑھے لکھے شاعر ہیں۔ نعتیہ شاعری میں ان کا اشتغال قصیدہ گوئی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ قصیدوں میں اظہار علم کے مواقع میسر آتے ہیں جن سے عبدالعزیز خالد نے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے..... ان کی بیشتر شاعری دماغی شاعری ہے جس کا معتدبہ حصہ ان کے ہفت لسانی رویے کی وجہ سے محروم ابلاغ ہے۔ ان کی علمی لیاقت کے پیش نظر ان سے بجا طور پر یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ نعتیہ شاعری کو کسی مربوط نظام فکر اور واضح پیغام سے آشنا کر سکیں گے۔ لیکن تاحال ان کی شاعری اظہار علم کے دائرے سے نہیں نکل سکی ہے۔ زود گوئی اور بسیار نویسی نے انہیں اپنی شاعری کا ایسا انتخاب شائع کرنے کی مہلت نہیں دی ہے جس میں شعریت سے بھرپور اشعار کا وافر حصہ موجود ہو۔ اس کے باوجود انکا مختلف زبانوں کے الفاظ کا شاعری میں استعمال چونکا دینے والا اور انوکھا ہے۔ گو مقصدیت کے حوالے سے کوئی واضح پیغام ان کی نعتیہ شاعری کا جز و تخلیق نہیں بن سکا ہے تاہم نعتیہ شاعری سے سنجیدگی سے وابستہ رہنے کی وجہ سے وہ اس مرتبے پر فائز ہیں کہ نعت گوئی کی کوئی تاریخ ان کے نام کے بغیر مکمل نہ سمجھی جائے گی۔ خالد کے ہاں سادگی و پرکاری کے نمونے کم کم ہیں لیکن جہاں انہوں نے سادگی کو اپنایا ہے وہاں ان کی بے پناہ تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار ہوا ہے۔ ملاحظہ ہوں چند نمونے۔

در یتیم مکہ وہ لال آمنہ کا
طائف کا آبلہ پا خلوت نشیں حرا کا
روزہ ہے ڈھال جس کی محرم وہ ہل اتی کا
فاقے ہیں جس کا توشہ سرور دو سرا کا
وہ رہنما و راہی ہر جادہ وفا کا
وہ سربراہ و سالک ہر مسلک رضا کا
وہ ساقی و معاشر ہر مشرب صفا کا

فیضان کا جو سوتا سر چشمہ ہے عطا کا
منجملۂ مساکین مالک خلا ملا کا
عرش بریں کا زائر وہ ہم زباں خدا کا
عمامہ جس کے سر پر مازاغ ماطغیٰ کا
وہ شاہباز وحدت شاہ جہاد و ہجرت
جس خوش لقا کا اسوہ جس خوش ادا کی سنت
بے کس کی دستگیری مظلوم کی امانت
معذور کی کفالت محروم کی وکالت
تاحد ظرف و وسعت خلق خدا کی خدمت
بہبود نوع انساں فوز و فلاح امت
وہ پیکر صداقت جس کا علم عدالت
انصاف کا وہ داعی پیغمبر اخوت
کی جس نے آشکارا انسانیت کی عظمت
دیدار جس کا مژدہ گلزار جس کا طلعت
جس کا کلام مرہم جس کا بیاں بشارت
سلطان علم و عرفاں خاقان حرف و حکمت
سالار عشق و مستی سردار عزم و ہمت
کہتی ہے ساری خلقت جس کو رسول رحمت
امرت بنائے بس کو کندن بنائے مس کو
یزداں پکارے جس کو یا ایّھا الرسولؐ
یا ایّھا النبیؐ
اپنا پکاروں خالد اس کے سوا میں کس کو

توکہ موضوع مزار میرزبور
تری توصیف کا کس ابن بشر کو مقدور
بجز اظہار و بیاں کا کرے اقرار زباں
جو تری شان کے شایاں ہوں وہ الفاظ کہاں؟
تیری تصویر کشی سے معذور
فانی انسان کا فن

اے خداوند سخن!
ہوا جس سے ترا زمزمہ وہ ساز کہاں؟
طلع البدر علینا کی وہ آواز کہاں؟
کعبؓ و حسانؓ کا وہ سرمدی انداز کہاں؟
نطق کا قافیہ سر منزل معنی میں ہے تنگ
کوئی محرومی سی محرومی ہے
ترے دربار سے دارائی بھی محکومی ہے
آستانے پہ ترے خاک بسر، برہنہ تن
کجلاہان اقالیم و سلاطین زمن
اس سراپردہ حشمت میں مرا کیا مذکور
میں مدائن تو مدینہ، میں خرابہ تو چمن
میں اندھیرا تو اجالا تو امیں میں ایمن
میں تشکک تو تیقن تو موحد میں شمن
تو طمانیت و تسکیں میں مباہات و محن
تو مبین و متبسم میں عبوس والکن
مرا افلاس تخیل، مری ناداری فن
ترے دربار میں کس منہ سے کرے عرض سخن؟ (ماذماذ)

☆ ☆ ☆ ☆

عبدالعزیز خالد کے کلام کا حسن ان کی زبان کے استعمال اور ہم قافیہ لفظوں کی تکرار کے ترنم میں پوشیدہ ہے۔ بارگاہ نبوی میں عجز ہنر کا نذرانہ بھی نعتیہ شاعری کی جمالیات میں اضافہ کا سبب بن جاتا ہے خصوصاً اس وقت جب شاعر اپنی تمام تر قادر الکلامی کا جوہر دکھا کر سراپا عجز ہو جائے!

حفیظ تائب نعت کی دنیا میں قدیم و جدید شعراء میں سب سے نمایاں شاعر ہیں۔ ان کا لہجہ آہستہ آہستہ انفرادیت کی اس سطح کی طرف بڑھ رہا ہے جس سطح پر شعر خود شاعر کا تعارف کرواتا ہے۔ نعت گوئی سے تائب کا خلوص اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر صنف سخن پر یکساں قدرت رکھنے کے باوجود وہ نعت کے علاوہ کچھ نہیں کہتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کے تمام نعت گو شعراء میں حفیظ تائب ہی کے بارے میں وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ نعت گوئی کے تقاضوں سے کماحقہ واقف ہیں اور ان کا کلام رجحان ساز (Trend Setter) کلام ہے۔ حفیظ تائب کا لہجہ بڑا دھیما ہے کیونکہ وہ خود کو تلقین کرتے رہتے ہیں کہ۔

ذہن میں رکھ آیۂ لا ترفعوا اصواتکم
بات کر طبع پیمبرؐ کی نفاست دیکھ کر

حفیظ تائب کی شعری جمالیات میں لفظوں کو برتنے کا فن نمایاں ہے۔ ان کی نعتوں میں صوتی حسن بھی ہے اور معنوی جمال بھی ملاحظہ ہوں ان کی ایک نعت کے چند اشعار۔

خوش خصال و خوش خیال و خوش خبر خیر البشرؐ
خوش نژاد و خوش نہاد و خوش نظر خیر البشرؐ

دل نواز و دلپذیر و دل نشین و دلکشا
چارہ ساز و چارہ کار و چارہ گر خیر البشرؐ

حسن فطرت حسن موجودات حسن کائنات
نور ایقاں نور جاں' نور بصر خیر البشرؐ

سربسر مہر و مروت سر بسر صدق و صفا
سر بسر لطف و عنایت' سر بسر خیر البشرؐ

اعتدال دین ودنیا اتصال جسم و جاں
اند مال زخم ہر قلب و جگر خیر البشرؐ

آفتاب اوج خوبی' ماہتاب برتری
آب و تاب چہرہ شام وسحر خیر البشرؐ

ساحل بحر تمنا' حاصل کشت وفا
حامل قرآن و شمشیر و سپر خیر البشرؐ

صاحب خلق عظیم و صاحب لطف عمیم
صاحب حق' صاحب شق القمر' خیر البشرؐ

آدمی کے اولیں درد آشنا شاہِ ہدی
آگہی کے آخریں پیغامبر خیر البشرؐ

کب ملے گا ملت بیضا کو پھر اوج کمال
کب شب حالات کی ہو گی سحر خیر البشرؐ

(صلوا علیہ و آلہ)

یہ تو ایک نعت کے چند منتخب اشعار ہیں۔ ان اشعار میں لفظوں کی صوتی تکرار اور اس تکرار سے پیدا ہونے والے آہنگ اور ترنم کو محسوس کیجئے اور یہ بھی دیکھئے کہ صوتی ترنم پیدا کرنے کی کوئی شعوری کوشش بھی ظاہر ہوتی ہے؟ قطعی نہیں۔ پھر دیکھئے کہ ان ہی لفظوں کے مجموعے سے جو شعر وجود پذیر ہوا ہے اس کے حسن معنوی میں کسی لفظ

کی صوتی تکرار سے کوئی خلل واقع ہونے کا شائبہ پیدا ہوتا ہے؟ اور دیکھئے کہیں عروضی اعتبار سے کوئی لفظ ساقط البحر ہوتا ہے؟ کوئی حرف دبتا یا گرتا ہے؟ کہیں تعقید لفظی محسوس ہوتی ہے؟ تنافر حرفی؟ جی نہیں قطعی نہیں۔ حفیظ تائب کا تمام کلام کم و بیش ان ہی خوبیوں کا حامل ہے اور اس پر طرہ یہ کہ ان کے مضامین میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا احترام بھی موجود ہے۔

چند اشعار اور ملاحظہ ہوں۔

التفات سید سادات کب محدود ہے
وسعت دامن بھی دیتے ہیں عطا کرتے ہوئے
تھام کر دامن کو ان کے بے محابا رو دیا
میں کہ گھبراتا تھا ان کا سامنا کرتے ہوئے

کتنی عظیم بیعت رضواں کی شان ہے
فتح مبیں کے ساتھ چلا کاروان خیر

کس قدر روشن ہیں اذاں کے لیے صدیوں کے رنگ
وادی طابہ کے منظر دیکھنا اور سوچنا
اس کے ہوتے کس اجالے کی ہے دنیا کو تلاش
سبز گنبد کو برابر دیکھنا اور سوچنا

خواجہ میر درد کے کلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا دیوان سراپا منتخب کلام پر مشتمل ہے۔ اردو نعت کے حوالے سے حفیظ تائب کے دونوں مجموعوں (صلو علیہ والہ اور وسلموا تسلیما) کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے۔

سلیم گیلانی، دنیائے نعت میں کوئی زیادہ معروف نام نہیں ہے۔ لیکن ان کا نعتیہ مجموعہ "سیدنا" نعت گوئی میں ان کا اعتبار قائم کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس مجموعہ کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف شاعری کے کلاسیکی آہنگ سے مانوس اور رنگ جدید کو برتنے کا فن جانتا ہے۔ سیدنا میں شعریت سے بھرپور اشعار کی بہتات اس بات کا ثبوت ہے کہ شاعر کہنہ مشق بھی ہے اور اس کا مشاہدہ بھی گہرا ہے، نیز وہ ہر شعر پورے تخلیقی شعور کے ساتھ کہتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے اسے آداب نعت گوئی سے بھی بہرہ ور کر دیا ہے۔

ملاحظہ ہو ایک خوبصورت نظم جس کا لہجہ دھیما، بحر مختصر اور تاثر بہت گہرا ہے:

جب وہ چاند نہ ابھرا تھا
کتنا گھور اندھیرا تھا

پورن ماشی کا چندا
پہلی رات کا لگتا تھا
صبح کے چڑھتے سورج پر
شام کا دھوکا ہوتا تھا
راہیں کتنی ویراں تھیں
جیون کتنا سونا تھا
آنکھیں جاگتی رہتی تھیں
پر دل سویا سویا تھا
دریا طوفاں طوفاں تھے
ساحل دریا دریا تھا
پنچھی گاتے تھے لیکن
شاخوں پر سناٹا تھا
رم جھم برکھا ہوتی تھی
پھر بھی انساں پیاسا تھا

سلیم گیلانی نے عہد جاہلیت کا نقشہ جس خلاقانہ ہنرمندی سے کھینچا ہے وہ ان کے پختہ کار شاعر ہونے کی بھی غماز ہے اور ان کے اسلوب شاعری کی نفاست کی بھی آئینہ دار ہے۔ سیدنا کے بیشتر اشعار اتنے پر کشش ہیں کہ میں انہیں نقل کیے بغیر آگے بڑھ ہی نہیں سکتا۔

ذرہ ہوں پہ خورشید سے ہے ربط تجلی
قطرہ ہوں پہ نسبت ہے مجھے وسعت یم سے
کبھی لفظوں کے پیکر میں کبھی اشکوں کی صورت میں
درود ان کے لیے پیہم رقم ہوتے ہی رہتے ہیں
سینکڑوں سال کے پردوں سے چھنی آتی ہے
مصحف روئے پیمبرؐ کی ضیا تو دیکھو
میں تو بس دین کا مفہوم یہی سمجھا ہوں
اپنے ہر کام میں آقاؐ کی رضا کو دیکھو
کونین میں وہ ایک ہی رہبر ہے کہ جس کی
تابانی نقش کف پا سب کے لیے ہے
آپؐ آئے تو زمانے کو ملا اذن خرام

قرن ہا قرن کے سوئے ہوئے انساں جاگے
ظلمت سرائے شب میں سحر آپؐ لائے ہیں
دنیا میں حسن فکر و نظر آپؐ لائے ہیں
ہر گھڑی پیش نگہ رہتی ہے طاعت ان کی
زیست اپنی ہے پہ انداز نظر ان کا ہے
کس کو یارا کہ کرے عرض ہنر ان کے حضور
بس مرا عجز ہنر میرے نبیؐ تک پہنچے
ہے جزو کیش ہمارے لیے ثنائے رسولؐ
اور ان کی سیرت اطہر نگاہ میں رکھنا

(سیدنا)

ان اشعار میں سلیم گیلانی کی اصابت فکر مترشح ہوتی ہے اور ان کے تصور فن کی پاکیزگی بھی آشکارا ہے۔

حنیف اسعدی کا شمار بھی کہنہ مشق نعت گو شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کی شعری جمالیات میں ان کے تغزل آمیز لہجے کا بڑا دخل ہے لیکن ان کی نعتیہ غزلوں میں موضوع کے تقدس کا احساس اور احترام موجود ہے۔ وہ نعت گوئی کے حدود کے شعور کے ساتھ نعت کہتے ہیں۔ ان کے لہجے میں کلاسیکی رچاؤ بھی ہے اور جدید اسالیب کی گونج بھی۔ ملاحظہ ہو ان کی ایک نعت۔

کوئی ان کے بعد نبی ہوا' نہیں ان کے بعد کوئی نہیں
کہ خدا نے خود بھی تو کہہ دیا' نہیں ان کے بعد کوئی نہیں
کوئی ایسی ذات ہمہ صفت' کوئی ایسا نور ہمہ جہت
کوئی مصطفےٰ' کوئی مجتبےٰ' نہیں ان کے بعد کوئی نہیں
بجز ان کے رحمت ہر زماں' کوئی اور ہو تو بتایئے
نہیں ان سے پہلے کوئی نہ تھا' نہیں ان کے بعد کوئی نہیں
کسی ایسی ذات کا نام لو' جو امیں بھی ہو جو اماں بھی ہو
یہ مرے یقیں کا ہے فیصلہ' نہیں ان کے بعد کوئی نہیں
یہ نگار خانہ روز و شب' اسی مبتداء کی خبر ہے سب
مگر ایسا جلوہ حق نما' نہیں ان کے بعد کوئی نہیں
یہ سوال تھا کوئی اور بھی ہے گناہگاروں کا آسرا
تو رواں رواں یہ پکار اٹھا' نہیں ان کے بعد کوئی نہیں
وہ قدم اٹھے تو بیک قدم ہمہ کائنات تھی زیرپا

یہ بلندیاں کوئی چھو سکا، نہیں ان کے بعد کوئی نہیں

(ذکرِ خیرالانام)

اس نعت میں حنیف اسعدی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور یکتائی کے مختلف رخ یا SHADES دکھائے ہیں۔ فنی نزاکتوں اور شعری خوبیوں سے بھی یہ نعت مالا مال ہے۔ سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ "نہیں ان کے بعد کوئی نہیں" کی ردیف ہر شعر میں قافیے کے ساتھ اس قدر خوبصورتی سے پیوستہ ہے کہ ردیف کی طوالت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں پوری نعت میں اس طویل ردیف کی تکرار کسی بھی مرحلے پر نہیں کھٹکتی بلکہ ہر شعر میں ردیف اپنی معنوی خوبیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ ظاہر ہے یہ سلیقہ سخن گوئی شعریت اور شریعت کے ادراک کے بغیر نہیں آتا۔ کچھ متفرق اشعار بھی ملاحظہ فرمائیے۔

در حضور پہ گریہ ہی کام آتا ہے
زباں کو حوصلۂ عرضِ غم نہیں ہوتا

زباں پہ جب بھی مدینے کی گفتگو آئی
نگاہ گنبد خضریٰ کو جا کے چھو آئی

خدا سے بندے کا رشتہ ہے پیروی ان کی
جو اس حصار سے نکلے وہ پھر کہیں کے نہ تھے

(ذکرِ خیرالانام)

لغزش سے پاک تو کسی بھی انسان کا سخن نہیں ہو سکتا لیکن حنیف اسعدی کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ خاصی حد تک کامیاب نعت کہہ رہے ہیں اور اس کامیابی میں ان کی اس دعا کے اثرات اظہر من الشمس ہیں۔

بے خودی میں وہ نہ کہہ دوں جو نہیں کہنا ہے
شوق کو حفظ مراتب کا پتہ ہو یارب!

(ذکرِ خیرالانام)

نعت گوئی میں شعریت کی تنویریں دیکھتے ہوئے ہم مظفر وارثی تک آتے ہیں۔ مظفر وارثی اپنے خوبصورت ترنم کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں لیکن ان کا بیشتر نعتیہ کلام ترنم کے سہارے کا محتاج نہیں ہے وہ اپنے اندر اسلوب اظہار کی معنوی کشش بھی رکھتا ہے اور صوری جمال بھی۔ ان کی نعت میں گیتوں کی ہیئت میں کہی ہوئی نعتیں خاصی حد تک کامیاب نعتیں ہیں لیکن غزل میں بھی ان کا لہجہ انفرادیت کی سمت بڑھتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

اس قدر عشق نبی ہو کہ مٹا دوں خود کو
اس قدر خوف خدا ہو کہ نذر ہو جاؤں

نبی کے راستے کی خاک لوں گا
میں سب سے قیمتی پوشاک لوں گا

میں بھی مشتاق معراج تھا
ان کی دہلیز پر ہو گئی

پوری تاریخ جہاں میں روشنی اتنی نہیں
لمحے لمحے میں اجالا جس قدر، ان کا ہوا

مری دعاؤں کا ہے رابطہ در حضور سے
اسی لیے خدا کی بارگاہ میں قبول ہوں

وہ ہر شعبۂ زندگی پر محیط
وہ منبر پہ مسجد میں غزوات میں

وقت کے لب پر قصیدہ آپؐ کا
حرف کن کی مقصدیت آپؐ ہیں

عمل چھوٹی سی اک سنت پہ کرکے جنگ جیتی تھی
عجب رد عمل تھا اک ذرا مسواک کرنے کا

سچائیاں طلوع ہوئیں گھر سے آپ کے
حق کی ہوئی بلند صدا آپؐ کے طفیل

اس قسم کے اشعار سے مظفروارثی نعت گوئی کی شعری ثروت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ ترنم کی رو میں ان کے ہاں بعض بے احتیاطیاں بھی ہوئی ہیں جن کی نشاندہی ہم بعد میں کریں گے۔ لیکن کسی شاعر کے کلام میں کسی جگہ کوئی ۔جائے تو اس سے اس کی شاعرانہ عظمت و مرتبے پر کوئی حرف نہیں آتا یہ الگ بات ہے کہ کسی کی کتاب بے اعتدالیوں ہی کا مرقع ہو جائے۔ مظفروارثی کے ہاں بہرحال اچھے اشعار کا تناسب (Ratio) زیادہ ہے۔ اسی لیے ان کا نعتیہ کلام معتبر ہے۔

ریاض مجید کی شہرت ان کے محققانہ کام کی وجہ سے ہے۔ غالباً وہ پہلے پاکستانی ہیں جنہیں "اردو میں نعت گوئی" پر تحقیقی مقالہ لکھنے پر پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری ملی ہے۔ "اللھم صل علی محمد" ڈاکٹر ریاض مجید کا نعتیہ مجموعہ ہے' اس مجموعے کے مطالعے سے ان کے تخلیقی شعور کا پتہ چلتا ہے۔ ریاض مجید نے غزل کی فارم میں نعتیں کہی ہیں اور خوب کہی ہیں۔ ان کے کلام میں جدید آہنگ اور تازہ کاری کے نمونے وافر ہیں۔ مثلاً

برستی رحمتوں کے ہالہ انوار میں رہنا
مبارک ہو تجھے اے روح اس دربار میں رہنا

کسی پل بھی سرک سکتے ہیں پردے روزن جاں سے
ریاض اک انتظار عید کی لذت میں رہتے ہیں

اویسیؓ نسبتیں دوری میں بھی سرشار رکھتی ہیں
کہیں پر بھی رہیں سرکارؐ کی خدمت میں رہتے ہیں

احد میں میں نہ تھا موجود ان کی ڈھال بننے کو
مری کوتاہی تقدیر رو رو ہاتھ ملتی ہے

اپنی ہر التجا کو درودوں کے پر لگا
ہر اک دعا کے اول و آخر درود پڑھ

جب تک وہ مشرف نہ کریں اپنی لقا سے
مشکوک بصارت مری' باطل مری آنکھیں

چمک اٹھتا ہے ماحول معانی نور گریہ سے
شب الفاظ میں جب نعت کا جگنو نکلتا ہے

ہے یقیں حشر میں اٹھوں گا ترے قدموں سے
کیا غرض اس سے کہ تدفین کہاں ہو میری

شہہ سادات کے ہیں ہم تو غلاموں کے غلام
ہم نسب نامہ نہیں، رکھتے ہیں نسبت نامہ

ٹھہر ٹھہر کے مدینے کا راستہ طے کر
کچھ اور بھی ثمر اشتیاق پک جائے

حرم کو دیکھتے ہیں ڈبڈبائی آنکھوں سے
یہ لگ رہا ہے جہاں اشک بار ہے سارا

پھر آئے کاش وہ دن لوگ مجھ سے جب پوچھیں
کہاں کا عزم ہے؟ اور میں کہوں مدینے کا!

اگر وہ اسم گرامی نہ دل کی دھڑکن ہو
نفس کی آمد و شد ہی فضول ہو جائے

مشکل اوقات میں کونین کے والی کی طرف
دیکھتے ہیں سبھی اس روضۂ عالی کی طرف

للہ الحمد کہ آنکھوں میں حرم ہے ان کا
مجھ گنہگار پہ یہ کتنا کرم ہے ان کا

کر احتیاط سے طے راستہ مدینے کا
ہجوم شوق تجھے واسطہ مدینے کا

میں بار بار جاؤں مدینے، بھرے نہ دل
ہر ایک بار یہ کہوں، بس ایک بار اور

ان اشعار سے ریاض مجید کی قادر الکلامی بھی ظاہر ہوتی ہے اور جدت طرازی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ نعت نبی میں جدید اسلوب اختیار کرنے اور اسے کامیابی سے نباہ لے جانے والے شاعر اور بھی ہیں لیکن غالباً ریاض مجید اس حوالے سے سب سے منفرد اور ممتاز شاعر ہیں۔ یہی وہ شاعری ہے جو عام شاعری (General Poetry) اور نعتیہ شاعری میں پیدا ہونے والے اسلوبی بعد کو دور کر سکتی ہے۔ ستھرا شاعرانہ ذوق رکھنے والے لوگ میری اس بات سے اتفاق کریں گے کہ نعت گوئی کے لیے جس علمی لیاقت اور تخلیقی حسیت کے اظہار کی قوت کی ضرورت ہے وہ ریاض مجید میں کماحقہ جمع ہو گئی ہیں۔ ان سے کچھ تسامحات بھی ہوئے ہیں جن کی نشاندہی بعد میں کر دی جائے گی۔ راجا رشید محمود لاہور سے ماہنامہ نعت نکالتے ہیں اور نعت کے حوالے سے خاصا تحقیقی کام کر چکے ہیں۔ "نعت کائنات" آپ کا گرانقدر کارنامہ ہے۔ آپ نعت بھی کہتے ہیں اور اس فن کی نزاکتوں سے خاصی حد تک آگاہ ہیں۔ راجا صاحب کی نعت سادہ اسلوب بیان کا مرقع ہے۔ ملاحظہ ہوں چند نمونے:۔

آپ کے دم سے ہے ساز زندگی میں زیر و بم
آپ کے دم سے ہے سوز اندروں میرے حضورؐ

آپ کا اسم مبارک خاتم دل کا نگیں
آپ کا ذکر حسیں وجہ سکوں میرے حضورؐ

فطرت جو سناتی ہے صدا عشق نبیؐ کی
عالم ہمہ تن گوش برآواز ہوا ہے

دل میں یاد نبیؐ در آئی ہے
وا ہوا چشم نم کا دروازہ
ذکر آقاؐ خدا کی خوشنودی
یاد طیبہ ارم کا دروازہ
وا ہے ہر اک کے واسطے محمود
سید ذوالکرم کا دروازہ

والا صفات ذات ہے کس کی بنائے دہر
نخل دل جہاں کا ثمر کس کا نام ہے؟
کس کا ہے در کہ طور محبت کہیں جسے

سب کے لیے قرار نظر کس کا نام ہے؟
لب پہ دعا ہے اور توسل نبیؐ کا ہے
مجھ کو یہ علم ہے کہ اثر کس کا نام ہے
(حدیث شوق)

عاصی کرنالی موضوع کے ادراک کے ساتھ ساتھ طرز ادا میں ایک قسم کی اعلیٰ سنجیدگی (HIGHER SERIOUSNESS) کے قائل ہیں اور بات کو خوبصورت بنا کر پیش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ ان کی شاعرانہ مشق اس حد تک پختہ ہے کہ وہ جس بات کو جس انداز سے کہنا چاہیں بلا تکلف کہہ دیتے ہیں۔ اب یہ مسئلہ قاری کا ہے کہ سوچ سوچ کر حیران ہوتا رہے کہ بیان کی کتنی مشکل منزل شاعر نے کس خوبصورتی اور سہولت کے ساتھ طے کر لی ہے؟ عاصی کی شاعری میں استعاروں، تشبیہوں اور علامتوں کا ایچ پیچ بھی نہیں ہوتا وہ مروجہ بلکہ خاصی حد تک کلاسیکی مزاج کی تشبیہات اور استعارے استعمال کرتے ہیں لیکن ان کے انداز نگارش سے وہ بات نئی نئی سی لگنے لگتی ہے۔ پوپ نے کہا تھا کہ:

"شاعر وہ لکھے جو اکثر سوچا تو گیا لیکن اس خوبصورتی سے اظہار نہ پا سکا۔"

میرے خیال میں اردو نعت کے شعری سرمائے میں ایسی شاعری عاصی کرنالی نے کی ہے۔ ملاحظہ ہوں ان کی شاعری کے چند نمونے:

ظاہر ہوا قلم تو محمد کے لفظ پر
شیریں ہوئی زباں تو محمد کے نام سے
عشاق کو ترے نہ چھوئے گا فنا کا ہاتھ
ہے ان گلوں کا ربط بہار دوام سے
پودوں کے قد نکلتے ہیں کس کی نظر کے ساتھ
تاروں میں جان پڑتی ہے کس کے پیام سے؟
کہسار میں ثبوت ہے کس کے ثبات کا
موج ہوا میں لوچ ہے کس کے خرام سے؟
ہے راستوں میں کس کی ہدایت سے راستی؟
منزل میں منزلت ہے کس ارفع مقام سے؟

☆ ☆ ☆

پہنچوں در سرکارؐ پہ چاہا تو یہی ہے
آگے مری تقدیر تمنا تو یہی ہے

ہم کہ بے ربطئ اجزا کے سوا کچھ بھی نہ تھے
ہمیں ترتیب میں لانے کے لیے آپ آئے
ہم کہ چہرے پہ لیے پھرتے تھے خاک در غیر
ہمیں آئینہ دکھانے کے لیے آپ آئے
ہر نبوت کے لیے وقت پہ جانا ٹھہرا
آپ آئے تو نہ جانے کے لیے آپ آئے

اپنے کانوں کے لیے اذن اذان طیبہ
اپنی نظروں کے لیے گنبد خضرا مانگو
اپنے چلنے کے لیے راہ سفر سوئے حجاز
اپنے رکنے کے لیے صرف مدینہ مانگو
اپنے گرنے کے لیے اس شہ والا کے قدم
اپنے اٹھنے کے لیے اس کا سہارا مانگو
اپنے پڑھنے کے لیے ذوق احادیث رسولؐ
اپنے لکھنے کے لیے نعت معلے مانگو
اپنے جینے کے لیے لذت و توفیق درود
اپنے مرنے کے لیے دید کا لمحہ مانگو
اگر اظہار مفصل میں ادب مانع ہو
مجملا دامن سرکارؐ کا سایہ مانگو
جھولیاں اس کا کرم پہلے ہی بھر دیتا ہے
مانگنے کی تو ضرورت ہی نہیں کیا مانگو

ملاحظہ ہو ایک پر تاثیر نظم جو شاعر کی قادر الکلامی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

طلوع آفتاب ہدایت

حضورؐ کی تشریف آوری سے پہلے

جب دشنہ دشنہ دشنہ مژگان تیز تھا
جب شعلہ شعلہ شعلہ برق تیز تھا

جب خیمہ خیمہ خیمہ مرگ و فساد تھا
جب قریہ قریہ قریہ کفر و عناد تھا
جب فتنہ فتنہ فتنہ شداد وقت تھا
جب نالہ نالہ نالہ بیداد وقت تھا
جب عقدہ عقدہ عقدہ تقصیر فہم تھا
جب حلقہ حلقہ حلقہ زنجیر وہم تھا
جب گوشہ گوشہ گوشہ صد انبساط تھا
جب بندہ بندہ بندہ عیش و نشاط تھا

حضورؐ کی تشریف آوری کے بعد

اب پردہ پردہ پردہ ساز جمال ہے
اب بادہ بادہ بادہ عرفان حال ہے
اب جرعہ جرعہ جرعہ جام الست ہے
اب ذرہ ذرہ ذرہ خورشید مست ہے
اب قطرہ قطرہ قطرہ اشک نیاز ہے
اب توبہ توبہ توبہ سوز و گداز ہے
اب غنچہ غنچہ غنچہ زلف نگار ہے
اب لالہ لالہ لالہ رخسار یار ہے
اب جلوہ جلوہ جلوہ سر و سمن ہوا
اب خندہ خندہ خندہ صبح چمن ہوا
اب نعرہ نعرہ نعرہ توحید بن گیا
اب سجدہ سجدہ سجدہ امید بن گیا
(تمام و نا تمام)

غرضیکہ عاصی کرنالی کی تمام تر شاعری لفظوں پر ان کی مکمل گرفت، لہجہ کی شگفتگی اور جمالیاتی اظہار فن کی آئینہ دار ہے۔

رحمٰن کیانی نے ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد اچانک شہرت پائی۔ ان کی شہرت میں ان کی پرکشش پیامی شاعری کا دخل تھا۔ نعتیہ شاعری میں رحمٰن کیانی نے ایک مسلمان سپاہی (یا مجاہد) کے جذبات کا مخلصانہ اور فنکارانہ اظہار کیا

ہے اور سچ ہے جہاد کے حوالے سے ہماری مذہبی شاعری میں رحمٰن کیانی سے زیادہ کامیاب شاعری کوئی اور شاعر پیش نہ کر سکا۔ رحمٰن کیانی صاحب سیف و قلم تھے۔ وہ حقیقی سپاہی اور پیدائشی شاعر تھے۔ رزمیہ شاعری کے لیے مسدس موزوں ترین صنف سخن ہے چنانچہ بیشتر نظموں میں رحمٰن کیانی نے مسدس ہی کو اپنایا ہے ایک مسدس کے چند بند ملاحظہ ہوں :

لوگو سنو جناب رسالت ماٰب میں
شان رسولؐ صاحب سیف و کتاب میں
ماحی لقب نبیؐ ملاحم کے باب میں
کرتا ہوں فکر مدح تو جوش خطاب میں
مصرع زباں پہ آتا ہے زور کلام سے
تلوار کی طرح سے نکل کے نیام سے

نعت رسولؐ کا یہ طریقہ عجب نہیں
سمجھیں عوام داخل حد ادب نہیں
لیکن یہ طرز خاص مرا بے سبب نہیں
شیوہ سپاہیوں کا نوائے طرب نہیں
رائج ہزار ڈھنگ ہوں ذکر حبیب کے
شاہیں سے مانگیے نہ چلن عندلیب کے
مانا حبیب خالق اکبر رسول کو
خیر الوریٰ و شافع محشر رسول کو
عین النعیم ساقی کوثر رسول کو
شمع و چراغ مسجد و منبر رسول کو
لیکن جو ذات مدح بشر سے بلند ہے
ہم سے یہ پوچھیے کہ ہمیں کیوں پسند ہے
جب بھی سپاہیوں سے پیمبر کو پوچھیے
خندق کا ذکر کیجیے خیبر کو پوچھیے
بدر و احد کے قائد لشکر کو پوچھیے
یا غزوہ تبوک کے سرور کو پوچھیے
ہم کو حنین و مکہ و موتہ بھی یاد ہیں

ہم امتی بانی رسم جہاد ہیں
لاکھوں درود ایسے پیمبر کے نام پر
جو حرف "لا تخف" سے بناتا ہوا نڈر
اک جاوداں حیات کی بھی دے گیا خبر
یعنی خدا کی راہ میں کٹ جائے سر اگر
ہم کو یقین ہے کبھی مرتے نہیں ہیں ہم
اور اس لیے کسی سے بھی ڈرتے نہیں ہیں ہم

ایک نظم پیغمبر انقلاب کے کچھ بند :

ہاں اسی دور لغو و خرافات میں
ظلم کی دوپہر جبر کی رات میں
اٹھ کے غار حرا سے بحکم خدا
کوہ فاراں کی چوٹی پہ صل علی
جیسے شمس الضحیٰ جیسے بدرالدجے
آئے نور الہدیٰ آئے کہف الوریٰ
صاحب قاب قوسین و شق القمر
اک بشیر و مبشر مکمل بشر
مرد حر شاہ لولاک مولائے کل
وہ منیر وہاج، سراج السبل
ہادی و نادی و قائد و مقتدیٰ
رہبر و رہنما مصطفیٰؐ مجتبےؐ
میرے آقا محمدؐ رسول خدا
جن پہ صبح و مساتابہ روز جزا
بولو یارب صلوا وسلم علی
بولو یارب صلوا وسلم علی
اے خواص الخواص اے عوام العوام
ان پہ لاکھوں درود ان پہ لاکھوں سلام
جو اندھیرے میں بن کر چراغ سحر

شہر مکہ کی گلیوں میں آئے نظر
دکھ کے مارے ہوئے آدمی کے لیے
خوں میں ڈوبی ہوئی زندگی کے لیے
ساتھ اپنے لیے نسخۂ کیمیا
ایک تریاق مرہم مجرب دوا
ایک منشور رشد و ہدایات کا
ایک دستور عدل و مساوات کا
نام جس کا کہ فرقان و قرآن ہے
جس کو کہتے ہیں سب جز و ایمان ہے

لیکن افسوس ایمان رکھتے نہیں
چوما چاٹی تو کرتے ہیں پڑھتے نہیں
اور پڑھتے بھی ہیں تو سمجھتے نہیں
اس کسوٹی پہ خود کو پرکھتے نہیں
یہ ہی ام الکتب مصحف آخریں
دفتر علم و دانش متاع یقیں
ہاں یہی حاصل دعوئ موسوئ
ناسخ باز دعوائے عیسیٰؑ نبیؑ
یعنی تکمیل فکر براہیمؑ کو
یا بہ الفاظ دیگر مرے دوستو
لے کے اسلام کا انقلابی نظام
آخری اور مکمل خدا کا پیام
آئے خیرالبشرؐ آئے خیر الانام
آئے پیغمبر انقلاب عوام

اور دیا حکم آکر غریبو اٹھو
اے کنیزو اٹھو اے غلامو اٹھو
رکھ کے کاندھوں پہ تم تیشہ کو ہکن

بت پرستو اٹھو بن کے اب بت شکن
پاک کر دو بتوں سے زمین حرم
ختم کر دو فساد شعوب وامم
امتیازات نسل و زبان و وطن
دام ابلیس اور حلقہ اہرمن
توڑ کر سب خیال و گماں کے صنم
تم کو بے شکل و واحد خدا کی قسم
اے کسانو اٹھو گلہ بانو اٹھو
مفلسو بے کسو ناتوانو، اٹھو
لے کے تیغ دو دم سر سے باندھے کفن
صف بہ صف جوق در جوق اور نعرہ زن
جتنے جبار ہیں جتنے قہار ہیں
جتنے کفار ہیں لائق دار ہیں
دشمن آدمیت ہیں سب برملا
بن کے ان کے لیے تم عذاب خدا
اے حقیرو اٹھو اے فقیرو اٹھو
ساتھیو نوجوانو بزرگو اٹھو
اور برپا کرو تم سمجھ کر ثواب
انقلاب انقلاب انقلاب انقلاب

اس شاعری میں سلاست ہے، روانی ہے اور اچھی خطابت کے جوہر ہیں۔ رزمیہ شاعری کی جمالیات میں ان ہی عناصر کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رحمن کیانی کی شاعری میں خطابیہ عنصر بھی بھلا لگتا ہے۔

حافظ لدھیانوی نے وادی نعت میں قدم رکھا تو اس وادی کے ہو رہے۔ یا یہ کہئے کہ اس مقدس وادی نے انہیں اپنا لیا۔ ان کی شاعری میں مواد (CONTENT) مدینہ کے مناظر اور عنایات نبوی کے حوالے سے فراہم ہوتا ہے اور انکا لہجہ کلاسیکی غزل کے بھرپور عکس (SHADES) رکھتا ہے۔ نعت سے مکمل وابستگی نے انہیں عشق نبویؐ کی پاکیزہ کسک بھی عطا کر دی ہے جو ان کی نعتوں کے بین السطور جھلک رہی ہے۔ نعتیہ شاعری میں شعریت کے الماس اور تاثیر کے جواہر تلاش کرنے بیٹھا تو حافظ کی درج ذیل نعت نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ مومن خاں مومن کی مشہور غزل ہے۔

ع آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو... اسی زمین اور اسی ردیف کے ساتھ قافیہ بدل کر حافظ نے نعت کہی

ہے۔ ملاحظہ ہوں غزل کے تیور اور نعت کے آہنگ۔

ہنگام ثنا بارش انوار تو دیکھو
لطف و کرم سید ابرار تو دیکھو
ہر تشنہ دیدار کو سیراب کیا ہے
فیض نگہ احمد مختار تو دیکھو
بھٹکے ہوئے انسان کو منزل کا نشاں ہے
نقش قدم قافلہ سالار تو دیکھو
انعام کی صورت بھی ہے تسکین نظر بھی
ہے خلد نشاں سایہ دیوار تو دیکھو
سائل ہیں شہنشاہ فقیران حرم کے
وابستگی دامن سرکارؐ تو دیکھو
ہر ذرہ ہے آئینہ انوار الٰہی
اے ہمسفرو! راہ کے آثار تو دیکھو
حافظ سا گنہگار بھی ہے حاضر دربار
اے ہم نفسو! طالع بیدار تو دیکھو
(کیف مسلسل)

شعری جمالیات میں موضوع (SUBJECT) اور معروض (OBJECT) دونوں میں ایک قسم کا توافق (HARMONY) پیدا ہو جائے تو شعر حسن کا حوالہ بن جاتا ہے۔ یہ توافق (HARMONY) محسوس کرنے کے لیے ذوق کی تربیت کی ضرورت ہے۔ بقول سید علی عباس جلال پوری "حسن و جمال سے زیادہ لطیف شے اس دار فانی میں اور کوئی نہیں لیکن اس پر علمائے جمالیات نے ایسی ایسی سنگلاخ بحثیں کی ہیں کہ ان سے زیادہ بے کیف تحریریں دنیائے علم میں کہیں نہیں ملیں" ۳۲۔ ایسی صورت میں جمالیات کا فلسفہ بگھارنے کا تو نہ موقع ہے نہ دماغ بس اتنا سمجھ لیجئے کہ بظاہر جن اشعار میں حسن و جمال کا تذکرہ نہ ہو یا جمالیاتی اشارے مفقود ہوں تب بھی شعر جمالیاتی اقدار پر پورا اتر سکتا ہے اور بعض اوقات حسن کے تمام تلازمات برتنے کے باوجود شعر حسین نہیں ہوتا۔

فدا خالدی دہلوی کہنہ مشق شاعر اور سینکڑوں شعراء کے استاد ہیں بے خود دہلوی کے جانشین ہونے کے حوالے سے داغ اسکول کی نمائندگی ان کا فرض منصبی ٹھہرتا ہے۔ ان کے اشعار سہل ممتنع میں ہوتے ہیں لیکن ان ہی اشعار کے آئینے میں دل دھڑکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان کے نعتیہ مجموعے کا نام "م۔ ص" ہے۔ جس میں دو حروف کی تجرید (ABSTRACTNESS) نے جہان معانی کو وسیع تر کر دیا ہے۔ اس طرح معنوی حوالوں سے کتاب کا نام ہی جمالیاتی دریچے وا کر رہا ہے۔ کلام کے نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

ہشیار کہ چھٹ جائے نہ دامانِ محمدؐ
اس راہ میں بھٹکا تو نہ دنیا کا نہ دیں کا

مجھے اے فدا یقیں ہے کبھی دید ان کی ہو گی
مرا دل تڑپ رہا ہے مری آنکھ میں نمی ہے

حیران ہوں تشبیہ کے دوں شہہ دیں سے
جو چیز ہے اس مرتبہ خاص سے کم ہے

مرے رہنما مرے راہبر' ابھی اک نگاہ کرم ادھر
کہ بھٹک نہ جاؤں ادھر ادھر مرے ساتھ اور کوئی نہیں

میں فدا فدائے شہہ ھدی' مجھے کام اور کسی سے کیا
مجھے ان کے ذکر سے واسطہ مرے دل میں اور کوئی نہیں

چلے کوئی ترے نقش قدم پر
تو دنیا دین ہے دنیا نہیں ہے

کیسی بہار ایک بھی غنچہ نہ کھل سکے
جب تک لب حضورؐ تبسم فشاں نہ ہو

ہے وہی تو عاشق صادق فدا
جس نے اپنایا ہے کردار رسولؐ

نظر آتی ہے عظمت آدمی کی
انہیں دیکھے جو دیکھے آدمی کو

ہر نفس راہ مدینہ میں سکوں ملتا گیا
ہر قدم ان کی محبت راہبر ہوتی گئی

تذکرہ آپؐ کا گفتگو آپؐ کی
زندگی بن گئی آرزو آپؐ کی

رباعیات :

عالم انہیں محبوب خدا کہتا ہے
اک آئینہ صدق و صفا کہتا ہے
کیا شان محمد ہے کہ اللہ اللہ
جو نام سنے صل علی کہتا ہے

آفات کے پھندوں سے نکل جاتا ہے
گرتا ہوا انسان سنبھل جاتا ہے
آجائے اگر نام محمدؐ لب پر
طوفان بلا کا رخ بدل جاتا ہے

اللہ کی مخلوق میں چیدہ وہ ہیں
سردار رسل ہیں برگزیدہ وہ ہیں
قرآن کی تفسیر ہے ان کا کردار
سر چشمہ اوصاف حمیدہ وہ ہیں

ہے کون بیاں کس سے ہو ان کی توصیف
مداح صداقت کے ہیں خود ان کے حریف
پڑھتا ہوں درود یا محمد کہہ کر
ظاہر ہے اسی نام سے ان کی تعریف

م۔ ص۔ میں نعتیہ غزلیں ہیں، رباعیات ہیں، مسدس ہیں اور ایک بہت عمدہ قصیدہ ہے اس طرح اس مجموعے میں قدیم اصناف سخن کا ہیئتی تنوع پایا جاتا ہے جس سے شاعر کی فن پر گرفت کا ادراک ہوتا ہے۔

جعفر بلوچ کا نعتیہ مجموعہ "بیعت" ایک منفرد رنگ و آہنگ کا احساس دلاتا ہے۔ مطلع کے زیر عنوان نظم میں دریائے سندھ کا نشان (SIGN) آگے چل کر بڑی مقدس علامت (SYMBOL) بن کر ابھرتا ہے۔ (نشان اور علامت کی بحث پچھلے صفحات میں گذر چکی ہے۔) جعفر بلوچ کی یہ نظم دیکھ کر گوئٹے کی نظم (MUHAMMAD SONG OF) (جس کا ترجمہ شان الحق حقی نے "نغمہ محمدی" کے عنوان سے کیا ہے۔ فارسی ترجمہ علامہ اقبال نے کیا تھا) یاد آجاتی ہے۔ بیعت میں اس طرح کی فکری گہرائی اور تخلیقی اپج کے امید افزا آثار دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں فکر و فن کے اجتہاد کے بغیر ممکن نہیں ہیں اور فکر و فن کا اجتہاد روایت کی آگہی اور جدید حسیت کے ادراک کے بغیر مکمل نہیں ہے۔ جعفر بلوچ نے نعتیہ ادب میں اسلوب اور فکری اجتہاد کی قابل قدر بنیاد ڈالی ہے۔ ملاحظہ ہو طویل نظم میں سے صرف وہ اقتباس جس کا تعلق مجموعے کے نام (بیعت) سے ہے۔

چٹانیں توڑنے والے قوی ہاتھ   مرادیں بخشنے والے سخی ہاتھ
ملی انساں کو جن سے خیر سرمد   کیا تھا نصب جن ہاتھوں نے اسود
نہ واں آثار کفر و شرک چھوڑے   صنم کعبہ کے جن ہاتھوں نے توڑے
کھجوریں بہر سلمانؓ بونے والے   مبارک ہاتھ پتھر ڈھونے والے
ہے جن ہاتھوں کی مار اللہ کی مار   وہ جن کے "مارمیت" میں ہیں اسرار
سدا تقسیم کرتے ہیں جو کوثر   وہ ہاتھ اللہ کی رحمت کے مظہر
مشیت کی بلندی تک رسا ہاتھ   خدا کے سامنے محو دعا ہاتھ
انہی سے ہوں گھر اندوز رحمت   انہی ہاتھوں سے کی ہے میں نے بیعت
یہ مجھ مسکیںؔ پر انعام رب ہے   یہ مجموعہ جو دیوان ادب ہے
مری بیعت کی دستاویز ہے یہ   مری روداد شوق انگیز ہے یہ
یہ مجموعہ ہے تمہید دعا اک   ہے مجموعہ مرا سعی ثنا اک

جعفر بلوچ کے کچھ اور اشعار بھی ملاحظہ فرمائیے۔

اسے بھی ڈھانپ لے گی رحمت آقائے دو عالم
پکارا حسن نیت سے انہیں جب عصر حاضر نے
وجہ باران کرم پہلے بھی ان کا نام تھا
انکا نام آتے ہی لگ جاتی ہیں جھڑیاں آج بھی
ہر زمانے کو ملا ان سے نشاں منزل کا
کتنے تابندہ نقوش کف پا ہیں ان کے
صاحب کوثر ان سب کا سر چشمہ ہیں
خیر کثیر کے جتنے دریا بہتے ہیں
کرامت ایک یہ بھی تابش عشق نبیؐ کی ہے
دل عشاق مثل ذروہ فاراں چمکتے ہیں
اٹھا بروقت بادل رحمتہ اللعالمینی کا
عمل کی کھیتیوں کو ابر باراں کی ضرورت تھی
مری نظر میں بہار جاوید کی علامت ہے سبز گنبد
رہیں گی ہر قریہ محمدؐ میں تا ابد خیمہ زن بہاریں
اگر ہوں دل سے آج بھی حضورؐ کے غلام ہم
تو اس جہان نو کے ہوں ہمیں امام آج بھی

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی کی نعتیہ شاعری بھی منفرد آہنگ کی شاعری ہے۔ ان کی نعتوں میں ادبیت بھی اتنی ہی ہے جتنی عقیدت، انہیں شعر میں ادبیت اور عقیدت کا حسین امتزاج پیدا کرنے کا ہنر آتا ہے۔ ان کا لہجہ سادہ اور متین ہے اور سادگی میں جاذبیت ہی ان کی شاعری کی پہچان ہے۔ ملاحظہ ہو انہوں نے درج ذیل نعت میں "سورج" کی ردیف میں کیسا کیسا استعاراتی حسن پیدا کیا ہے۔

جگ میں ایک ہے ایسا سورج
جو نہیں چھپنے والا سورج
اس نے چاند کیا دو ٹکڑے
حکم سے اس کے پلٹا سورج
اس کے بھکاری چاند ستارے
منگتا اس کے در کا سورج
اس تن سے تابندہ عالم
جس تن میں وہ چمکا سورج
جو فاراں کی اوٹ سے ابھرا
سب کے دل میں اترا سورج
سایہ ملے اس کے دامن کا
حشر میں جب ہو دہکا سورج
آپ کی خاطر رب نے بنائے
چاند، زمین، ستارا، سورج
اس کے فیض قدم سے عابد
طیبہ کا ہر ذرہ سورج

(میاں دو کریم)

عابد نظامی کا لہجہ پر اعتماد ہے ان کے اعتماد کی بنیاد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے انمٹ نقش پر ہے۔ عابد کی شعری جمالیات میں عظمت خیرالوری کا تاثر اور اس کا بھرپور اظہار قابل ذکر ہے۔

جو خود کو ان کی گلی کا گدا سمجھتے ہیں
سکندر و جم و قیصر کو کیا سمجھتے ہیں
خدا کی ذات کا عرفاں انہی کو حاصل ہے
جو لوگ عظمت خیرالوری سمجھتے ہیں
ہمیشہ منزلیں خود چومتی ہیں ان کے قدم

شہرِ مدینہ کو جو رہنما سمجھتے ہیں
خدا کے آخری پیغامبر کا فیض ہے یہ
کہ آج لوگ خدا کو خدا سمجھتے ہیں

صبیح رحمانی کی شاعری میں حسن و جمال کے مظاہر لفظوں کے مادی پیکر میں بھی دکھائی دیتے ہیں اور شعر کی معنوی فضا میں بھی بکھرے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ کائنات جمال کا سب سے اہم استعارہ روشنی اور اس کے تلازمات سے وجود پذیر ہوتا ہے، سو یہ استعارے صبیح کی شاعری میں تخلیقی قوت کے ساتھ منعکس ہیں۔ خوشبو بھی حسن کا لازمہ ہے لہٰذا اس کے وجودی پیکر بھی مختلف پھولوں یا گلابوں کی صورت میں صبیح رحمانی کے شعری کینوس (CANVAS) پر پھیلے ہوئے ہیں۔ صبیح رحمانی نے کم عمری میں ہی شعر کی داخلی اور خارجی جمالیاتی قدروں کا راز پالیا ہے اور وہ اپنے احساس جمال کو نعت کی تخلیق کے لیے خلاقانہ شدت اور اظہار کی قوت کے ساتھ استعمال کر رہا ہے۔ شاعرانہ مصوری کی مثال دیکھنی ہو تو صبیح رحمانی کی شاعری ملاحظہ فرمایئے۔ صبیح رحمانی ادبی خلوص، شاعرانہ سچائی اور تخلیقی لطافت کے ساتھ نعت میں جدید لہجہ اپنانے والا منفرد نوجوان شاعر ہے۔ اس کی شاعری کے تابناک مستقبل کے بارے میں بڑے وثوق سے دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہوں صبیح رحمانی کی شاعری کے کچھ نمونے۔

انہیں خلق کرکے نازاں ہوا خود ہی دست قدرت
کوئی شاہکار ایسا کبھی تھا نہ ہے نہ ہو گا
مرے طاق جاں میں نسبت کے چراغ جل رہے ہیں
مجھے خوف تیرگی کا نہ ہوا نہ ہے نہ ہو گا
اتاری روح کی بستی میں جلووں کی دھنک اس نے
شکست شب پہ ہو جیسے سحر آہستہ آہستہ
صبیح ان کی ثنا اور تو کہ جیسے برف کی کشتی
کرے سورج کی جانب طے سفر آہستہ آہستہ
قلم خوشبو کا ہو اور اس سے دل پہ روشنی لکھوں
مجھے توفیق دے یارب کہ میں نعت نبیؐ لکھوں
میں نواحِ شب میں بھٹک گیا نئے سورجوں کی تلاش میں
کوئی روشنی کہ بدل سکے مری شب کا حال مرے نبیؐ
اتارے جسم و جاں پر سارے موسم شادمانی کے
بدل دی شہر ہستی کی فضا اول سے آخر تک
ان کی نسبت سے دعاؤں کا شجر سبز ہوا

ورنہ ٹلتا ہی نہ تھا بے ثمری کا موسم
جب ہوئی ان کی صداقت کو شہادت کی طلب
ہاتھ میں بوجہل کے ہر ایک کنکر جاگ اٹھا
اس ابر کرم کا طالب ہوں جو گلشن جاں سیراب کرے
میں ایک شجر ہوں ایسا شہا جو برگ و ثمر سے خالی ہے
ہو دل کا نور، نگاہوں کا نور، علم کا نور
ہر ایک نور کو نسبت مہہؐ عرب سے ہے
خواب روشن ہو گئے مہکا بصیرت کا گلاب
جب کھلا شاخ نظر پر ان کی رویت کا گلاب
خلق کی خوشبو تمام ادوار میں رچ بس گئی
باغ ہستی میں کھلا یوں انکی شفقت کا گلاب

نعت گوئی کے فن کو ادبی سطح پر لانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ نعت غزل (جو نعت خوانی کے لیے موزوں ترین صنف سخن ہے) کی تنگنائے سے باہر آئے اور نظم کے جدید تر رجحانات کو نعتیہ شاعری کے تجربوں کا حصہ بنایا جائے۔ اس ضرورت کا احساس نعت کے متخصصین (SPECIALISTS) میں غالباً سب سے پہلے حضرت حفیظ تائب کو ہوا تھا۔ صبیح رحمانی نے آزاد نظم اور ہائیکو میں بھی نعتیہ شاعری کی ہے اور وہ اپنے تجربات میں بڑا کامیاب رہا ہے۔

ایسے شعراء جن کے نعتیہ مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں بہت ہیں۔ میں نے صرف چند شعراء کے کلام سے شعریت آمیز اشعار منتخب کیے ہیں۔ میری توجہ ان نعت گو شعراء کے کلام پر مرکوز رہی ہے جن کا کلام نعت کی شرعی حدود کی آگہی کا بھی عکاس ہے اور بڑی حد تک ادبی معیارات کا بھی آئنہ دار ہے۔ تلاش و جستجو میں محنت کی کمی کا مجھے اعتراف ہے لیکن اتنا کچھ کلام پیش کر دینے کے باوجود میں ہر شعر کی سو فیصد شعریت اور اس کے ادبی معیار کے بارے میں مطمئن نہیں ہوں۔ صاف کہہ دوں کہ میرا آدرش (IDEAL) پانے میں مجھے صد فی صد کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ ظاہر ہے میں نے دستیاب کلام (AVAILABLE MATTER) ہی سے انتخاب کیا ہے۔
شاعری کے معیار کا مسئلہ محبت کی طرح ہے جس کے بارے میں کسی نے کہا تھا۔

محبت ماورائے عقل اک ایسی حقیقت ہے
جسے میں خود سمجھ سکتا ہوں سمجھائی نہیں جاتی

یہ کلام تو میں نے نووارد نعت گو شعراء کے لیے نمونے (MODEL) کے طور پر پیش کیا ہے تاکہ انہیں ذوق کے شعر میں ذرا سی ترمیم کرکے یہ کہہ سکوں کہ۔

جس کو دعویٰ ہے سخن کا یہ سنا دے اس کو
دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخن ور نعتیں ۳۳

شاعری کی مسابقت (COMPETITION) تینوں زمانوں سے ہوتی ہے۔ اگر ماضی میں اچھی شاعری ہو چکی ہے تو حال کی بری شاعری کوئی پسند نہیں کرے گا۔ اگر حال میں اچھی شاعری ہو رہی ہے تو اس کے مقابلے میں بھونڈی شاعری پیش کرنا اپنا مضحکہ خود اڑوانا ہے اور اگر مستقبل میں اچھی شاعری کے نمونے سامنے آ گئے تو ماضی کی شاعری نقش و نگار طاق نسیاں ہو جائے گی۔ شاعری کی دنیا میں زندہ رہنا تو بڑی بات ہے ادبی تاریخ میں نچلے طبقے کے شاعروں میں جگہ پانے کے لیے بھی بڑی سنجیدہ ادبی کاوش کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن نعت کی دنیا میں ایسی ایسی کتابیں منظر عام پر آ گئی ہیں کہ اگر حفیظ تائب، راجا رشید محمود یا غوث میاں ان کتابوں کو اپنی قاموس الکتب (BIBLIOGRAPHY) میں شامل نہ کر چکے ہوتے تو میں منفی انداز میں بھی ان کا تذکرہ کرنا پسند نہیں کرتا۔ میں قاموس الکتب مرتب کرنے والے حضرات پر تنقید نہیں کر رہا ہوں انہوں نے تو اپنا کام دیانتداری سے کیا ہے یہ گلہ بہرحال ہر اہل فکر و نظر کو رہے گا کہ ہمارے ہاں کتابوں کی طباعت کا کوئی معیار ہی مقرر نہیں ہے۔ قرآن کریم کی طباعت کے لیے اغلاط سے پاک ہونے کی سند حاصل کرنا تو ہمارے ہاں قانوناً ضروری ہے لیکن صاحب قرآن وجہ تخلیق کائنات رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر جمیل کے لیے کسی معیار کی کوئی شرط نہیں۔

دوسرا رخ۔ "بے احتیاطیاں"

(۱) محشر کے جلتے لمحوں کا خوف اور مسلماں ہو کے ہمیں
اشکوں سے نبیؐ نے امت کی ہر فرد عمل دھو ڈالی ہے

عیسائیوں کا تصور یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مصلوب ہو کر تمام عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔ صبیح رحمانی کے اس شعر سے بھی اسی نظریئے کی توسیع کا تاثر ابھرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں توبہ و انابت پر تو زور دیا ہے لیکن حشر سے بے خوف ہو جانے کا آپ کی تعلیم میں کوئی قرینہ نہیں ہے۔ اللہ معاف فرمائے (آمین) صبیح کا یہ شعر بہت سے بزرگ نعت گو شعراء کی تقلید میں ہے لہٰذا میں ایسی تقلید سے مجتنب رہنے کا مشورہ دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

(۲) کاسۂ جاں میں لیے نور کی لوٹے خیرات
جو گدا ان کے در فیض رساں تک پہنچے
(صبیح رحمانی)

پہلے مصرعے میں تعقید بری طرح کھٹک رہی ہے۔ اس مصرعے کی نثر یوں ہو گی۔

کاسۂ جاں میں نور کی خیرات لیے (ہوئے) لوٹے

لیکن مصرعے کی ترتیب بہت زیادہ بگڑ گئی۔

(۳) میں صرف دیکھ لوں اک بار صبح طیبہ کو
بلا سے پھر مری دنیا میں شام ہو جائے

(صبیح رحمانی)

(الف) پہلے مصرعے میں طیبہ کے بعد "کو" حشو ہے یعنی اس کی ضرورت نہیں تھی۔ (ب) بھائی شفیق الدین شارق نے اپنے مضمون میں اس شعر کا تقابل سہیل غازی پوری کے شعر سے کیا ہے اور اس شعر کے ذیل میں میری معروضات کا اطلاق اس شعر پر بھی کرنا چاہا ہے۔ لیکن سہیل غازی پوری کے شعر میں اور صبیح رحمانی کے شعر میں ایک بنیادی فرق ہے یہ کہ سہیل صاحب نے دعا کی ہے اور صبیح نے صرف خواہش کا اظہار کیا ہے۔ اور میری معروضات کا تعلق اسلامی طریقہ دعا یا فلسفہ دعا سے تھا۔ سہیل غازی پوری کا شعر ہے ۔

مدینے کا سفر مالک فقط اک بار ہو جائے
پھر اس کے بعد چاہے زندگی دشوار ہو جائے

بہر حال منفی خواہش کے اظہار کا میں بھی قائل نہیں ہوں۔ ہاں صبیح کی دعا کا اگر معنوی تعلق حضرت عمرؓ کی دعا سے قائم ہو رہا ہو (یارب اپنے رسولؐ کے شہر میں مجھے موت دے) تو ایسی خواہش میں کراہت کے بجائے صحابی کی تقلید کا پہلو نکل سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے رشید وارثی صاحب نے اس شعر کی اسی رخ سے تعریف کی ہو۔ ۳۵

•

(۴) کر رحم ریاض اپنے پر اے شہ انس و جاں!
وہ ان دنوں ہستی کے دشوار سفر پر ہے

(ریاض مجید)

پہلے مصرعے میں بڑی ناگوار قسم کی تعقید ہے۔ اس مصرعے کی نثر یوں ہوگی "اے شہہ انس و جاں اپنے ریاض پر رحم کر" یا "اپنے ریاض پر رحم کر۔۔۔ اے شہہ انس و جاں" لیکن شعر میں یہ ترتیب بری طرح بگڑ گئی ہے جس نے شعر کے حسن کو تباہ کر دیا ہے۔

(۵) اس کو منجملہ حمد اہل ہنر جانتے ہیں
نعت کے باب میں جو رکھتے ہیں ذوق تامہ

"تامہ" میں "م" پر تشدید ہے۔ یہ عربی کا لفظ ہے اور اردو میں بھی مستعمل ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے "م" کا تشدید ختم کر دیا۔ اذان کے بعد کی دعا میں ہے اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ...... (الخ) چنانچہ میری رائے میں "م" کا تشدید حذف کرنا جائز نہیں ہے۔

(۶) ہوئی یہ نعت عجب ساعت و حالت میں ریاض
دیکھیں اس بارے میں اب کیسی ہو رائے عامہ؟

ریاض مجید نے مقطع میں خود ہی اس خوف کا اظہار کر دیا ہے کہ عربی لغت میں انکی اجتہادی کوشش رائے عامہ میں

مطعون نہ ٹھہرے۔ لیکن عامہ کے "م" کا تشدید پھر بھی اڑا ہی دیا۔ اب ڈاکٹر صاحب کو یہ کون بتائے کہ محض قافیہ بنانے کی ضرورت کے لیے کسی لفظ کی صوتی حیثیت کو نہیں بدلا جا سکتا۔ زیادہ کہنے کی ہوس میں زبان کو بگاڑا نہیں جا سکتا۔ آپ کی نعت کے آٹھ اشعار اگر چھ تک محدود رہتے تو نعتیہ سرمائے کو اتنا بڑا خسارہ نہ ہوتا جتنا ان دو اشعار کی موجودگی سے ہوا ہے۔

(۷) ملتجی تیرے وسیلے کے ہیں روضہ پہ کھڑے
ہے دعا اللہ سے اور آنکھ ہے جالی کی طرف

(ریاض مجید)

اس شعر کے دوسرے مصرعے میں "دعا" کے ع اور الف دونوں تقطیع میں نہیں آتے۔ "ہے د اللہ سے اور آنکھ ہے جالی کی طرف" پڑھا جاتا ہے۔ (بحر کے ارکان ہیں فلا علاتن۔ فعلاتن۔ فعلاتن۔ فعلن)

اس طرح کے مصرعوں سے شاعر کا وقار مجروح ہوتا ہے۔

(۸) تیغ سے نہ پھیلایا دین کو شہہ دیں نے
چل گیا زمانے پر خلق کا فسوں لیکن

(راجا رشید محمود)

اس شعر کے پہلے مصرعے میں "کو" حشو ہے۔ دوسرے مصرعے میں "فسوں" معنوی کراہت پیدا کر رہا ہے۔ فسوں یا افسوں کے معنی ہیں جادو منتر، فریب اور دھوکا، جن کا حسن خلق سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ نور اللغات میں فسوں چل جانا کے معنی دام میں پھنس جانا، قابو میں آجانا لکھے ہیں۔ ان دونوں معانی میں شدید کراہیت موجود ہے۔ اس لیے اخلاق حسنہ کے لیے یہ کہنا کہ ع چل گیا زمانے پر خلق کا فسوں لیکن...... کوئی مستحسن بات نہیں ہے۔

(۹) رستم کی طرح طے کروں حرفوں کے ہفتخواں
میرے لیے جہاد ہے کار سخنوری (عبدالعزیز خالد)

رستم معرکہ قادسیہ ۱۴ ہجری مطابق ۶۳۵ء میں ایرانیوں کی طرف سے لڑتے ہوئے مارا گیا تھا۔ اس لیے اس کے ذکر سے "جہاد" کا معنوی تعلق ظاہر کرنا خطا ہے۔

(۱۰) مصور نے نہ جانے کتنی تصویریں بنا ڈالیں
سمجھ میں جب کہیں جا کر محمدؐ خوش نگار آئے

(حرا کا چاند ص ۱۷، محمد صابر کوثر)

یہ شعر قرآنی حقائق اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات کے خلاف ہے۔ سورۃ یس کی آیت ۸۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔" حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ نے تمام اشیاء سے پہلے اپنے نور سے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا" ۳۶

ظاہر ہوا کہ تصویریں بنا بنا کر سیکھنا اللہ کی شان کے خلاف ہے۔ وہ تو اپنے ارادہ کی تکمیل کے لیے صرف "کن" فرما دیتا ہے اور وہ شے ہو جاتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق حدیث جابرؓ کے مطابق سب سے اول تخلیق ہے لہٰذا تصویریں بنا بنا کر بگاڑنے کا تصور لغو ٹھہرتا ہے۔

(۱۱) تمہی ہو جان تمنا تمہی ہو روح یقین
ہے تیری ذات سہارا تمام امت کا
(عطا کی خوشبو ۳۷ عارف رضا)

اس شعر میں مکروہ ترین شتر گربہ ہے۔ (تمہی...... تری)۔ "جان تمنا" میں بھی ابتذال ہے۔

(۱۲) مرے آقاؐ میں ہوں بخشش کا طالب
نفس دن رات کرتا ہے ملامت
(ایضاً)

نفس (بفتح اول و دوم۔ یعنی ن اور ف پر زبر کے ساتھ) سانس کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ بفتح اول و سکون ثانی (یعنی ن پر زبر اور ف ساکن) جان، روح، ذات وجود اور ہستی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

پیغمبروں کے ساتھ ہے یوں نفس مصحفی جس طرح عابدوں میں گنہگار کی شبیہ عارف کے شعر میں نفس بفتح اول و سکون ثانی ہونا چاہئے تھا لیکن نفس بفتح اول و دوم (بمعنی سانس) استعمال ہو گیا جو غلط ہے۔ اس لیے کہ ملامت نفس لوامہ کرتا ہے نہ کہ سانس شاعر موصوف نے خود بھی ایک جگہ نفس کا درست استعمال کیا ہے۔

نگاہ ہے یا رسول اللہ نگاہ ہے!
کہ میرا نفس ہے میرے مقابل

(۱۳) لگی ہیں روضہ اطہر پہ آنکھیں
درود پاک جاری ہے دہن میں
ایضاً ص ۱۱۵

جاری ہونا رواں ہونا یا بہہ نکلنا ہوتا ہے۔ اس لیے اگر "دہن سے" ہوتا تو بات بن جاتی "دہن میں" جاری ہونا غلط ہے۔

(۱۴) خواب معنی کی عجب رنگ میں تعبیر ہوئی
ان کے کاندھوں پہ پڑا سبز دو شالہ دیکھا
(ایضاً ۵۲)

یہ شعر کسی طرح نعت کا شعر نہیں ہے۔ غزل کا ہو سکتا ہے۔

(۱۵) خود پہ کھلتا ہی نہ تھا تیری عطا سے پہلے
کھوج ملتا ہی نہ تھا تیری عطا سے پہلے

میری آنکھوں میں مقید تھا ہجوم گریہ!
اشک گرتا ہی نہ تھا تیری عطا سے پہلے
ایضاً"۵۷

درج بالا دونوں اشعار میں (کھلتا' ملتا' گرتا) قافیہ کونسا ہے؟

(۱۶)غبار خاطر ایام دھل ہی جائے گا
کبھی تو ہجر کا موسم بدل ہی جائے گا
ایضاً"۶۵

اس مطلع میں بھی قوافی درست نہیں ہیں۔ دھل کا قافیہ گھل یا گل تو ہو سکتا ہے بدل نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ شعر نعت کا شعر بھی نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ عطا کی خوشبو کو ایوارڈ ملا ہے۔

(۱۷)لب حافظ پہ یاد مصطفٰے ہے
فغاں نیم شب آہ سحر ہے
(نشید حضوری۔ حافظ لدھیانوی صہ ۹۱)

حافظ لدھیانوی کہنہ مشق شاعر ہیں لیکن اس شعر میں ان سے چوک ہو گئی۔ لب پر ذکر ہوتا ہے دل میں یاد ہوتی ہے۔ لیکن حافظ صاحب دل کا کام لب سے لینا چاہتے ہیں جو کہتے ہیں "لب حافظ پہ یاد مصطفٰے ہے"

(۱۸)سارے عالم کو ہے بس ایک سہارا تیرا
سارے عالم کے ہو غم خوار رسولؐ عربی
(ایضاً"۹۴)

پہلے مصرع میں ضمیر واحد حاضر (تیرا) ہے اور دوسرے مصرع میں "ہو غم خوار" (یعنی تم غم خوار ہو) جمع حاضر ہے۔ اس طرح شترگربہ ہو گیا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کی ذات والا صفات کے لیے واحد ضمائر (تو۔ تیرا۔ تیرے) استعمال کرنا سوئے ادب ہے۔ اس کے باوجود جہاں بہت ہی بڑی شعری ضرورت درپیش ہو وہاں ایسے ضمائر کو گوارا کیا جا سکتا ہے۔ درج بالا شعر میں "رسولؐ عربی" کی ردیف کے ساتھ ضمیر کو باسانی باادب بنایا جا سکتا تھا جس سے ایک طرف تو واحد ضمیر کی کراہت دور ہو جاتی اور دوسری طرف شترگربگی کے عیب سے بھی بچا جا سکتا تھا۔

سارے عالم کو ہے بس ایک سہارا انؐ کا
سارے عالم کے ہیں غم خوار رسولؐ عربی

آخر حافظ صاحب نے خود بھی تو اسی نعت میں یہ دو شعر کہے ہیں

کون سمجھے مری خاموش نگاہوں کی زباں
آپ ہیں محرم اسرار رسولؐ عربی

رحمت عالمیاں ہادی دیں ختم رسل
آپ نبیوں کے ہیں سردار رسولؐ عربی

(۱۹)زمین و آسماں بھی اپنے قابو میں نہیں رہتے
تڑپ کر جب محمدؐ کا قلندر رقص کرتا ہے
لگی ہے بھیڑ اس کے گرد یہ کیسی فرشتوں کی
یہ کس کا نام لے لے کر مظفر رقص کرتا ہے
کعبۂ عشق۔ مظفروارثی ۳۴

رقص و سرود اسلامی ثقافت کا حصہ نہیں ہیں۔ قلندریت کا تصور بھی اسلامی تصور نہیں ہے، یہ الگ بات کے تکوینی معاملات میں کچھ لوگ اس درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔ لیکن از روئے شرع شریف ان کی قلندریت تسلیم کرنا یا ان کا اتباع کرنا ضروری نہیں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپؐ کے جاں نثار پروانے تھے لیکن ان میں کوئی بھی قلندر نہیں تھا۔ ثابت ہوا قلندر کا اگر کوئی درجہ ہے تو وہ صحابیت سے بہت چھوٹا درجہ ہے جس کی تشریح قران و سنت میں ضروری نہیں سمجھی گئی۔ ایسی صورت میں یہ تو ممکن ہے کہ اتباع نبویؐ میں کامل خضوع و خشوع کے ساتھ عبادت کرنے سے کچھ اثرات مرتب ہو جائیں لیکن محض قلندر کے رقص کرنے سے زمین و آسمان بے قابو ہو جائیں یہ ممکن نہیں ہے۔ ہاں اگر خود قلندر کا رقص کی وجہ سے سر چکرانے لگ جائے تو وہ جو چاہے سمجھ لے۔ احادیث میں آیا ہے کہ جب لوگ اللہ کا ذکر کرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں تو ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ذکر کرنے والے لوگوں کو فرشتوں کو دیکھنے کا اتفاق کبھی نہیں ہوا اور اگر ہوا ہو تو انہوں نے اپنے مشاہدات دوسروں تک نہیں پہنچائے! پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لے لے کر کوئی غیر شرعی فعل کرے تو اس کے گرد فرشتے جمع بھی ہو جائیں اور وہ انہیں دیکھ بھی لے؟

کیا رقص اللہ کے ذکر سے زیادہ مؤثر شے ہے؟ نعت میں ایسی چیزوں کا ذکر کرنا بھی سوئے ادب ہے جن کو آقائے نامدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا ہو چہ جائیکہ خود حضور اکرمؐ کے نام پر رقص کو مقدس شئے بنا کر پیش کرنے کی سعی کرنا۔ اللہ کرے میری یہ دردمندانہ اپیل شاعر موصوف تک پہنچ جائے کہ ایسے تمام کلام کو اپنی کتابوں کی اگلی اشاعتوں سے حذف فرما دیجئے جس سے نعت کے وقار کو ٹھیس پہنچتی ہو اور حضورؐ کی بارگاہ میں ادب کے بجائے سوئے ادب کا احتمال ہو۔

(۲۰)اس طرف بھی ہو نگاہ متوازن آقاؐ
گرتے افلاک سنبھل جائیں سنبھالے سے تیرے
(ایضاً ص ۱۱۴)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر متوازن نگاہ کا تقاضا کرنا سوئے ادب ہے۔ حضورؐ اپنے کسی امتی پر تو کیا کسی دشمن پر بھی نگاہ غیر متوازن نہیں ڈالتے.......

تذکرہ غوثیہ میں ایسے بے شمار واقعات لکھے ہیں کہ کسی مجذوب، کسی ولی یا کسی قلندر کی نگاہ غلط انداز (یا غیر متوازن) کے پڑتے ہی کوئی جاں بحق ہو گیا۔ تو کیا نعوذ باللہ حضورؐ کی کبھی غیر متوازن نگاہ پڑ جاتی تو شاعر موصوف نگاہ متوازن ڈالنے کا تقاضا کرنے کے لیے زندہ ہی رہتے؟.... نعت نگاری ہوش کا کام ہے جوش کا نہیں۔

(۲۱) میرے نصیب مجھ سے کچھ ارشاد بھی ہوا
لیکن میں کچھ سمجھ نہ سکا اضطراب میں
ذکر خیرالانام۔ حنیف اسعدی ص ۸۰

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہو جانے سے طمانیت ملتی ہے اضطراب نہیں۔ ہجر البتہ باعث اضطراب ہی ہوتا ہے۔ ہاں اچانک دیدار سے استعجاب پیدا ہو سکتا ہے۔ حیرت طاری ہو جانا عین قرین قیاس ہے جیسے اصغر گونڈوی کہتے ہیں۔ میں کامیاب دید بھی محروم دید بھی جلووں کے ازدحام نے حیراں بنا دیا

(۲۲) مجھے بھی کاش وہ مدحت کا شوق دے جس نے
دیئے ہیں آپؐ کو اوصاف بے شمار حضورؐ
(ایضاً" ص ۱۰۴)

یہاں شوق مدحت مانگنے کا محل نہیں تھا۔ شوق تو موجود ہے۔ ہاں بقدر شوق مدحت کا حق ادا کرنے کی صلاحیت مانگی جا سکتی تھی۔

(۲۳) یہ مقام مجھ کو بھی ہو عطا مجھے اپنے قدموں میں دیں جگہ
کسی کج کلاہ غلام کا سر پر غرور مجھے بھی دیں
(ایضاً" ۵۴)

اردو کا دھوکا یا فریب عربی میں غرور کہلاتا ہے اور عربی کا غرور اردو میں تکبر کا ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔ تکبر کے بارے میں بڑی وعیدیں آتی ہیں کہ اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کسی کے دل میں ہو تو جنت میں نہ جائے گا۔ چنانچہ ایسی چیز کیوں طلب کی جائے؟ رہا یہ سوال کہ سچا مومن اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی دنیاوی طاقت سے مرعوب نہیں ہوتا.... تو کوئی مومن بربنائے غرور یا تکبر بے خوف نہیں ہوتا ہے بلکہ بربنائے "ایمان" ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسی ایمانی کیفیت طلب کرنا جو دنیا کی قوتوں سے بے نیاز کر دے، زیادہ مناسب ہے۔

اگلے اشعار پر تبصرہ کرنے سے قبل تھوڑی سی تفصیل کی ضرورت ہے اور تفصیل بھی میں اپنے قلم سے نہیں لکھنا چاہتا بلکہ ڈاکٹر عندلیب شادانی کی کتاب "دور حاضر اور اردو غزل گوئی" سے بطور اقتباس نقل کرنا چاہتا ہوں.... ملاحظہ ہو...... اقتباس

"معاد کا عقیدہ تو اکثر مذاہب میں پایا جاتا ہے لیکن قیامت کب آئے گی اس کی

تعیین کسی نے نہیں کی.... ہمارے شعراء خصوصاً" چوٹی کے غزل گو جس درجہ حساس واقع ہوئے ہیں وہ ظاہر ہے بھلا ان سے اس غیر معین حالت کی برداشت کہاں ممکن تھی اور وہ کب تک انتظار کر سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنی ایک خیالی دنیا بنائی اور اس دنیا میں پہنچنے کے لیے فرضی طور پر یا تو جلاد محبوب کی چھری سے ہلاک ہوئے یا پھر اس کے جور و ستم کے باعث ایڑیاں رگڑ رگڑ کے جان دیدی۔ پھر قیامت قائم کی۔ حشر و نشر کے سامان ہوئے۔ خدائی دربار سجایا اور داور محشر کے سامنے فریاد لے کر پہنچے۔ چونکہ یہ حضرات شاعر ہونے کی حیثیت سے گویا ایک ہی "امت" کے افراد ہیں۔ اسی لیے حشر میں سب کو تقریباً" ایک ہی قسم کے واقعات پیش آتے ہیں" ۳۷

یہ تو ہے وہ تبصرہ جو دنیاوی شاعر (Secular Poetry) کے مبالغہ آمیز یا جھوٹے کلام پر ڈاکٹر عندلیب شادانی نے کیا تھا۔ لیکن اگر مذہبی شاعری بھی اسی صورت حال سے دو چار ہو جائے تو اسے آپ کس درجے میں رکھیں گے؟ تو ملاحظہ ہوں درج ذیل اشعار

(۲۴) دفن کر کے جب مرے احباب آقا چل دیئے
آ کے جلوؤں سے لحد کو جگمگایا شکریہ

(۲۵) پیاس ابھی بڑھنے بھی پائی تھی نہ میری حشر میں
جام کوثر تم نے خود آ کر پلایا شکریہ

(۲۶) عیب محشر میں کھلا ہی چاہتے تھے میں نثار
ڈھک کے پردہ اپنے دامن کا' چھپایا شکریہ

(۲۷) سوئے دوزخ جب ملائک مجھ کو لیکر چل دیئے
میں ترے صدقے مجھے آ کر چھڑایا شکریہ

(۲۸) شکریہ کیونکر ادا ہو آپ کا یا مصطفیٰ
کہ پڑوسی خلد میں اپنا بنایا شکریہ

(از مغیلان مدینہ محمد الیاس عطار)

یہ کلام ایک ہی شاعر کا ہے' معیار شاعری پر تو کیا گفتگو کی جائے۔ لیکن اس شاعری کے مواد (Content) کو ملاحظہ فرمالیجئے۔ کیا کوئی آدمی اس شاعری کو مبنی بر صداقت قرار دے سکتا ہے۔؟؟؟......

یہ شاعری کائنات کے سب سے سچے انسان بلکہ وجہ تخلیق کائنات حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گئی ہے اور ہر شعر میں آپ کی ان عنایات کا شکریہ ادا کیا گیا ہے جن کی صرف توقع یا تمنا تو کی جا سکتی ہے لیکن دنیاوی زندگی میں ان عنایات کا ثمرہ پانے کے امکانات معدوم ہیں۔

مثالیں کہاں تک نقل کروں، بہت سی کتابوں کا تو حال یہ ہے کہ 'تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

چلتے چلتے ایک بات واضح کردوں کہ مجھے لوگوں کی غلطیاں پکڑنے اور ان کی اشاعت کے بعد لوگوں سے تعلقات خراب کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ جس طرح شاعری کی دوسری اصناف میں علمی نہج پر تنقید ہوتی ہے اسی طرح نعت پر بھی ہونے لگے تاکہ نعت گوئی اور نعت خوانی کی فضاؤں میں سنجیدہ مباحث کے لیے راہ ہموار ہو سکے اس کاوش سے آہستہ آہستہ اہل فکر و فن بھی نعت کی علمی آبیاری کی طرف مائل ہو سکیں گے۔ ہو سکتا ہے میری یہ کوشش کبھی کامیاب ہو جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میری آواز صدا بہ صحرا ثابت ہو۔

لیکن میں مطمئن ہوں کہ کم از کم حشر میں آقائے نامدار محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں یہ عرض کرنے کے قابل ہو سکوں گا کہ حضورؐ آپ سے منسوب صنف سخن کو سنوارنے میں میں نے بھی کچھ سعی کی تھی۔ ثنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی آبیاری بھی ثناء ہی کے ذیل میں آتی ہے۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ مجھے عرش ہاشمی کا یہ شعر پیش کرنے کی اجازت مل جائے۔

جو پوچھا رب نے عمل بھی ہے کوئی پاس ترے
کہوں گا ہاں ترے محبوبؐ کی ثناء کی تھی

اعتذار یا اعتراف

(۱) نعت رنگ کے پچھلے شمارے میں میرا مضمون "نعت نبیؐ میں زبان و بیان کی بے احتیاطیاں" پڑھ کر قمر بھائی (قمر جمیل صاحب) فرمانے لگے "ٹامک ٹوئیاں مارنا" تم نے بھی غلط لکھا ہے۔ ۳۸۔ اصل "ٹامک ٹوئیے مارنا ہے" چنانچہ میں نے اپنی غلطی تسلیم کر کے آئندہ محتاط رہنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

(۲) بھائی رشید وارثی نے نشاندہی فرمائی کہ میرے مذکورہ مضمون میں لکھا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانے سے قرآن کریم میں منع کیا گیا ہے۔ ۳۹۔ اصل میں یہ امتناع حدیث میں آیا ہے۔ آپ نے صحیح مسلم کے متعلقہ صفحے کی نقل بھی ارسال فرما دی۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص قسم کھائے وہ صرف خدا ہی کی کھائے۔ قریش اپنے باپوں کی قسمیں کھایا کرتے تھے حضورؐ نے فرمایا اپنے باپوں کی قسمیں نہ کھایا کرو۔ (ابن عمرؓ) ۴۰

مشکوٰۃ شریف میں بھی ایک حدیث میری نظر سے گزری ہے....

...."من حلف لغیر اللہ فقد اشرک"....

جس نے اللہ کے غیر کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔۴۱

یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ قرآن کریم غیر اللہ نہیں ہے۔ میں رشید وارثی صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اپنی اصلاح کا موقع فراہم کیا۔

کتابیات

۱۔ اردو میں نعتیہ شاعری "ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق۔ اکتوبر ۱۹۷۶ء اردو اکیڈمی سندھ۔ (قطب مشتری کے سال تصنیف کے لیے اس کتاب سے رجوع کیا)

۲۔ مقدمات عبدالحق' مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی صہ ۱۲۸

۳۔ شعرا لعجم جلد اول شبلی نعمانی۔ تاج بک ڈپو۔ لاہور۔ صہ ۴

۴۔ ایضاً" صہ ۵

5-WORDSWORTH POETRY & PROSE (1938) OXFORD P.154

CRITICAL APPROACHES TO LITERATURE BY DAVID DAICHES P.58

6-

7- Ibid...............P.64

8- Ibid..............P.158

9- Ibid..............P.159

10- Ibid.............P.159

۱۱۔ مجموعہ.... محمد حسن عسکری (۱۹۹۴) سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔ ۸۲۹

۱۲۔ ایضاً" ۲۲۸

۱۳۔ آرٹ تاریخ اور کروچے۔ قمر جمیل۔ اداریہ۔ دریافت۔ شمارہ ۳ جلد ۶ مئی ۱۹۹۵ء

۱۴۔ Wordsworth......P.158

۱۵۔ موازنہ انیس و دبیر۔ شبلی نعمانی ۳۰۔۳۱

۱۶۔ آرٹ تاریخ اور کروچے۔ قمر جمیل اداریہ دریافت۔

۱۷۔ مقدمہ کلیات مومن جلد اول (جولائی ۱۹۶۴) مجلس ترقی ادب۔ لاہور'

۱۸۔ مجموعہ۔ محمد حسن عسکری ۹۲۸

۱۹۔ ایضاً" صہ ۹۲۹

۲۰۔ نقد و نظر۔ حامد حسن قادری۔ (۱۹۸۶) اردو اکیڈمی سندھ کراچی۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲

۲۱۔ ایضاً" ۱۲۶۔۱۲۷

۲۲۔ ایضاً" ۱۳۳۔۱۳۴

۲۳۔ نقوش، خطوط نمبر جلد دوم ۳۴۱۔۳۴۳

۲۴۔ ارسطو سے ایلیٹ تک" ڈاکٹر جمیل جالبی (۱۹۸۵) نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۴۹۸

۲۵۔ حیات الشعراء" محمد نعیم الحق آزاد زاہدی صدیقی شیخپوری۔ (۱۹۶۹) ناشر بلدیہ میرپور خاص ۲۰۷

۲۶۔ "ارسطو سے ایلیٹ تک" ص ۲۶۵۔۲۸۹

۲۷۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "جدید اردو شاعری" عزیز حامد مدنی حصہ دوم انجمن ترقی اردو کراچی۔ ص ۱۳۹۔۱۴۳

۲۸۔ "نعت رنگ" سلسلہ نمبر۱ پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت علامہ قاری محمد طاہر رحیمی مدنی نے اپنے مکتوب گرامی میں نعت کو "عروس الفنون" قرار دیا۔ حضرت مدنی مدینہ منورہ میں مقیم ہیں۔

۲۹۔ مجموعہ محمد حسن عسکری ص ۴۱۲

۳۰۔ ایضاً ص ۴۱۳

۳۱۔ شعریات: "مسلک معقولیت" محب عارفی۔ ناشر تصدق احمد خاں، کراچی۔ ص ۵۳

۳۲۔ مقالات جلال پوری۔ سید علی عباس جلال پوری (۱۹۷۹) آئینہ ادب، لاہور ص ۶۰

۳۳۔ اصل شعر یوں ہے۔

جس کو دعویٰ ہے سخن کا یہ سنا دے اس کو
دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخن ور سہرا

(آب حیات۔ محمد حسین آزاد)

۳۴۔ "نعت رنگ" اقلیم نعت۔ (اپریل ۱۹۹۵ء) سلسلہ ۱۔ ص ۲۲۲

۳۵۔ ایضاً ص ۱۹۳

۳۶۔ شرح اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ احمد حسن قادری (اکتوبر ۱۹۹۱) بی ۶۲۲ بلاک ۱۳ فیڈرل بی ایریا کراچی

۳۷۔ "دور حاضر اور اردو غزل گوئی" عندلیب شادانی (فروری ۱۹۵۱ء) شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی۔

۳۸۔ "نعت رنگ" سلسلہ ۱۔ ص ۲۰۸

۳۹۔ ایضاً===ص ۲۱۷

۴۰۔ ترجمہ صحیح مسلم جلد دوئم (ایڈیشن ۱۹۸۱) کتب خانہ اشاعت اسلام (رجسٹرڈ) دہلی۔

۴۱۔ مشکوٰۃ شریف جلد دوم صفحہ ۱۳۱۔ مکتبہ رحمانیہ، لاہور (بحوالہ ترمذی شریف)

نوٹ: اس مضمون کی تیاری میں اپنے ذاتی کتب خانے کے علاوہ حضرت عبدالاحد فائق کے ذاتی کتب خانے، عزیزم صبیح رحمانی کے ذاتی کتب خانے اور حضرت حسان حمد و نعت بک بینک (جس کے سربراہ غوث میاں ہیں) کی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ میں ان تمام حضرات کا ممنون ہوں۔

بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ

گلبنِ نعت

(کسی خاتون کی جانب سے اردو کا پہلا نعتیہ مجموعہ)

پروفیسر سحر انصاری

پاکستان میں نعت گوئی کو روز بروز ترقی ہو رہی ہے۔ متعدد نعتیہ مجموعے اور رسائل و جرائد کے خصوصی شمارے اس ضمن میں شائع ہو چکے ہیں۔ خواتین کی نعت گوئی بھی ایک اہم موضوع کی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔ مختلف تذکروں سے چل کر بات "تذکرہ نعت گو شاعرات" تک پہنچی۔ اس کے مرتب ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری کو بلاشبہ اس باب میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔ خواتین کی نعت گوئی پر ایم اے کے تحقیقی مقالے بھی لکھے جا چکے ہیں۔ شاید عنقریب پی۔ ایچ۔ ڈی کا بھی کوئی مقالہ لکھا جائے۔ اس موقع پر راجا رشید محمود ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور کا تذکرہ بھی ضروری ہے جنھوں نے اپنے رسالے کا خصوصی شمارہ "خواتین کی نعت گوئی" کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ اس سلسلے میں راجا صاحب گوے سبقت لے گئے۔ اسی شمارے سے معلوم ہوا کہ ماشاء اللہ آپ کی بیگم صاحبہ (نسرین اختر) اور تین صاحبزادیاں (شہناز کوثر، شمیم اختر اور کوثر پروین) نعت گوئی پر مضامین تحریر کرتی رہی ہیں۔ یہ بلاشبہ بڑی سعادت ہے جو راجا صاحب کے حصے میں آئی ہے۔

اولیت کی بات نکلی تو یہ خیال آیا کہ اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ تو مہ لقا چندا بائی تھیں۔ نعت گو شاعرات میں یہ شرف کس کو حاصل ہوا۔ اس اعتبار سے چھان بین کی تو اندازہ ہوا کہ اب تک جو دواوین نعت دستیاب ہیں ان میں "گلبنِ نعت" ہی کو کسی خاتون کی جانب سے اردو کا پہلا نعتیہ مجموعہ کہا جا سکتا ہے۔ "اردو میں نعت گوئی" کے مصنف ڈاکٹر ریاض مجید کی بھی یہی رائے ہے۔ "گلبنِ نعت" کی شاعرہ زینت بی بی ہیں جن کا تخلص محجوب تھا۔

ماہنامہ "نعت" لاہور کے شمارہ خصوصی "خواتین کی نعت گوئی" کے ضمن میں محجوب کے ترجمہ اور بعض تسامحات پر ہونے والی بحث کا مطالعہ کر کے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ "گلبنِ نعت" کے کسی معتبر نسخے کو پیش نظر نہ رکھنے کی وجہ سے کئی غلط فہمیاں بار پا گئی ہیں۔ خوش قسمتی سے میرے ذاتی کتب خانے میں مطبع انوار محمدی کا شائع کردہ "گلبنِ نعت" کا نسخہ موجود ہے۔ اس کی روشنی میں ایک تعارفی مضمون پیش کر رہا ہوں۔ جہاں کہیں ممکن ہوا اس نسخے کی روشنی میں بعض غلط فہمیوں کے ازالے کی بھی کوشش کی جائے گی۔

"گلبنِ نعت" مطبع انوار محمدی کے سرورق پر یہ عبارت مرقوم ہے:

"تصنیف منیف عصمت پناہ عفت دستگاہ عاشق صادق رسول مقبول زینت بی بی

المتخلص بہ مجوب بنت مولانا مولوی محمد انور شاہ صاحب انور امرتسر ملازم سرکار رامپور۔"

بڑے سائز کے ۳۴ صفحات پر مشتمل "گلبن نعت" کے اس نسخے میں ایک مناجات، ۳۱ نعتیں، ۴ منقبتیں، ایک دعا و مدح برائے والی رامپور، دو قطعات مجوب کے شامل ہیں آخر میں مجوب کے والد سید محمد انور شاہ انور کا فارسی قطعہ تاریخ اور مفتی غلام سرور لاہوری کا اردو قطعہ تاریخ شایع ہوا ہے۔

"گلبن نعت" میں کلام سے قبل مجوب کا تحریر کردہ ایک نثر پارہ بھی ہے جو ایک صفحے پر مشتمل ہے اور اس کے آخر میں مجوب کا کہا ہوا قطعہ تاریخ بھی درج ہے۔

مجوب کے نثر پارے سے چند کوائف کا تعین ہو جاتا ہے۔

(۱) مجوب تیرہ سال کی عمر سے ایک مہلک مرض میں مبتلا تھیں۔

(۲) ابتدا ہی سے انہیں غزلیات و اشعار کا شوق تھا لیکن والد ماجد کے منع کرنے پر ان کی تشہیر سے گریزاں رہیں۔

(۳) اسی اثناء میں مجوب نے خواب میں حضرت سید الابرار علیہ الصلوۃ والسلام کو مع دیگر انبیائؑ سے نامدار مثل حضرت آدمؑ و حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ خواب میں دیکھا۔ جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے مجوب کچھ سنا۔

"ایک نعت رو رو کر سنائی۔ حضرت سرور کائنات صلعم نے محظوظ ہو کر مجھے پیار کیا۔ آنکھ کھلی۔ چہرہ اسی طرح آنسوؤں سے تر تھا۔"

(۴) اس کے بعد مجوب کو اسی روز سے نعت گوئی کا شوق دامن گیر ہوا۔ یہاں تک کہ پندرہ روز میں یہ کتاب گلبن نعت مرتب کی۔

مجوب نے کتاب کی تاریخ "تحفہ خرد" سے نکالی جس سے ۱۲۹۷ھ بر آمد ہوتا ہے۔ ان کے والد اور مفتی غلام سرور لاہوری کے قطعات کا سنہ بھی ۱۲۹۷ھ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ "گلبن نعت" کی تکمیل ۱۲۹۷ھ میں ہوئی۔ مطبع والوں نے سرورق پر "گلبن نعت" کے ساتھ ۱۳۰۲ھ درج کیا ہے۔ جس سے بعض محققین کو گمان ہوا کہ یہ تاریخی نام ہے۔ راجا رشید محمود ماہنامہ نعت لاہور جولائی ۱۹۹۵ء صفحہ ۳۲۲ پر لکھتے ہیں:

"یہ درست ہے کہ "گلبنِ نعت" تاریخی نام ہے اور اس سے ۱۳۰۲ھ سن نکلتا ہے۔"

راجا صاحب کا یہ ارشاد غلط ہے۔ اس لیے کہ گلبن نعت کے اعداد ۶۲۲ ہوتے ہیں نہ کہ ۱۳۰۲۔ حقیقت یہ ہے کہ گلبن نعت کا تاریخی نام "تحفہ خرد" ہے۔ جس سے ۱۲۹۷ھ بر آمد ہوتے ہیں۔ مجوب کا قطعہ یہ ہے۔

میں نے کی ہے شوق سے ایسی کتاب جانفریب
سنتے ہی جس کے آتا ہے زندہ دلوں کو وجد و حال

جب کہ مرتب ہوئی شہرہ ہوا ہے ہر طرف
خاص و عوام کہتے ہیں ہے یہ متاعِ بے زوال

صاف و نفیس چھپ چکی میری بھی لوحِ طبع پر
عقل نے تحفہ خرد درج کیا ہے بہرِ سال

"گلبن نعت" ہی کے مشمولات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سید محمد انور شاہ انور ریاست رامپور کے ملازم تھے لیکن مجوب کے ہمراہ امرتسر ہی میں مقیم تھے۔ رامپور میں یہ زمانہ نواب کلب علی خاں کا تھا۔ مجوب کہتی ہیں۔

جنابِ کلب علی خاں محیطِ بخشش و داد
ہو سر پہ اس کے سدا سایۂ شہہ بغداد
کہ ہیں وہ والی و ممدوح میرے والد کے
کہ جس کے فیض و کرم سے ہے اک جہاں آباد

مجوب کے نعتیہ اشعار میں امرتسر اور پنجاب کا تذکرہ یوں نظر آتا ہی۔

رسول اللہ کی عاشق ہوں امرتسر میں رہتی ہو
جہاں میں کون بندہ مجھ سا ناہموار ہے یارب

میرے حق میں تیری فرقت سے سراسر آج کل
شہر امرتسر ہے زنداں یا شفیع المذنبیں

کرم کر یا رسول اللہ بلا لے اب مدینے میں
تڑپتی ہوں کہ دل پنجاب سے بیزار ہے میرا

مجوب کے نعتوں میں عقیدت، احترام اور حضور سرور کائناتؐ کے در پر حاضری کی ویسی ہی تڑپ ہے جو عام طور پر نعتیہ اشعار میں ملتی ہے۔ تاہم کہیں کہیں وہ جذب و سرمستی میں ایسے مضامین بھی ادا کر جاتی ہیں جن میں حسیاتی پہلو بھی در آتے ہیں۔ جس طرح میرا بائی کے بھجنوں اور گیتوں میں کرشن بھگتی کا ایک حسیاتی رخ ہے اسی طرح مجوب کے نعتیہ اشعار میں بھی شیفتگی غیر روایتی انداز کی عکاسی کرتی ہے۔ اس زاویے سے بھی "گلبن نعت" کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

بہر حال اردو نعت گوئی میں زینت بی بی مجوب کے "گلبن نعت" کو کئی اعتبار سے منفرد حیثیت حاصل ہے اور اس کے تذکرے کے بغیر اردو میں نعت گوئی کا کوئی جائزہ مکمل نہیں ہو سکتا۔


إن الله وملائكته يصلون على النبي يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما

جدید نعتیہ ادب اور بارگاہ نبوت میں استمداد

استغاثہ و فریاد

شبیر احمد قادری ......

نعت نگاری کے مختلف اسالیب و انداز کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں ہر ہر اسلوب اور ہر ہر انداز خوبصورت اور بھلا لگتا ہے۔ نعت گو شعراء عشق رسول کے حقیقی تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر فنی لوازم کے ساتھ اپنی عقیدت اور نیازمندی ہی کا اظہار نہیں کرتے بلکہ دامن شعر و ادب بھی ان گہرہائے آبدار سے مالا مال کرتے چلے آئے ہیں۔ عربی اور فارسی کی نعتیہ شاعری میں بھی عقیدت و محبت کے مضامین بیان ہوئے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ استمداد و استغاثہ اور عرض حال کا پہلو بھی نمایاں رہا ہے۔ اردو شاعری کا آغاز ہوا تو نعت نگاری کا آغاز بھی اسی وقت ہو گیا تھا۔ قدیم صوفیا کرام کے ہاں نعتیہ عناصر ملتے ہیں۔ جنوبی ہند اور شمالی ہند کے اہم ادبی و شعری ادوار میں بھی کم و بیش ہر شاعر نے نعت لکھی اور دیگر پہلوؤں کے ساتھ ساتھ استمدادی رنگ بھی اختیار کیا۔ بقول ڈاکٹر ریاض مجید:

> "حضور اکرم سے استغاثہ اور استمداد اور آپ کے حضور فریاد اور مشکل کشائی و حاجات روائی کے لئے آپ کی بارگاہ رحمت میں سوال' آغاز نعت ہی سے نعت کے اجزائے ترکیبی میں شامل رہا ہے۔ ہر عہد ملک اور زبان کے شعراء نے رفع مشکلات' شفائے امراض' حصول مقصد اور مصائب و مسائل سے نجات حاصل کرنے کے لئے سید کونین کے حضور اپنی عرضداشت پیش کی ہے..."
>
> (اردو میں نعت گوئی صفحہ نمبر50)

ڈاکٹر تحسین فراقی نے اپنے مضمون "جدید اردو نعت گوئی ..... ایک جائزہ" میں قدیم اور جدید نعت کے موضوعات و اسالیب کے جو پانچ نمایاں فرق بیان کئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

> "عہد حاضر نے جو روحانی اور تہذیبی کرب جنم دیئے ہیں ان کی گونج بھی آج کی نعت میں سنائی دے رہی ہے بلکہ بعض صورتوں میں جدید نعت نے شہر آشوب کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ یوں قدیم نعت کے انفرادی کرب اور گداز کے مقابلے میں جدید نعت میں اجتماعی کرب اور گداز کا رنگ زیادہ نمایاں ہے..... گویا جدید نعت فرد سے لے کر ملت اسلامیہ کے اجتماعی مسائل سے پیدا ہونے والے گہرے کرب اور درد سے مرتب ہوئی ہے۔
>
> (بحوالہ "شام و سحر" نعت نمبر صفحہ نمبر106)

استمدادیہ انداز نعت گوئی انفرادی بھی ہو سکتا ہے اور اجتماعی بھی۔ جدید نعتیہ ادب میں یہ دونوں انداز ملتے ہیں۔

ذاتی دکھ درد، تکلیفوں اور امراض سے تنگ آکر بھی اہل قلم بحضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فریاد کناں ہوتے ہیں اور قومی اور ملی سانحات سے متاثر ہو کر بھی شعراء اپنے کرب کا اظہار کرتے اور حضور سے استمداد طلب ہوتے ہیں۔ اس تناظر میں ہم جب جدید نعتیہ ادب میں استغاثہ و فریاد کی جہت کا جائزہ لیتے ہیں تو جو آواز اپنے انتہائی کرب اور تڑپ کی بناء پر اپنی طرف متوجہ کرتی ہے وہ جدید اردو شاعری کے معمار اول مولانا الطاف حسین حالی کی آواز ہے۔

اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
جو دین کہ ہمدرد بنی نوع بشر تھا اب جنگ و جدل چار طرف اس میں بپا ہے
فریاد ہے اے کشتی امت کے نگہباں بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے
تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی ہاں ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہے

نظیر لدھیانوی نعت کا رشتہ 'اردو قومی شاعری سے مولانا حالی کی اسی نعت سے جوڑتے ہیں بقول ان کے:

"غالباً" اسی نعت سے متاثر ہو کر علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خان نے بھی نعتیہ نظموں میں قومی و سیاسی واقعات بیان کئے اور قومی شعراء نے سیاسیات کا مرکز حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو بنایا۔"

(بحوالہ اردو نعت گوئی 'ڈاکٹر ریاض مجید 425)

استغاثہ و فریاد کا رنگ اردو شاعری میں پہلے بھی موجود تھا۔ مگر 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد اس میں زیادہ شدت پیدا ہوئی اور شعراء کرام نے اپنی نعتیہ اور قومی و ملی نظموں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حضور امت مسلمہ کی تباہی و بے کسی کے حوالے سے استمداد طلب نگاہوں سے دیکھنا شروع کیا۔ اس لئے کہ حضور کی ذات والا صفات مسلمانوں کی امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز و محور قرار پاتی ہے۔

1857ء سے ایک سو سال پہلے اور ایک سو سال بعد کا زمانہ بطور خاص بڑا پر آشوب اور کرب آفریں زمانہ تھا۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے نتیجے میں مسلمانان ہند جس عذاب میں مبتلا ہوئے وہ تاریخ کا ایک روح فرسا باب ہے۔

مولانا حق خیر آبادی' مفتی سید احمد خان' مولانا رضی الدین بدایونی شہید' محمد اسماعیل منیر شکوہ آبادی' امیر مینائی' مولانا کفایت علی کافی' مولانا فضل احمد' امیر دہلوی..... وہ نمایاں بزرگ ہیں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ 1857ء کی جنگ آزادی میں قولاً" و عملاً" حصہ لیا بلکہ اپنی شاعری کے ذریعے بھی مسلمانوں میں جہاد کی نئی روح پھونکی اور آقا کے حضور اس صورت حال کے حوالے سے فریاد کناں بھی ہوئے۔

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی اپنے ایک مضمون تخلیق پاکستان اور ہماری نعتیہ شاعری میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

"سیاسی بالادستی کے دنوں میں سرور کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر زیادہ تر شمائل و فضائل تک محدود رہا لیکن دور زوال میں یہ ذکر استمداد و استغاثہ کی صورت میں سامنے آیا ہے اور مسلمان شاعر اپنے شاندار ماضی کو یاد کرتے ہوئے دور ابتلا میں ایک بار پھر سرور کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور التجائیں کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو دور ابتلا میں یہ "تعلق یقیناً" مستحکم تر ہوتا نظر آتا ہے۔"

(بحوالہ "نعت رنگ" کراچی صفحہ نمبر59)

یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ مدد اسی وقت چاہتا ہے جب وہ مبتلائے ابتلا ہو' بے چینی اور بے بسی اس کا مقدر ٹھہرے' شاعر جب بارگاہ سرور دارین صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض گزار ہوتا ہے تو اس کی غایت الغایات یہی ہوتی ہے کہ اس کے ذاتی دکھ، درد دور ہو جائیں۔ امت مسلمہ کی ظلمتیں اجالوں میں بدل جائیں' شب یلدا صبح روشن میں ڈھل جائے' استمداد طلب شاعر رنگ' خوشبو اور روشنی کا خواہاں ہوتا ہے۔ وہ حضور سے مدد کا طالب ہوتا ہے تو دراصل اللہ سے مانگ رہا ہوتا ہے۔ حضورؐ کی ذات کو وسیلہ بنا کر رب عطا سے مانگنے کا یہ قرینہ دراصل محبت کے ان قرینوں میں سے ہے کہ جس سے مانگنا مقصود ہو اسے اس کی محبوب ترین شے کا واسطہ دیا جائے اور اسے وسیلہ بنا کر مانگا جائے۔ چنانچہ حضورؐ کے حضور استغاثہ و فریاد کرنے والے استمداد یہ رنگ اختیار کرنے کے پیچھے یہی جذبہ خیر اور حسن نیت کار فرما ہوتا ہے۔ حضور امتیوں کی فریاد ضرور سنتے ہیں۔ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ اس کیفیت کو یوں دو ٹوک الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ۔

فریاد امتی جو کرے حالِ زار میں
ممکن نہیں کہ خیرِ بشر کو خبر نہ ہو

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں یوں بارگاہ حضور میں چارہ سازی کی درخواست کرتے ہیں۔۔

شہا بے کس' نوازی کن' میسا چارہ سازی کن
مریض درد عصیانم اغثنی یا رسول اللہ ﷺ

سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے
چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو

مانا کہ سخت مجرم و ناکارہ ہے رضاؔ
تیرا ہی تو ہے بندہ درگاہ لے خبر

حکیم الامت علامہ محمد اقبال معروف معنوں میں نعت گو شاعر نہ تھے مگر ان کی متعدد اردو اور فارسی نظموں میں بحضور رحمتہ للعالمین سید المرسلین ذاتی کرب اور امت محمدیہ کی زبوں حالی کا پر درد بیان ملتا ہے۔ جس میں چارہ سازی کے لئے التجا کی گئی ہے۔۔

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی' مرا ایماں ہے زناری

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
ہر چند ہے بے راحلہ و قافلہ و زاد
اس کوہ بیاباں سے حدی خوان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روح محمدؐ
آیاتِ الہی کا نگہبان کدھر جائے

مولانا ظفر علی خان کی نعتیہ شاعری کے جدید نعتیہ ادب پر اثرات بڑے گہرے اور انمٹ ہیں۔ ان کی کئی معروف نعتیں استغاثہ و فریاد کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ "فریاد بحضور سرور کونین" اور عرض حال بدرگاہ رب العزت بتوسط حضور خواجہ دوجہاں" اس سلسلے کی بہترین مثالیں ہیں۔ مولانا کی شاعری میں عصری کرب کے حوالے سے استمدادیہ انداز کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

جاگ اے یثرب کی میٹھی نیند کے ماتے کہ آج
لٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تری امت کا راج

سر چھپانے کو ٹھکانہ بھی انہیں ملتا نہیں
لے چکی ہے جن کی ہیبت ایک عالم سے خراج

جوش ملیح آبادی آزاد خیال شاعر تھے۔ ان کے ہاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور التجائیہ انداز ملاحظہ ہو:

تجھ پہ نثار جان و دل مڑ کے ذرا یہ دیکھ لے
دیکھ رہی ہے کس طرح ہم کو نگاہِ کافری

تیرے فقیر اور دیں کوچۂ کفر میں صدا؟
ترے غلام اور کریں اہلِ جفا کی چاکری؟!

ذاتی دکھ درد کا بیان اپنی ذات سے اجتماع تک سفر کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس طرح یہ اجتماعی دکھ جغرافیائی حدیں پار کرتا ہوا برصغیر سے باہر جہاں کہیں بھی کلمہ گو موجود ہیں ان کا دکھ درد بن جاتا ہے۔ ان کے مسائل و معاملات اور مصائب و آلام کا تذکرہ بھی جدید اردو نعتیہ شاعری میں بہت ملتا ہے۔ فلسطین' افریقہ' افغانستان' بوسنیا' چیچنیا'

کشمیر غرض ہر اندرونی اور بیرونی کرب کا بیان آج کی نعتیہ شاعری میں فنی حسن اور جذبہ اخوت کے تحت بالا خلاص ہوا ہے۔ جدید نعتیہ ادب میں استمداد کا یہ رنگ اس لئے بھی نمایاں ہوا ہے کہ اہل قلب و نظر سے جدید عہد میں روحانی اور اخلاقی قدروں کی پامالی دیکھی نہیں جاتی۔ انسانیت پر ظلم اور استبداد کے جو پہاڑ توڑے جارہے ہیں علی الخصوص حضور نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں کے ساتھ جو امتیازی سلوک روا رکھا جارہا ہے اس پر وہ تڑپ تڑپ اٹھتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول کے حضور فریاد کرتے ہیں' التجا کرتے ہیں' استغاثہ پیش کرتے ہیں' مدد مانگتے ہیں۔ حافظ لدھیانوی کی ایک طویل نعت (مشمولہ آہنگ ثناء) کے آخری اشعار اس عہد پر آشوب کے ذاتی اور اجتماعی دکھوں کا پر درد اظہار ہیں

کفار کے نرغے میں ہیں اسلام کے داعی — امت پہ ہو اک چشم عنایت مرے آقاؑ
تو اپنے غلاموں کے ہے احوال سے واقف — مل جائے سکوں کی انہیں نعمت مرے آقاؑ
ہیں تیری توجہ کے طلب گار مسلماں — ہے دیدنی کشمیر کی حالت مرے آقاؑ
بے چارے مسلماں پہ ہے اغیار کی یورش — دیکھی نہیں جاتی ہے یہ ذلت مرے آقاؑ
اشکوں سے سناتے ہیں غم جاں کی حکایت — طاری ہے ہر اک قلب پہ رقت مرے آقاؑ
مضبوط ہوں دل ان کے رہے عزم توانا — ہو ان کو عطا غیب سے نصرت مرے آقاؑ
اک حشر کا میدان ہے یہ خطہ کشمیر — ٹوٹی ہے کچھ اس طرح قیامت مرے آقاؑ
تھامے ہوئے مظلوم ہیں اسلام کا پرچم — پرچم کو ملے عظمت و شوکت مرے آقاؑ

ملی احساس کے زیر اثر ذاتی مسائل کو بیان کرنے کے علاوہ امت محمدی کے مسائل کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرنے کا رجحان بڑھ گیا ہے۔ جو اس دور کی نعتیہ شاعری کا بقول ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق وصف محمود ہے۔

(بحوالہ "نعت رنگ" کراچی صفحہ نمبر277)

اس تناظر میں جب ہم جدید شعراء کے استمدادیہ رنگ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں ایک طرح کا احساس ندامت بھی ملتا ہے اور مسائل و مصائب کے خارزاروں سے دامن چھڑا کر سکھ چین اور راحت کے گلزاروں میں لانے کی خواہش اور تمنا بھی پائی جاتی ہے۔ حفیظ تائب اس عہد کے بڑے مقبول اور محترم نعت گو ہیں۔ ان کے ہاں عالم اسلام کی تباہ حالی خاص طور پر افغانستان' کشمیر اور فلسطین میں اہل حق کو درپیش مصائب کا درد خیز اور کرب انگیز لہجے میں ملتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ استمدادیہ رنگ بھی:

آمادہ شر پھر ہیں ستم گر مرے آقاؑ — امت کی خبر لے مرے سرور مرے آقاؑ
افغانیوں پر کوہ الم ٹوٹ پڑا ہے — خونریز ہیں کہسار کے منظر مرے آقا
فریاد کناں ہیں در و دیوار فلسطیں — ہیں نوحہ بلب مسجد و منبر مرے آقاؑ

علاوہ دیگر موضوعات کے رنگ استمداد کی بدولت حفیظ تائب کی رائے میں

"نعت زندگی سے پوری طرح ہم آہنگ ہو کر عہد حاضر کا مقبول و محبوب موضوع سخن ٹھہری اور یوں ورفعنا لک ذکرک کی صداقت صبح روشن کی طرح سب پر واضح ہو گئی...."

("بہار نعت" مرتبہ حفیظ تائب صفحہ 9)

نعت کے فروغ میں وہ روحانی 'اخلاقی اور تمدنی آشوب ایک بڑا سبب ہے جس سے بقول حفیظ تائب:

"امت مسلمہ ہی نہیں پوری انسانیت کو سابقہ ہے۔ اس دور کے نعت گو ذاتی' جماعتی اور کائناتی دکھوں کا مداوا حضور علیہ السلام کی سیرت اطہر سے تلاش کرنے لگے اور آپ کے منشور حیات اور تعلیمات کو نعت میں سمونے کی نہایت عمدہ کوششیں ہونے لگیں۔"

("بہار نعت" مرتبہ حفیظ تائب صفحہ نمبر9)

انور مسعود نے ان اشعار میں اپنے استغاثہ و فریاد اور استمداد کو دائرہ مسلم سے نکال کر پوری انسانیت کے دکھوں اور تمدنی آشوب کو سمو لیا ہے جس کی طرف حفیظ تائب نے اشارہ بھی کیا ہے۔ یوں بھی حضور کا کرم کسی خاص قوم یا کسی ایک خطے کے لئے محدود نہیں بلکہ آپ تو محسن انسانیت اور رسول کائنات ہیں۔ سو انور مسعود نے اس پورے دور کے انسان کا المیہ بیان کیا ہے اور حضور سے یوں مدد چاہی ہے کہ:

اے سید سادات عنایت کی نظر ہو یہ عہد ہوس ڈوب چلا ظلمت شر میں
درپیش ہے بے سمت مسافت کی اذیت اس دور کا انسان ہے دانش کے بھنور میں

احمد ندیم قاسمی کی مشہور نعت کا مقطع رنگ استمداد لئے ہوئے ہے۔

ایک بار اور بھی یثرب سے فلسطین میں آ
راستہ دیکھتی ہے مسجد اقصیٰ تیرا

استمداد کا شعری انداز بالعموم خطابیہ ہوتا ہے۔ حضور کی ذات سے ایسا خطاب جس میں التجا کا رنگ غالب ہو۔ مظفر وارثی کی مشہور نعت "رحمت للعالمین" کے ان اشعار میں استمدادیہ رنگ ملاحظہ ہو۔

پھر گدڑیوں کو لعل دے
جاں پتھروں میں ڈال دے

حاوی ہوں مستقبل پہ ہم
ماضی سا ہم کو حال دے

دعویٰ ہے تیری چاہ کا

اس امت گمراہ کا
تیرے سوا کوئی نہیں
یا رحمت للعالمین

"تھام لیجیے حضور" کے عنوان سے نعیم صدیقی کی آزاد نظم کی چند سطریں ملاحظہ ہوں۔ اس نعتیہ نظم میں بقول ڈاکٹر تحسین فراقی، نعیم صدیقی نے عہد حاضر کے تمام آشوب اور فکر و نظر کے فساد کو بڑے دردناک پیرائے میں ذکر کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد چاہی ہے۔"

(بحوالہ "ماہنامہ شام و سحر" لاہور نعت نمبر صفحہ نمبر 121)

حضور میرے حضور
میں وہ کہ آپ کے سرچشمہ محبت سے
مقام شرم کہ اب تک رہا ہوں دور ہی دور
میں تشنگی کا شکار
کئی سراب تھے جن کی طرف لپکتا رہا
یونہی بھٹکتا رہا
مرے ضمیر میں رستے ہوئے کئی ناسور
ہوس کے دیر کا میں اک مہاجر بے کس
بہت سی صدیوں کا صحرا کیا ہے میں نے عبور
لہولہان قدم' تن کا انگ انگ ہے چور
مجھے بدست کرم بڑھ کے تھام لیجئے حضور!

میں واں سے آیا ہوں ہر گام ٹھوکریں کھا کر
جہاں پہ چاروں طرف
پڑے ہیں عظمت انساں کے نقش چکنا چور
محبتوں کے چھلاوے مروتوں کے فریب
ہر آدمی ہے حقیقت میں آدمی سے نفور
شکار ظلم تمدن ہیں مرد و زن کے ہجوم
نیا جہاں' نئے مزدور ہیں نئے فغفور
کسی کے ہاتھ میں مال و منال کے ترکش
ہے تیغ جاہ سے خوں ریز کوئی مست غرور

فراعنہ کی خدائی کا طنطنہ قائم
نہ واں کوئی ید بیضا' نہ کوئی شعلہ طور
مجھے بدست کرم بڑھ کر تھام لیجئے حضور!

نعتوں میں وہ شعر عوام و خواص کی خصوصی توجہ کا مرکز رہے ہیں جس میں آقاؐ کے حضور التجا کی گئی ہو اور حضور سے درماں طلبی کا بیان ملتا ہو۔ تو اس کا بڑا سبب یہی ہے کہ ہر شخص خود کو عصری آشوب کا شکار پاتا ہے اور حضور سرور کائناتؐ کی ذات بابرکات سے وہ توقع نہیں بلکہ یقین رکھتا ہے کہ اسے اس کرب سے نجات دلائیں گے' اس کی فریاد سنیں گے اور اس کے دکھوں کا مداوا کریں گے' تیرگی کی جگہ روشنی اس کا مقدر ٹھہرے گی۔

چھائی تیرگی یا نبیؐ یا نبیؐ ! روشنی روشنی یا نبیؐ یا نبیؐ !
ہر افق سے اندھیرے ابلنے لگے کیا کرے آدمی یا نبیؐ یا نبیؐ
اور بے چارہ جعفر پکارے کہے یا نبیؐ یا نبیؐ یا نبیؐ یا نبیؐ !
-----جعفر بلوچ

نفاق ملت بیضا سے زخم زخم ہے جاں عدوئے دیں کی نگاہیں ہیں آج سوئے حرم
مرے حضور! زمانہ ہمارا دشمن ہے مرے حضور' نگاہ کرم' نگاہ کرم
----عابد نظامی

کچھ دھوپ ہے کچھ جبس کا صحرا مرے آقاؐ
ایسے میں ہوا کا کوئی جھونکا مرے آقاؐ
-----سلیم کوثر

میں نواح شب میں بھٹک گیا نئے سورجوں کی تلاش میں
کوئی روشنی کہ بدل سکے مری شب کا حال مرے نبیؐ
------صبیح رحمانی

شہ دوسرا! نگہ کرم مجھے پھر ستانے لگے الم
مجھے پھر ڈرانے لگا ہے اب نئی مشکلات کا سلسلہ
-----عزیز احسن

بصارتوں کو بصیرتوں کی کمک عطا کر کہ میرے آقاؐ
ہم ایک اندھے کنوئیں کی جانب بڑی ہی تیزی سے چل رہے ہیں

ہمیں بھی کوئی کرم کا لمحہ صبا کی صورت ملے کہ اب تو
دلوں کے موسم اجاڑ خوابوں کے زرد سانچوں میں ڈھل رہے ہیں
----محمد فیروز شاہ

ڈاکٹر ریاض مجید کی نعت نگاری جدید نعتیہ ادب میں موضوعات و اسلوبیات کے حوالے سے ایک خوشگوار اضافہ ہے۔ صوفی محمد افضل فقیر کے بقول "مضامین نعت کی لامتناہی شان کو ریاض مجید نے وجدانی طور پر نہایت قریب سے دیکھا ہے اور جدید نسل کے دل و دماغ کو ان سواطع الہام سے قریب تر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔(تقدیم۔ الھم صل علی محمدؐ صفحہ 11) ریاض مجید کے نعتیہ مجموعہ "اللھم صل علی محمدؐ کی بیشتر نعتوں میں ذاتی و ملی شکستگی اور پسماندگی کا بیان ملتا ہے اس تمنا کے ساتھ کہ:

گھر کیسا ہے یہ جس کی بنیاد بھنور پر ہے
ہو خاص کرم آقاؐ! خطرات ہیں ہر جانب
اے نور! نظر سب کی آغاز سحر پر ہے
اس قافلے کے رہبر و ظلمات گزیدہ ہیں
وہ ان دنوں ہستی کے دشوار سفر پر ہے
کر رحم ریاض اپنے پر اے شہ انس و جاں

ع۔ س مسلم حمد و نعت کی بہت سی کتابوں کے خوبصورت شاعر ہیں۔ "زمزمۂ درود" میں شامل چند شعر ملاحظہ ہوں۔

تہی دستی کا یہ عالم ہے، قیامت کا سماں ہے
مرے خاموش لب صامت فغاں ہیں مستغیث
دل آشفتہ میں آشوب محشر ہے بپا
مری وحشت مرے حرف زباں ہیں مستغیث
بجز چارہ گری آقاؐ نہیں راہ نجات
صدائے بے کساں سوز نہاں ہیں مستغیث
جلاتے ہیں شراروں کی طرح عصیاں کے داغ
نقوش پا سے اشک کہکشاں ہیں مستغیث
عطا ہو اب تو بخشائش کی مسلم کو نوید
غم و اندیشہ قلب تپاں ہیں مستغیث

چند اور شعراء کا رنگ استمداد ملاحظہ ہو:

برق و صرصر کی دہشت انگیزی
ہے گریزاں گلوں سے باد مراد
اے رسول کریمؐ شاہِ زمن
اب توجہ کا منتظر ہے چمن
----عبدالکریم کوثر

آپ حرف شفاعت کی خیرات دیں
میری ساری متاع ہنر آپ کی
آج پھر کوہِ رحمت پہ خطبہ کوئی
آج امت ہے پھر دربدر آپ کی
------محسن نقوی

قصر ملت پہ عجب ضرب لگی ہے مولا
کوئی پہلو بھی نہیں اس سے سلامت آقاؐ
بھائی سے بھائی جدا، خون سے ہے خون الگ
چشم مسلم میں نہیں آج مودت آقاؐ
سیل آفات و بلیات سروں سے گزرا
اپنی کیا کیا نہ ہوئی خواری و ذلت آقاؐ
استغاثہ مرا دربار عطا میں ہو قبول
ازرہ بندہ نوازی ہو عنایت آقاؐ
کیجے سبطین کریمین کے صدقے میں کرم
کب سے منجدھار میں ہے کشتیٔ امت آقاؐ

------محمد سبطین شاہجہانی

زوالِ حضرتِ انساں ہے آیئے اب تو
سوالِ عظمتِ یزداں ہے آیئے اب تو
جہانِ کفر کی طاقت کے خوف سے لرزاں
ثباتِ عزمِ مسلماں ہے آیئے اب تو

-----سید قمر زیدی

فریاد ہے فریاد یہ سلطانِ عرب ہے
پامال خزاں، حسنِ گلستانِ عرب ہے
جز آپ کے امت کی کسے لاج ہے آقاؐ
جز آپ کے کون آج نگہبانِ عرب ہے
ہے خاصۂ خاصانِ رسلؐ وقتِ کرم آج
پھیلائے ہیں ہاتھ اپنے عرب اور عجم آج

-------خلیق قریشی

ادھر برق تپاں ہے اور ادھر صیاد کا در ہے
کرم کی اک نظر اے شاہِ دیں میرے گلستاں پر

-------گل بخشالوی

شب تاریک سے بڑھ کر ہے سیاہی دل کی
اس طرف بھی کبھی فرما رخ انور شاہا
دولت دنیا کا سودا ہے زیاں کا سودا
میرا نقصان نہ ہو بال برابر شاہا

--------کوثر علی

شعراء کے ساتھ ساتھ شعراح کی نعتوں میں بھی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتجی و ملتمس ہونے کا انداز جدید نعتیہ ادب میں استمدادیہ نعت گوئی کا بڑا روشن پہلو ہے۔ شاعرات نے بھی استغاثہ و فریاد کرتے ہوئے اور استمداد طلبی کا جواز بالعموم انہی موضوعات کو بنایا ہے جو مرد شعراء کے ہاں ملتے ہیں۔ جب مسائل ایک سے ہوں تو وہ مرد و زن کی تخصیص و تفریق کے بغیر انسان کی شخصیت اور کردار و عمل پر اثر انداز بھی کم و بیش ایک ہی طرح سے ہوتے ہیں:

اسلام کی کشتی کو بچالو میرے آقاؑ　　اب ڈوب رہی ہے یہ سنبھالو میرے آقاؑ

------رحمت بی بی بنگلوری

بطحا کی وادیوں میں فاراں کی چوٹیوں سے　　پھر راستہ دکھا دے نورالھدیٰ محمدؐ

اب رحم کر خدایا امت کے عاصیوں پر　　پستی میں ہم پڑے ہیں صدرالعلی محمدؐ

مثل نسیم گلشن ہر سو بھٹک رہے ہیں　　کوئی نہیں سہارا تیرے سوا محمدؐ

پھیلا کے اپنا دامن در پر تیرے کھڑی ہوں　　بخشش کا ہے سہارا تیری رضا محمدؐ

------وحیدہ نسیم

مسلمانوں کو تو حضور نبی رحمت کی ذات ستودہ صفات سے عشق ہے ہی۔ غیر مسلم شعراء کے ہاں بھی نعت نگاری کا عمل حضور کی سیرت و تعلیمات کے ہمہ گیر اثرات کا پتہ دیتا ہے۔ غیر مسلموں کی نعت نگاری کے اولین نمونے حضور ہی کے دور عرب میں شعراء کے ہاں مل جاتے ہیں مگر بقول ڈاکٹر ریاض مجید:

"اردو میں غیر مسلم شاعروں کی نعت کا جو میلان نظر آتا ہے اس کی مثال عربی و فارسی میں نظر نہیں آتی۔"

(بحوالہ "اردو نعت گوئی" 574)

غیر مسلم شعراء کے ہاں نعتیہ مضامین اکثر و بیشتر شمائل و فضائل مصطفےؐ تک ہی محدود ہیں مگر بعض کے ہاں حضور سے استمداد کا رنگ بھی ملتا ہے۔ یہاں مثال کے طور پر صرف ایک ہندو شاعر ماسٹر مہادیو پرساد سامی کا تذکرہ کرنا چاہوں گا جنہوں نے اپنے نعتیہ کلام میں بقول ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری:

"اسلام کی عالمگیر حیثیت اور اسلام و مسلمانوں کی ملکی سطوت و جبروت پر روشنی ڈالی ہے اور عصری احوال و کوائف کا جائزہ لیتے ہوئے سرزمین ہند کی زبانی منبع نعت سے التجا کرتے ہوئے کہا ہے:

رو برو حضرت کے میں عاجز ہوں قیل و قال سے

قوم کس ادبار کو پہنچی ہے کس اقبال سے

ملت اسلام کی الٹی ہوئی تقدیر ہے

آپ کی امت کی یہ پردیس میں توقیر ہے

(بحوالہ مجلہ نعت حضرت حسان بک بینک کراچی 1994ء صفحہ 13)

استمدادیہ رنگ کی شاعری میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ ذاتی دکھوں کے بیان کے ساتھ ساتھ ملت اسلامیہ اور اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر پوری انسانیت کے دکھوں اور مصائب کا بیان اس بات سے مشروط و مربوط ملتا ہے کہ حضور سرور کائنات محسن انسانیت سے ان مسائل کے حل اور مشکلات کے خاتمے کے لئے مدد چاہی گئی ہے۔ استغاثہ و فریاد اور استمدادیہ رنگ جدید نعتیہ ادب کا رنگ خاص ہے۔ اس سے نعت کے مضامین کے ساتھ ساتھ اسلوبیاتی سطح پر بھی کئی اضافے ہوئے ہیں اور صنف نعت کا دائرہ اور بھی وسیع ہو گیا ہے۔

کتب، مقالات اور رسائل

☆ رفیع الدین اشفاق، سید، ڈاکٹر "اردو کی نعتیہ شاعری" اردو اکیڈمی سندھ کراچی اکتوبر 1976ء۔

☆ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر "اردو کی نعتیہ شاعری" آئینہ ادب چوک انارکلی لاہور 1974ء۔

☆ ادیب رائے پوری "مدارج النعت" بلاک ایچ شمالی ناظم آباد کراچی 1986ء۔

☆ ریاض مجید، ڈاکٹر "اردو نعت گوئی" اقبال اکادمی پاکستان لاہور طبع اول 1990ء۔

☆ گوہر ملسیانی "عصر حاضر کے نعت گو" صادق آباد 1983ء۔

☆ اکرم رضا، پروفیسر "کاروان نعت کے حدی خوان" گوجرانوالہ 1989ء۔

☆ حفیظ تائب "بہار نعت" (مرتبہ) پاکستان رائٹرز گلڈ لاہور بار اول مئی 1990ء۔

☆ رشید محمود، راجا "اقبال اور احمد رضا" انجمن خدام رضا لاہور اشاعت اول دسمبر 1977ء۔

☆ بشیر احمد قادری "مولانا احمد رضا خان بریلوی کی نعت گوئی" مقالہ ایم اے اردو قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لا

☆ ابو سلمان شاہجہان پوری، ڈاکٹر "تذکرہ نعت گو شاعرات" ادارہ تصنیف و تحقیق کراچی 1984ء۔

☆ ماہنامہ "شام و سحر" لاہور نعت نمبر جنوری فروری ۱۹۸۲ء۔

☆ ماہنامہ "نقوش" لاہور رسول نمبر دسویں جلد 1984ء۔

☆ "الہام" بہاولپور نعت نمبر بہاولپور۔

☆ "مہک" (میگزین) نذرانۂ عقیدت بحضور سرور کونین گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ 1980ء۔

☆ ماہنامہ "محفل" لاہور خیر البشر نمبر مارچ 1989ء۔

☆ ترجمان اہلسنت "کراچی" جنگ آزادی 1857ء نمبر کراچی۔

☆ "اوج" (میگزین) نعت نمبر گورنمنٹ کالج شاہدرہ۔ لاہور 93-1992ء۔

☆ "نعت رنگ" اقلیم نعت ای 25 ٹی اینڈ ٹی فلیٹ فیز 5 شادمان ٹاؤن نمبر 2 شمالی کراچی۔

عصر حاضر میں نعت نگاری

شفیق الدین شارق

ایک حدیث کے مطابق زمانے کو برا مت کہو کیونکہ خدا خود زمانہ ہے۔ زمانہ وقت ہے اور وقت ایک تسلسل ہے جس کی ابتدا کی کسی کو خبر ہے نہ انتہا معلوم ہے۔ اس حدیث میں ایک استعارہ ہے جس میں ایک ایسی خدائی صفت بیان کی گئی ہے جس میں کوئی اس کا شریک نہیں یعنی وقت۔ جب کوئی اور کچھ نہ تھا تو خدا تھا اور جب کچھ نہ ہوگا تو خدا ہوگا۔ وہ قدیم و قائم ہے اور حی و قیوم ہے۔ اس کو کسی نے نہیں دیکھا صرف اس کی تخلیقات اور اس کے مظاہر سے پہچانا ہے۔ کائنات کے بارے میں ہماری زمین بھی جس کا حصہ ہے' سائنسی انکشافات نے جو معلومات فراہم کی ہیں وہی ہماری عقل کو حیران کردینے اور خدا پر ایمان لے آنے کے لئے کافی ہیں۔ تاہم اتمام حجت کے لیے خدا نے نہ صرف پہلے بشر کو نبی بنایا بلکہ بنی آدم میں ہزاروں نبی بنا کر اس دنیا میں بھیجے تاکہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ راست دکھائے۔ نبوت و رسالت کا اختتام نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر ہوا۔ جن لوگوں نے آپؐ کی جامع الصفات شخصیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جانا وہ آپؐ پر دل و جان سے ایمان لائے اور اس درجہ کا ایمان کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کو اس ایمان سے نہ ہٹا سکتی تھی۔ پہلے آپؐ کی سیرت اور آپؐ کے کردار کی تصدیق اسی معاشرے کے لوگوں نے کی جس میں آپؐ نے اپنی عمر کے ابتدائی سال بسر کیے تھے۔ پھر خدا نے آپؐ کی نبوت و رسالت کی گواہی کے لیے ایک عظیم الشان معجزہ آپؐ پر نازل کیا جو آج بھی ہمارے درمیان جوں کا توں ہے اور جس کو ہم قرآن مجید کہتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں۔

"دنیا نے جو کچھ چھٹی صدی عیسوی کے ایک ظہور دعوت کی نسبت سنا ہے وہ سب کچھ بھلا دے اور صرف قرآن ہی دنیا میں باقی رہے جب بھی آنحضرتؐ کی شخصیت مقدسہ اور آپؐ کی سیرت و حیات کے براہین و شواہد مٹ نہیں سکتے۔ صرف قرآن ہی اس لئے بس کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ دنیا کو بتلا دے کہ اس کا لانے والا کون تھا؟ قوم و مرزبوم کا کیا حال تھا؟ اس نے کیسی زندگی بسر کی؟ اس نے دنیا کے ساتھ کیا کیا اور دنیا کے ساتھ اس نے کیا کیا؟ اس کی باہر کی زندگی کیسی تھی اور گھر کی معاشرت کا کیا حال تھا؟ اس کے دن کیسے بسر ہوئے تھے اور راتیں کن کاموں میں کٹتی تھیں؟ اس نے کتنی عمر پائی؟ کون کون سے اہم واقعات و حوادث پیش آئے؟ پھر جب دنیا سے جانے کا وقت آیا تو دنیا اور دنیا والوں کو کس عالم میں چھوڑ گیا؟ اس نے جب دنیا پر پہلی نظر ڈالی تو دنیا کا کیا حال تھا؟ اور جب واپسیں نظر وداع ڈالی تو وہ کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی تھی؟ غرض ایک وجود' مقاصد وجود اور اعلام عظمت و صداقت کے لیے اس کے وقائع میں سے جن جن باتوں کی ضرورت ہو سکتی ہے وہ سب کچھ صرف قرآن ہی کی زبانی دنیا معلوم کرسکتی ہے۔ اور اس بارے میں بھی قرآن اپنے سے باہر کا ابداً محتاج نہیں اور یہ سب کچھ از قبیل اشارات و رموزات نہیں جیسا کہ ارباب نکات و وقائع کا طریق استنباط اشارۃ النص سے کہیں زیادہ واضح و ظاہر۔ اور اگر رموز واشارات و تلمیحات کا طریق اختیار کیا جائے تو پھر خاص خاص آیتوں کو چھانٹنے کی کیا ضرورت ہے؟ پورے قرآن

میں بجز اس ایک ذکر کے اور کوئی ذکر ہی نہیں!"

مولانا ابوالکلام آزاد نے یہ جو کچھ لکھا ہے' اپنے وسیع تر معنوں میں بالکل درست ہے۔ اس سے بہت پہلے یعنی تقریباً" ساڑھے تیرہ سو سال پہلے ام المومنین حضرت عائشہؓ نے بھی قرآن کو سیرت نبیؐ ہی قرار دیا تھا۔ ام المومنینؓ کے مختصر قول کی مولانا آزاد نے قدرے وضاحت کردی ہے۔ اگر ہم مزید تفصیل میں جائیں تو کہہ سکتے ہیں کہ سیرت رسولؐ حمد خدا ہی کا ایک حصہ ہے۔ تعریف اس خدا کی جس نے انھیںؐ بنایا۔ رسالت توحید کی شہادت دیتی ہے اور اس کا پیغام اہل زمانہ تک پہنچاتی ہے۔ یہ زمانہ وقت کا کوئی مخصوص حصہ نہیں ہے بلکہ آپؐ کی بعثت سے پہلے سے لے کر قیامت کے بعد تک کے لیے ہے۔ آپؐ سے پہلے آنے والے انبیاء ورسلؑ نے آپؐ کی آمد کے لیے دعائیں مانگیں اور آپؐ کی آمد کی بشارتیں اپنی اپنی امتوں کو سنائیں۔ دعائے خلیلؑ سے لے کر نوید مسیحا تک۔ آریہ قوم کی مقدس کتابوں نے بھی آپؐ کی آمد کی خبر دی۔ قرآن نے پچھلی الہامی کتابوں کی تصدیق کی۔ محمدؐ آپؐ کا نام رکھا گیا۔

"محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔" (فتح۔ ۲۹)

"اور محمدؐ تو ایک رسول ہیں۔" (آل عمران۔ ۱۴۳)

"محمدؐ باپ نہیں کسی کے تمہارے مردوں میں لیکن رسول ہیں اللہ کے اور مہر (یعنی نبوت کو ختم کردینے والے) سب نبیوں پر۔" (احزاب۔ ۴۰)

"اور جو یقین لائے اور کیے بھلے کام اور مانا جو اترا محمدؐ پر اور وہی ہے سچا دین ان کے رب کی طرف سے۔ ان سے اتاریں ان کی برائیاں اور سنوار ان کا حال۔" (محمدؐ۔ ۲)

محمدؐ حمد سے مشتق ہے اور حمد کے معنی ہیں بہترین تعریف۔ حمد کا لفظ خدا کے لیے مخصوص ہے اور یہ لفظ اور کسی کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ قرآن کی پہلی سورت الحمد شروع ہی حمد سے ہوتی ہے۔ الحمدللہ رب اللعالمین۔ محمدؐ کے معنی ہیں بہت ہی تعریف کے لائق۔ سو اللہ تعالیٰ کی ذات واحد ولاشریک کے بعد بہت ہی تعریف کے لائق جس کی شخصیت ہے وہ محمد مصطفیٰؐ کی ذات ہے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ اپنی ایک نعت میں کہتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے اپنے نام میں سے ایک حصہ آپؐ کو عطا فرمایا۔ عرش عظیم کا مالک محمود یعنی لائق حمد ہے اور یہ نبی محمدؐ ہے یعنی بہت تعریف کیا گیا۔"

اب یہ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی کہ آپؐ کی نعت سب سے پہلے تو کلام الٰہی میں پائی جاتی ہے اور کلام الٰہی تمام زبانوں پر محیط ہے۔ سیرت رسولؐ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کا ذکر قرآن میں موجود نہ ہو۔ مدحت رسولؐ کا کوئی رخ ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے الوہی لہجہ میں وحی نہ کیا ہو۔ مدحت رسولؐ کسی انداز میں ہو اور سیرت رسولؐ کا کوئی پہلو ہو یہ سب کے سب نعت ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے نعت کے موضوع کو نہایت خوبی سے یوں سمیٹا ہے۔

"بظاہر نعت کے موضوع کا تعین بہت آسان نظر آتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ نعت حضور اکرمؐ کی مدح

ہی کا نام ہے لیکن اگر عربی فارسی اور اردو میں موجود نعتیہ کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس موضوع کی عظمت اور وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جب عربی میں باقاعدہ نعت نگاری شروع ہوئی تو کفار مکہ اور گستاخی رسولؐ کے جواب میں مسلمان شاعروں نے موثر طور پر حضور اکرمؐ کا دفاع کیا۔ نعت اسی لسانی جہاد کی پیداوار ہے۔ دربار رسالتؐ کے شاعروں نے کفار کے رد میں حضور اکرمؐ کے حسب نسب اور کردار و صفات کی توصیف و ستائش میں جو مدحیہ منظومات لکھیں انھیں عربی نعت کے اولین نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپؐ کی سیرت مبارکہ کی صفت و ثنا' جمال ظاہری' شجاعت' دیانت' امانت' صداقت' عدالت' باطنی حسن کی تعریف' حضورؐ کے خلق و ہدایت کا بیان۔ آپؐ کے آباؤ اجداد اور اصحابؓ و آلؓ کی مدح' دوسرے پیغمبروں کے مقابلے میں آپؐ کی فضیلت کا بیان اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی عقائد اور اسلامی تحریک کا تذکرہ اور تبلیغ اسلام میں حضور اکرمؐ کی مساعی جمیلہ کا ذکر ملتا ہے۔ بعد کی نعتیہ شاعری میں شاعر کے اپنے احساسات بھی نعت کے مضامین میں شامل ہونے لگے۔ اب نعتوں میں مدینے سے دوری کا احساس' ہوا کے ذریعے روضہ رسولؐ تک پیغام رسانی درپیش مصائب میں آپؐ سے فریاد اور دادرسی کی خواہش یعنی استغاثہ و استمداد کے مضامین بھی نعت میں داخل ہوگئے۔ ملت اسلامیہ کے اجتماعی مسائل بھی نعت میں قلمبند ہونے لگے اور یوں نعت کا دائرہ مدح سے پھیل کر مسلمانوں کے قومی و ملی محسوسات کو محیط ہو گیا۔"

یہ سب وقت کا تسلسل ہی تھا' ہے اور ہوگا۔ حقیقت میں شاعر کے اپنے محسوسات شروع ہی سے نعت میں شامل رہے ہیں۔ حضرت ابو طالب کہتے ہیں۔ "تو نے مجھے دعوت دی۔ تیرا خیال ہے کہ تو میرا خیر خواہ ہے۔ تو نے سچ کہا۔ اور پھر تو تو ایک امانت دار رہ چکا ہے۔ تو نے وہ دین پیش کیا جو یقیناً" دنیا کے ادیان میں بہترین دین ہے۔ اگر ملامت کا خوف اور ہبکی کا اندیشہ نہ ہوتا تو اس دین کو قبول کر لینے میں تو یقیناً مجھے برملا فراخ دل پاتا۔" یہ وہ نعت ہے جس سے بہتر نعت اسلام قبول نہ کرنے والوں میں سے آج تک کوئی نہیں کہہ سکا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپؐ پر سلام بھیجتے ہیں۔ "مالک الملک' بادشاہ عالم' بندوں کا والی اور پروردگار احمد مجتبیٰ پر سلام و رحمت بھیجے۔" حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں۔ "کیا نہیں دیکھا تم نے کہ اللہ نے اپنے دین کو غالب کر دیا ہر اس دین پر جو اس سے پہلے تھا حق سے پھرا ہوا۔ اور اللہ نے اہل مکہ کو محروم کر دیا حضورؐ سے جب ان لوگوں نے گمراہی کے خیال فاسد یعنی قتل پر کمر باندھی۔ پس رسول اللہ کو اللہ کی نصرت نے غلبہ بخشا۔" حضرت عثمان غنیؓ وصال رسولؐ پر فرماتے ہیں۔ "تو اے میری آنکھ آنسو بہا اور نہ تھک۔ اپنے سردار پر آنسو بہانا تو لازم آچکا۔" حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ "انسانی بدن اور اس کے پہلو' جتنی شخصیتوں کو چھپائے ہوئے ہیں ان میں سب سے بہتر آپؐ ہیں اور آپؐ ان تمام مرنے والوں میں جن کو خاک نے چھپایا ہے' سب سے بہتر ہیں۔" ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ "اندھیری رات میں ان کی پیشانی نظر آتی ہے تو اس طرح چمکتی ہے جیسے روشن چراغ۔ احمد مجتبیٰ کے جیسا کون تھا اور ہوگا حق کا نظام قائم کرنے والا اور ملحدوں کو سراپا عبرت بنا دینے والا۔ حضرت فاطمہ زہراؓ فرماتی ہیں۔ "جس نے ایک مرتبہ بھی خاک پائے احمد مجتبیٰؐ سونگھ لی' تعجب کیا ہے اگر وہ ساری عمر کوئی اور خوشبو نہ سونگھے۔" سید الشہداء حضرت

حمزہؓ فرماتے ہیں۔ "میں نے خدا کا شکر ادا کیا جب اس نے میرے دل کو اسلام اور بلند مرتبہ دین کی توفیق بخشی۔ احمدؐ ہم میں برگزیدہ ہیں جن کی اطاعت کی جاتی ہے لہٰذا تم ان کے سامنے نا ملائم لفظ بھی منہ سے نہ نکالنا۔" حضرت عباسؓ فرماتے ہیں۔ "آپؐ جب پیدا ہوئے تو چمک اٹھی زمین اور روشن ہو گئے آفاق سماوی آپؐ کے نور سے"

یہ وہ نفوس قدسیہؓ ہیں جو نبی کریمؐ کے بہت قریب ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ نے بھی نعتیں کہیں ہیں۔ ان سب میں ذاتی احساس اور ذاتی مشاہدے کو اتنا ہی دخل ہے جتنا مضبوط اور پختہ ان کا ایمان تھا وہ سب کے سب جاں نثاران رسولؐ تھے۔ وہ آپؐ پر صدق دل سے صحت ذہن اور اصابت رائے کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ انہوں نے آپؐ کی صحبت سے براہ راست فیض حاصل کیا تھا۔ لہٰذا ان کی نعتیں بھی سچی تھیں۔ ان کی فکر کتاب الٰہی اور سیرت رسولؐ کے سرچشموں ہی سے سیراب تھی۔

اردو میں نعت رسولؐ کئی اسالیب سخن میں اور کئی موضوعات کے تحت کہی گئی ہیں مثلاً" قصائد میں سودا، ناسخ، مومن، بہادر شاہ ظفر، حالی، امیر مینائی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی، عزیز لکھنوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، محسن کاکوروی وغیرہم، مثنوی میں ملا وجہی، نصرتی، مولانا محمد اسمٰعیل شہید، سعادت یار خاں رنگین، ڈپٹی نذیر احمد وغیرہم نے مسدس اور مخمس نظیر اکبر آبادی، مولانا حالی، شاد عظیم آبادی، اکبر الہ آبادی، میر انیس وغیرہم۔ مختلف موضوعاتی نظموں کی صورت میں شبلی نعمانی، علامہ اقبال، علامہ تاجور نجیب آبادی، حفیظ جالندھری، وغیرہم۔ نظموں ہی کی مختلف ہیئتوں میں صفی لکھنوی، میر محبوب علی، امجد حیدر آبادی وغیرہم۔ یہ صرف چند نام ہیں ورنہ ایک کثیر تعداد ان شعراء کی ہے جنھوں نے مختلف اصناف سخن اور اسالیب سخن میں نعتیں کہی ہیں۔ آزاد نظم میں بھی اچھی اچھی نعتیں کہی گئی ہیں۔ سب سے زیادہ نعتیں عصر حاضر میں غزل کی فارم میں کہی گئی ہیں۔ بے شمار شعراء ہیں، مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی۔

اردو میں نعت گوئی اردو شاعری کے ساتھ ہی شروع ہو گئی تھی لیکن یہ نعت گوئی حمد خدا کے ساتھ حصول برکت کے لیے تھی۔ باقاعدہ نعت نگاری کا سلسلہ دیر سے شروع ہوا۔ گیارھویں صدی ہجری میں نعتیہ مثنویاں، مولود نامے اور وفات نامے لکھے گئے۔ پہلے برصغیر جنوبی اور پھر برصغیر شمالی میں۔ زیادہ تفصیل میں جائے بغیر ہم اردو میں نعت نگاری کو زمانے کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ پہلا گیارہویں صدی ہجری سے پہلے کا۔ دوسرا گیارہویں صدی سے تیرہویں صدی ہجری تک اور تیسرا تیرہویں صدی ہجری کے بعد سے تاحال۔ پہلے حصے میں نعت کی نوعیت اوپر بیان کی گئی۔ دوسرے حصے میں نعت کے سلسلے میں خاصا کام ہوا۔ اردو زبان کے ارتقا کے ساتھ ساتھ نعت کی زبان میں بھی تبدیلیاں آئیں۔ لیکن عام طور پر نعت کے مضامین تقریباً وہی رہے۔ ذات و صفات رسولؐ، معجزات، حیات رسولؐ، اخلاق رسولؐ، مغازی، تمنائے زیارت، روضہ رسولؐ، آرزوئے دیدار، عقیدتمندانہ وابستگی کا اظہار، نبوت و رسالت، کی عظمتیں۔

دو صدیوں کی اس مدت میں اگرچہ موضوعات کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن عصر حاضر یعنی انیسویں صدی عیسوی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز سے جو نمایاں تبدیلیاں نعت نگاری میں رونما ہوئیں ان کو ہم عصر حاضر کی نعت

نگاری سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

عصر حاضر کی نعت نگاری نے وہ مضامین جو اس سے پہلے نعت کا موضوع تھے بیک قلم ترک نہیں کر دیئے۔ ان کو بھی نظم کیا لیکن جدید اسلوب میں۔ فی الحقیقت نعت نگاری میں قدیم و جدید کی کوئی حد فاصل نہیں ہے کہ یہ تو روشنی ہی روشنی ہے اور ایک ایسی عظیم الشان ہستی کی مدحت ہے جو کل بھی عظیم تھی، آج بھی عظیم اور اور آنے والے وقتوں میں بھی عظیم ہی رہے گی۔ اس نور الہدیٰ، اس شمس الضحیٰ، اس بدر الدجی کے آگے سارے چراغ ماند ہیں۔ اس ہستی کو آپ خیر الانام کہیں، سید البشر کہیں، انسان کامل کہیں، محسن انسانیت کہیں، اس کا ذکر جمیل جس انداز سے بھی کریں اس سے ہمیشہ خوشبو ہی آئے گی۔ اس ذکر سے ہمیشہ انسانیت کو روشنی ہی ملے گی۔ البتہ جو تبدیلی نمایاں طور پر آئی اس کو اہم مولانا حالی سے منسوب کرسکتے ہیں۔ واردات و کیفیات کی اہمیت اپنی جگہ مسلم لیکن حالی نے نعت میں تہذیبی و معاشرتی، قومی و ملی، سیاسی و تاریخی احوال و واقعات کو متعارف کرایا۔ حالی نے نعت نگاری کو ایک ایسا رخ دیا جس میں جدید حسیت شریک ہوگئی اور بیداری کی ایک نئی زندگی بخش لہر جاں نواز ہوئی۔ اردو شاعری کا ارتقا اردو تہذیب کے دور زوال میں ہوا۔ عصر حاضر میں جب اردو شاعری کو تازہ رخی کا موڑ ملا تو نعت میں بھی ایک تازگی پیدا ہوئی۔ حالی کی مسدس مد و جزر اسلام جو عام طور پر مسدس حالی کے نام سے مشہور ہے۔ نعت کا ایک بہت خوبصورت ٹکڑا ہے اور اپنی جگہ مکمل نعت ہے۔ اس نعت کے مضامین نئے نہیں ہیں لیکن انداز بیان نے انھیں چمکا دیا ہے۔ سلاست زبان، سادگی بیان، تاثیر اور روانی سب کچھ نیا نیا سا لگتا ہے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ
خطا کار سے در گزر کرنے والا بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا
مس خام کو جس نے کندن بنایا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا پلٹ دی بس ایک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا
سبق پھر شریعت کا ان کو پڑھایا حقیقت کا گر ان کو اک اک بتایا
زمانے کے بگڑے ہوؤں کو بنایا بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا

کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دیئے ایک پردہ اٹھاکر

سکھائی انہیں نوع انساں پہ شفقت کہا' ہے یہ اسلامیوں کی علامت
کہ ہمسایہ سے رکھتے ہیں وہ محبت شب و روز پہنچاتے ہیں ان کو راحت
وہ جو حق سے اپنے لئے چاہتے ہیں
وہی ہر بشر کے لئے چاہتے ہیں

دیئے پھیر دل ان کے مکر و ریا سے بھرا ان کے سینے کو صدق و صفا سے
بچایا انہیں کذب سے ' افترا سے کیا سرخرو خلق سے اور خدا سے
رہا قول حق میں نہ کچھ باک ان کو
بس اک شوب میں کردیا پاک ان کو

جب امت کو سب مل چکی حق کی نعمت ادا کرچکی فرض اپنا رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت نبیؐ نے کیا خلق سے قصد رحلت
تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی
کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

چند بندوں کی یہ نعت اپنے اندر کیا نہیں رکھتی! وہ کون اور کیا ہستی تھی جس کی بعثت ہوئی؟ اس نے کیا کردار پیش کیا؟ اس نے کیسا دین انسانیت کے سامنے رکھا؟ اس دین کی تکمیل کس طرح ہوئی؟ اس دین کو جس جماعت نے قبول کیا وہ کیسے سرفراز ہوئی؟ اس نے جو معاشرہ تشکیل دیا وہ کیسا تھا؟ وہ سب یہ نعت ہمیں بتاتی ہے۔ اس نعت کے الفاظ ان کی ترتیب اور ان کی تحریر جو ایک زیریں لہر شاعر کی شیفتگی اور اس کے شعور کی نہ ہوتی تو یہ نعت بھی تخلیق نہ ہوتی۔ بظاہر اس نعت میں وہ الفاظ نہیں ہیں جو عموماً" اس ذات والا صفات سے وابستگی کا اظہار کرتے لیکن نظم کا ٹمپو خصوصاً" اس وابستگی کو ظاہر کر رہا ہے۔ یہ فنی ہنرمندی سے بڑھ کے کہیں آگے کی بات ہے۔ اس نظم کے آخری شعر سے مربوط لیکن زمانی فاصلے سے پیدا شدہ تبدیلیوں کی نشان دہی کرنے والی حالی کی وہ دوسری مشہور نظم ہے جو مناجات حالی کے نام سے جانی جاتی ہے۔ نعت نگاری میں تبدیلی کا یہ دوسرا سنگ میل ہے۔ تقریباً" چالیس اشعار پر مشتمل اس نظم میں سے چند اشعار :

اے خاصۂ خاصانِ رُسلؐ وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں
اب اس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے
جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے

اس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے
جس دین کی حجت سے سب ادیان تھے مغلوب
اب معترض اس دین پہ ہر ہرزہ سرا ہے
عالم ہے سو بے عقل ہے، جاہل ہے سو وحشی
منعم ہے سو مغرور ہے، مفلس سو گدا ہے
یاں راگ ہے دن رات تو واں رنگ شب و روز
یہ مجلس اعیان وہ بزم شرفا ہے
چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں
پیاروں میں محبت ہے نہ یاروں میں وفا ہے
جو کچھ ہیں وہ سب اپنے ہی ہاتھوں کے ہیں کرتوت
شکوہ ہے زمانے کا نہ قسمت کا گلا ہے
کر حق سے دعا امت مرحوم کے حق میں
خطروں میں بہت جس کا جہاز آکے کھڑا ہے
تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی
ہاں ایک دعا تیری کہ مقبول خدا ہے

اس نظم میں حالی نے اپنے دل کا ہی نہیں ہر صاحب احساس کے دل کا قومی و ملی درد بھر دیا ہے۔ یہ نظم پہلی والی نظم سے فارم میں بھی مختلف ہے اور مضمون میں بھی۔ لیکن یہ دونوں نظمیں اپنے وقت کی نئی آواز ہیں اور پہلے لکھی گئی نعتوں سے مختلف۔ حالی سے پہلے کا دور محسن کاکوروی پر ختم ہوا اور حالی سے جو دور شروع ہوا وہ نعت نگاری کا نیا دور ہے۔ اس دور کے نئے امکانات کی نشان دہی حفیظ تائب نے یوں کی ہے:

۱ تذکار سیرت کے ذریعے اتباع خیرالانام کی ترغیب۔
۲ عشق رسول ؐ کو سینوں میں بیدار کر کے مثبت قوت بنانا۔
۳ نعت میں حضور اکرم ؐ کے شمائل باطنی اور تعلیمات سے انسانوں کی توجہ زندگی کی اعلیٰ ترین اقدار کی طرف مبذول کرانا۔
۴ اسلامی اقدار کی تائید و فروغ اور باطل نظریات کا رد۔
۵ حضور اکرم ؐ کی مثالی سیرت کے حوالے سے اپنے احوال کا جائزہ۔
۶ خود شناسی، کائنات شناسی اور خدا شناسی کی جملہ منازل میں حضور ؐ کی ابدی رہبری کو فکر اقبال کی روشنی میں اجاگر کرنا۔

میں حفیظ تائب کے مندرجہ بالا نکات میں سے چھٹے اور آخری نکتے میں اتنی ترمیم کرنا پسند کروں گا کہ فکر اقبال

کی بجائے، یہاں کتاب و سنت کی روشنی کہا جانا چاہیے۔ کیونکہ فکر اقبال بھی اسی روشنی سے منور ہے۔ فکر اقبال بہت اہم ہے لیکن حرف آخر نہیں۔ اگر صلاحیتیں اور توانائیاں کار فرما ہیں تو کتاب و سنت کی روشنی میں مزید نئے گوشے انسانی بصیرت کے دائرے اور وسعتوں میں نظر آئیں گے۔

ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں۔ "جدید اسلوب نعت میں حضور اکرمؐ کی سیرت و سوانح کو مستند حوالوں اور صحت مند روایات کی روشنی میں قلمبند کیا گیا۔ نیز پیام رسالت و مقصد رسالت، تمدن و معاشرت پر آپؐ کے احسانات اور بنی نوع انسان کے لئے آپؐ کی تعلیمات پر مبنی ضابطہ حیات کے تعارف و تذکار کی طرف توجہ دلائی گئی۔ جدید نعت گو شعراء کے ہاں محبت رسولؐ کی سرمستی اور آپؐ کی مدح و توصیف کے ساتھ ساتھ آپؐ کی رسالت و بشریت کا زیادہ گہرے شعور سے مطالعہ نظر آتا ہے۔" اس رنگ میں حالی کے بعد نعت گوئی کے اس نئے دور کے سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں۔ مولانا شبلی، علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خاں۔ ان کے اپنے اپنے دلنشیں انداز ہیں۔ شبلی نے حیات طیبہ سے چند منتخب واقعات کو نظم کیا ہے اور دلاویز متاثر کن پیرائے میں۔ مولانا ظفر علی خاں کی یہ نعت تو آج بھی ذہنوں میں گونجتی ہے اور دلوں میں دھڑکتی ہے۔ چند اشعار:

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمکنے والی تھی سب دنیا کے بازاروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں
ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ
ہم مرتبہ ہیں یاران نبیؐ کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

اور وہ مشہور نعت بھی جس کا مطلع ہے۔

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو

اقبال کی نظم "ذوق و شوق" میں سے چند نعتیہ اشعار۔ معنی آفریں نہیں کیف آفریں بھی ہیں۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تونے طلوع آفتاب
شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و با یزید تیرا جمال بے نقاب
شوق اگر ترا نہ ہو میری نماز کا امام

میرا قیام بھی حجاب' میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غایت و جستجو' عشق حضور و اضطراب
تیرہ و تار ہے جہاں گردش آفتاب سے
طبع زمانہ تیز کر جلوۂ بے حجاب سے

حالی نے جدید نعت کو جو رخ دیا تھا اقبال نے اس کے جمال کو نکھار کر جہاں آرا بنا دیا۔ حالی سے اقبال تک بھی اردو کے اچھے اچھے نامور شعراء نے نعتیں کہیں۔ اقبال کے بعد بھی بیشتر شعراء نے نعتیں لکھیں۔ سیماب' جوش' جگر' حسرت' اصغر' نظم طباطبائی' جلیل مانکپوری وغیرہ کی ایک طویل فہرست ہے۔ برصغیر کی آزادی کے بعد تو بے شمار شعرا نے نعتیں کہیں۔ ایک ایک شاعر کے کئی کئی نعتیہ مجموعے شائع ہوئے۔ مختلف معروف اور غیر معروف شعراء کی منتخب نعتوں کے اکٹھے مجموعے بھی شائع ہوئے۔ دونوں قسم کے مجموعوں کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے۔ تخلیقی میدان میں وسعت آئی تو چند ریسرچ سکالروں کی توجہ تحقیق کی طرف مبذول ہوئی اور انہوں نے مفید کام انجام دیئے۔ انکے مقالوں سے نہ صرف جدید نعت کا مزاج بھی نمایاں ہوا بلکہ اچھی اور معیاری نعت کے لوازم اور مقتضیات کا تعین بھی ہوا۔ یہاں تک کہ نعت نگاری پر تنقید کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ اس سے نعت گو شعراء کی نہ صرف رہنمائی ہوئی بلکہ ان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ ان سے معنوی کوتاہیاں کیسی کیسی سرزد ہوئی ہیں اور زبان و بیان کی غلطیاں کہاں کہاں رہ گئی ہیں۔ تنقید سے نہ صرف اصلاح کی صورت پیدا ہوئی بلکہ آئندہ کے لئے صحیح اور درست راہیں بھی ہموار ہو گئیں۔

برطانوی تسلط سے آزاد ہو جانے کے بعد برصغیر کے اس حصے میں جو پاکستان کہلاتا ہے' نعت گوئی کو بہت فروغ ہوا۔ شروع شروع میں تو اس باب میں کوئی تخصیص نہ تھی کہ بقول میر:

جلوہ نہیں ہے بزم میں حُسن قبول کا
دیواں میں شعر گر نہیں نعت رسولؐ کا

یا پھر کاربرآری کے لئے جیسا کہ غالب نے کہا:

اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہؐ کے غالب گنبدِ بے در کھلا
کل کے لئے کر آج نہ خست شراب میں
یہ سوئے ظن ہے ساقی کوثرؐ کے باب میں

یا پھر پہلے کی طرح سے کہیں کہیں غزل میں نعتیہ اشعار بھی آتے رہے جیسا کہ قلی قطب شاہ سے غالب تک ہوتا رہا مثلاً "غالب کا مطلع ہے:

منظور تھی یہ شکل تجلی کو نور کی

قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی

لیکن رفتہ رفتہ پورے، پورے نعتیہ مجموعے منظرِ عام پر آنے لگے۔ حد نظر تک نعتوں کی ایک پاکیزہ فضا قائم ہوگئی۔ ایسے ماحول میں ان شعراء نے بھی نعتیں کہیں جنکی شہرت اسلام کو ایک فکری اور عملی عقیدے سے الگ رہنے والوں کی حیثیت سے تھی اور وہ مختلف تحریکوں سے وابستہ بھی تھے۔ وہ اسلام کو صرف ایک جامد، روایتی اور رجعت پسند دین کی حیثیت سے زیادہ سمجھنے کو تیار نہ تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو اسلام کے بارے میں نہ صرف ایک معذرت خواہانہ رویہ رکھتے تھے تاہم وہ رسول کریمؐ کو دنیا کا ایک بڑا آدمی جانتے تھے۔ بہر حال وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی آتی گئی۔ کچھ دیگر عوامل نے بھی اپنا اثر دکھایا۔ ایسے لوگوں میں سے جو فکری طور پر بھی مسلمان ہوگئے، اچھی نعت کہنے میں کامیاب ہوئے اور یوں نعت نگاری کی بدولت ذہنی انقلاب سے مستفید ہوئے۔

قیام پاکستان کے بعد برصغیر کے اس حصے سے اس حصے میں ہجرت کرکے آنے والے اہم اور بزرگ اساتذہ میں علامہ سیماب اکبر آبادی نے نعت نگاری میں خصوص حاصل کیا۔ وہ علامہ اقبال کے بعد شعراء کی صف میں رہنے والوں میں سے تھے۔ انکے شعری کارنامے ایک دو نہیں کئی ہیں۔ اردو نظم کو نیا آہنگ دیا۔ مثنوی مولانا روم کا منظوم ترجمہ کیا۔ شعری مجالس میں خطبہ صدارت پڑھنے کی طرح ڈالی۔ ان کی نظموں اور غزلوں کے مجموعے مربوط اور منظم فکر کی صورت میں بڑی شاعری پیش کرتے ہیں۔ انکی شاعری فکری انتشار اور بے راہ روی سے پاک ہے۔ ایسے شاعر کی نعتیہ شاعری کے بارے میں معروف نقاد ڈاکٹر فرمان فتحپوری لکھتے ہیں۔

''بیسویں صدی کے نصف اول میں اردو کے جن شعراء نے نام پایا اور جن کے انفرادی اسلوب نے مختلف اصناف سخن میں تازگی اور جدت کی نئی روح پھونک دی ان میں سیماب اکبر آبادی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ وہ اپنے ہم عمر اور ہم عصر شعراء میں کئی حیثیتوں سے ممتاز تھے۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ وہ کئی زبانوں پر مہارت رکھتے تھے اور قدیم و جدید علوم کی آویزش سے زندگی اور ادب کے جو نئے مسائل پیدا ہوئے ان کا ادراک بھی انہیں حاصل تھا۔ نظم، غزل، رباعی اور مسدس و مثنوی، ہر صنف میں انہوں نے اپنی جگہ اجتہادی شان برقرار رکھی اور ہر ایک میں ایسا نقش بناگئے کہ بیسویں صدی کے ادب پر محاکمہ کرتے وقت کوئی مورخ یا ناقد ان کی تخلیقات کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ زندگی اور ادب دونوں کے بارے میں ان کا نقطہ نظر شروع سے آخر عمر تک رجائی رہا۔ وہ ماضی حال اور مستقبل کے رشتوں کو خوب سمجھتے تھے۔ یہی وہ شعور تھا جس نے سیماب کو زندگی کے عصری میلانات سے بھی ہمکنار رکھا اور عظمت رفتہ سے بھی غافل نہ رہنے دیا۔'' ڈاکٹر فرمان فتح پوری مزید کہتے ہیں کہ ''ان کی نعتیہ شاعری مولانا حالی، مولانا ظفر علی خان اور علامہ اقبال کی نعتیہ شاعری سے مماثل ہے۔ سیماب نے نعت کے سلسلے میں آنحضرتؐ کے اصل پیغام کی غایت، اثرات، کردار اور کردار کی خصوصیات، سیرت اور سیرت کے سماجی و معاشرتی موثرات اور انسان کی تمدنی زندگی میں ان کے افادات کو پیش نظر رکھا۔ سیماب کی نعتیہ شاعری میں حضور اکرمؐ کی سیرت و کردار کو وقت کے تقاضوں اور زمانے کی ضرورتوں کے مطابق اس طرح ڈھالا گیا ہے کہ ایک طرف انکی نعتیہ شاعری عصری میلانات کی آئینہ دار بن گئی ہے دوسری طرف بڑے دلاویز پیرائے میں انہوں نے

زندگی کو صلح و آشتی اور دلجوئی اور دلنوازی کا درس دیا ہے نعتیہ شاعری سے انہوں نے تادیب نفس اور اصلاح معاشرہ کا وہی کام لینا چاہا جو نعت گوئی کا اصل مقصود تھا۔ سیماب نے ایک عالم ایک دینی مفکر اور ایک بالغ نظر شاعر کی حیثیت سے نعت کو حضورؐ کے ظاہری اوصاف سے زیادہ باطنی عملی صفات و محاسن کا ترجمان بنایا۔ مختلف ہیئت میں مختصر اور طویل نظمیں کہیں اور ان کی معرفت ملت اسلامیہ کی زندگی میں نئی روح پھونکنے کی کوشش کی۔ یہ ان کا ایسا امتیاز ہے جو اردو کی نعتیہ شاعری میں ان کے نام کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے اور نعت گوئی کا ایک نیا راستہ دکھاتا ہے۔" سیماب کی نعت کے عمومی مزاج اور فکری نہج کے بارے میں اپنی رائے دینے کے بعد ڈاکٹر فرمان فتحپوری ان کی نعت کے فنی پہلوؤں کا احاطہ یوں کرتے ہیں۔ "سیماب کا دوسرا وصف جو ان کی تمام نعتوں میں یکساں نظر آتا ہے وہ ان کا شاعرانہ اسلوب یا موضوع کے ساتھ ان کا فنی برتاؤ ہے۔ نعت گوئی کا موضوع بذات خود بڑا عظیم ہے اور اس عظمت کو نعت میں اسی وقت برقرار رکھا جا سکتا ہے جبکہ اُس کی شایان شان موثر اور دلکش اسلوب اختیار کیا جائے۔ مانا کہ شاعری میں یہ بات بہت اہم ہے کہ کیا کہا گیا ہے لیکن یہ بھی کم اہم نہیں کہ بات کیسے کہی گئی ہے۔ اس لئے سیماب نے اپنی نعتوں کے لئے حد درجہ دل آویز پیرائیہ بیان اختیار کیا ہے۔ انہوں نے نعت میں نئی نئی ترکیبوں، تازہ تشبیہوں اور جان دار استعاروں سے وہی کام لیا ہے جو ایک بڑا شاعر اپنی بڑی شاعری میں لیتا ہے۔ انکی حمدیہ اور نعتیہ شاعری میں وہی ایمائیت و رمزیت، وہی ایجاز و اختصار ہے جسے کسی فن پارے کی ضمانت کہا جا سکتا ہے۔ تخیل اور فکر کی وہی ندرتیں ہیں جو شاعری میں گہرائی اور گیرائی پیدا کرتی ہیں۔ غرض کہ سیماب کی نعتیہ شاعری لفظ و معنی ہر اعتبار سے ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ لفظی پیکر کے لحاظ سے اس کا رخ افقی یعنی نظم کی جملہ ہیئتیوں پر محیط ہے اور معنوی لحاظ سے عمودی ہے یعنی اس میں عمق و بلندی بھی ہے اور تہ داری بھی۔"

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی تحریر کے ان اقتباسات سے نہ صرف علامہ سیماب اکبر آبادی کی نعتیہ شاعری کی جملہ خصوصیات عصر حاضر کے حوالے سے سامنے آجاتی ہیں بلکہ نعت نگاری کے سلسلے میں عملی نکات بھی ملتے ہیں۔ سیماب اکبر آبادی نے اکہتر سال کی عمر پائی اور پاکستان ہجرت کے بعد 31 جنوری 1951ء میں ہی کراچی میں انتقال کر گئے۔ نعتوں کا صرف ایک مجموعہ "ساز حجاز" کے نام سے منصہ شہود پر آیا ہے۔ جون 1982ء میں یعنی ان کے انتقال کے اکتیس سال بعد اس کی اشاعت عمل میں آئی۔ ہم "ساز حجاز" کو اس کی زمانی تخلیق کے لحاظ سے، فکری توانائی کی نسبت سے اور اس میں پائے جانے والے جذبہ صادق کی گیرائی کے تعلق سے قیام پاکستان کے بعد شائع ہونے والا اپنی طرز کا پہلا مثالی نعتیہ مجموعہ کہہ سکتے ہیں۔ کتاب و سنت کی روح کے لحاظ سے اور پیروی کے فیض سے سیماب کی نعتیں باطنی خصوصیات میں فکر و فن کی بلندی پر کلام اقبال کی ہم درجہ معلوم ہوتی ہیں۔ ساز حجاز سے چند اشعار:

کان جب آشنا نہ تھے نغمۂ صبح عرش سے
ظلمتِ کفر زار میں پہلی اذان تو نے دی

کوئی نغمہ ہو آجاتی ہے کانوں میں نوا اس کی
کہ ہے گونجی ہوئی ہر ساز ہستی میں صدا اس کی
سلامؐ اس پر صلواۃ اس پر درود کائنات اس پر
خدا کی ترجمانی جس نے کی انساں کے پیکر میں
زمین کوئے محمدؐ کی دلکشی دیکھو
کہ بادشاہ بھی کمبل بچھائے بیٹھے ہیں
نہ آئیں جاکے وہاں سے یہی تمنا ہے
مدینے جاکے نہ لائے خدا مدینے سے
میں تو کچھ بھی نہیں سیماب مگر بات یہ ہے
بات میری مرے سرکارؐ بنالیتے ہیں
میں اے سیماب طوطیٔ گلستان محمدؐ ہوں
ہے میرے ہر نفس سے نزہت خلد بریں پیدا

"کلیم عجم" ان کی غزلیات کا اولین مجموعہ ہے۔ اس کی ایک غزل کا مقطع ہے۔

خراب فرد عمل ہو نہ جائے اے سیماب
اسے جناب رسالت مآبؐ دیکھیں گے

وہ کون ہو گا جس پر یہ شعر سن کر رقت طاری نہ ہو جائے۔ جس عدالتی اجلاس کا میر مجلس خدا خود ہو گا اور اس کا رسولؐ شمع محفل، تو نامہ اعمال کی ذرا سی خرابی بھی صاف صاف دکھائی دے گی۔ نامہ اعمال تو خدا کے سامنے پیش ہو گا اور وہی جزا و سزا کا مختار ہے۔ لیکن یہ کارروائی اس کا رسولؐ بھی تو دیکھ رہا ہو گا۔ ایک امتی کے لئے شرمندگی کس درجہ کی ہو گی۔ کیا لطیف نکتہ ہے

ایک اور شاعر جو دو ہجرتوں سے گزر کر پاکستان آیا وہ اختر لکھنوی ہیں۔ مشرقی پاکستان جب 1971ء میں بنگلہ دیش بن گیا تو وہ کراچی آئے اس دوسری ہجرت کے اعزازی کرب اور ابتلا کو اپنی غزل کے مجموعے "دیدہ تر" میں بھگو کر دامن حضورؐ کے سائے میں پناہ گزیں ہو گئے۔ انکے پہلے نعتیہ مجموعے کا نام حضورؐ (1988ء) ہے اور دوسرے نعتیہ مجموعے کا نام سرکارؐ (1995ء) ہے۔ اختر لکھنوی کی نعتوں میں ایک پاکیزہ اور سکون بخش روشن فضا ملتی ہے۔ عقیدت بھرے جذبات و محسوسات ایک خوش گوار انداز میں اثر انداز ہوتے ہیں۔ حسیت رحمت کی پھوار میں نورانی غسل کرکے ایک نیا جامہ ادراک پہنے ہوئے نظر آتی ہے۔ جذبے کا خلوص، سوچ کی سچائی، ارادے پر یقین، عمل کی درستگی اور عقیدے پر ایمان ان کی نعت کو سرشاری کی ایک نئی جہت روشناس کراتے ہیں۔ اختر لکھنوی کی نعتیں جس کیفیت، جس جذبے اور جس فکر کا نتیجہ ہیں ان میں ہر لفظ اپنے معنی کے ساتھ ایک مضبوط اندرونی رشتہ رکھتا ہے۔ انکی بے خودی میں خودی کا احساس اور ان کی والہانہ سرشاری میں فکر و آگہی

کے عوامل پائے جاتے ہیں۔ دھیما لہجہ، خوش کلامی اور تاثیر ان کے خاصہ ہیں۔ اگر وہ "حضورؐ" کی نعتوں میں عین الیقین کی منزل میں ہیں تو "سرکارؐ" کی نعتوں میں حق الیقین کے درجے پر فائز ہیں۔ وہ اپنے عہد کی نعتیہ محفل میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ تاثرات اور کیفیات میں ڈوبی ہوئی نعتیں ہیں۔ جس خوشبو سے یہ بزم مہک رہی ہے وہ بھی کچھ نئی نئی سی ہے۔ نشاط روح، تسکین دل اور تازگی ایمان کا پورا سامان موجود ہے۔ ان کا انداز ہی اتنا مختلف اور ان کے تیور ہی اتنے دل ربا ہیں۔ "حضورؐ" میں سے چند اشعار:

جہاں سے جاتا ہے ہر راستہ خدا کی طرف
خوشا کہ دیکھ لیا وہ مقام ہم نے بھی

خدا سے مانگو وسیلے سے انؐ کے پھر دیکھو
دعا کو مل کے رہے گا اثر کا سرمایہ

میں جتنا فخر کروں کم ہے، میرے آقاؐ نے
مجھے بھی اپنے حساب و شمار میں رکھا

آشوبِ وقت کا ہے علاج آپؐ ہی کے پاس
سیلابِ غم کی زد پہ دلوں کی فصیل ہے

سمندر رحمتوں کا فخرِ موجودات میں دیکھا
فرازِ آدمیت مصطفےؐ کی ذات میں دیکھا

وہ غارِ ثور، وہ غارِ حرا، وہ کوہِ اُحد
کہیں ارادے، کہیں حوصلے ملے ہم کو

درِ مصطفےؐ پہ جس دم، دمِ بے خودی میں پہنچے
تو لگا کہ جیسے ہم بھی حدِ زندگی میں پہنچے

"سرکارؐ" میں سے چند اشعار:

ذکرِ سرکارؐ ہوا جب سے ترانہ دل کا
ہر زمانہ ہے دھنک رنگ زمانہ دل کا

کوئی پہر ہو، سحر ہو کہ شام، رات کہ دن
درِ حضورؐ سے رہتا ہے رابطہ دل کا

سرکارؐ کے در پہ پہنچا تو سب پیچ گئے سب خم نکلے
رنگین بہاروں سے سج کر مرے اندر کے موسم نکلے

عمل تمام روشنی قدم تمام آئینہ
وہ انؐ کی ذات محترم مثال ہی مثال ہے

زندگی کو در آقا نے قرینے بخشے
پار دریا کے اترنے کو سفینے بخشے
آقائے نامدار کی گلیوں میں کیا پھرا
چہرہ بدل گیا مرے لیل و نہار کا
کیا بتائیں در سرکارؐ سے کیا لائے ہیں
زندگی لائے ہیں جینے کی ادا لائے ہیں

ایک اور شاعر جو جذبے کو ہنر میں شامل کر کے نعتیہ شاعری میں بلند مقام تک پہنچے حنیف اسعدی ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری کے اوصاف انہیں کے ہمعصر شاعر حفیظ تائب یوں گنواتے ہیں۔ "وفور عقیدت کے ساتھ شعور حقیقت' قدرت اظہار کے ساتھ ندرت افکار' طریق جذب و سرور کے ساتھ توفیق اتباع حضورؐ عجز و نیاز مندی' سنبھلا سلجھا لہجہ اور دل و دماغ کو مسحور کرتی ہوئی لے۔"

یہ خصوصیات حنیف اسعدی کے پورے نعتیہ کلام پر چھائی ہوئی ہیں۔ ادب و احترام کی کیفیت سے اس کی فضا معمور ہے۔ شاعر کے قلب و ذہن پر جتنی باطنی کیفیات کا نزول اور ورود ہوا ہے وہ بہترین پیرایے میں صفحہ قرطاس پر اتار دیا گیا ہے۔ یہ شاعر کا ہنر ہی نہیں ہے بلکہ اس ربط کی دین ہے جو شاعر کو اپنے ممدوحؐ سے ہے۔ بقول سلیم احمد "حنیف احمد نے اپنے تخلیقی عمل اور اپنے عقیدے دونوں کو ملا کر اپنی شاعری اور شخصیت کا بنیادی حوالہ بنا دیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کمال ان کے قلب میں جاگزیں اس اخلاص و محبت کا ہے جو انہیں حضورؐ کی ذات سے وابستہ رکھتا ہے۔" ان کے نعتیہ مجموعے کا نام "ذکر خیرالانام" (1984ء) ہے۔ ذکر خیرالانامؐ میں حیات و سیرت نبویؐ کے مختلف پہلوؤں کا بیان ملتا ہے۔ غالباً وہ قبولیت کی گھڑی تھی جب حنیف اسعدی نے دعا کی تھی۔

یارب یہ تمنا ہے کہ نازل ہو وہ ہم پر
جو نعت ابھی قرض ہے قرطاس و قلم پر
جن کی توصیف پہ شاہد ہے ترا اپنا کلام
ان کی توصیف کا حق مجھ سے ادا ہو یارب

چنانچہ ذکر خیرالانام کے اشعار درج ذیل عنوانات کے تحت ترتیب دیئے جا سکتے ہیں۔

بعثت سے پہلے۔ بعثت رسولؐ۔ دعوت حق۔ ہجرت۔ فتح مکہ۔ سیرت۔ اوصاف۔ معراج اور عظمتیں۔ سراپائے رسول۔ وصال کے بعد۔ غلامانِ رسولؐ۔ فکرِ امت۔ ایمان اور اطاعت۔ اتحادِ بین المسلمین۔

حنیف اسعدی کی نعتیہ شاعری میں جو شگفتگی' پاکیزگی اور لطافت ہے' وہ انہیں کا حصہ ہے۔ ان کا اسلوب تر و تازہ ہے۔ سوز و گداز' جذب و مستی اور والہانہ پن جب شعور ذات اور احساس ہوش مندی کے ہم سفر بن جاتے ہیں تو باطنی کیفیات یوں ظاہر ہوتی ہیں۔

اک شب دعائے نیم شبی کے جواب میں
مجھ کو مرے حضورؐ نظر آئے ہیں خواب میں
زہے نصیب کہ اکثر مجھے کھلی آنکھوں
دیار پاک شہ محترم نظر آیا
ایک عجیب کیفیت قلب و نظر کے ساتھ ہے
ذکر حبیب پاک کا دیدہ تر کے ساتھ ہے
دونوں ہاتھوں میں ہے اب آپؐ کا داماں آقاؐ
کوئی ہو، میں تو نہیں بے سر و ساماں آقاؐ
سب کو بقدر ظرف ملا ہے شعورِ ذات
امّی لقب پہ ختم ہوئی آگہی تمام
عین مدحت ہے محمدؐ کہنا
نام ایسا کہ ثنا ہو جیسے
وہ قدم اٹھے تو بیک قدم ہمہ کائنات تھی زیرِ پا
یہ بلندیاں کوئی چھو سکا نہیں، انؐ کے بعد کھلی نہیں

پروفیسر مرزا محمد منور لکھتے ہیں "حضرت اسعدی بڑے باسلیقہ شاعر ہیں۔ الفاظ کے دروبست پر ماہرانہ نظر ہے۔ صوتی اثرات اپنی جگہ دلجو۔ الفاظ کی کمی محسوس نہیں ہوتی اور یہ امر کاملا" عیاں ہو جاتا ہے کہ حضرت اسعدی ہر نقطہ بلکہ ہر نکتہ "مقامے دارد" کے اسرار شناس ہیں۔ حنیف اسعدی کی نعتیں محبت، عقیدت اور وارفتگی کے کیف سے معمور ہونے کے باوصف دوراز کار مبالغہ آمیزی سے معرا ہیں۔ بظاہر عالم جذب میں کہے ہوئے اشعار بھی درحقیقت اس صداقت پر مبنی ہیں جسے شعری صداقت نہیں بلکہ شعوری صداقت ہی کہنا پڑتا ہے۔"

ایک نام ایسا ہے جس کی آواز نعتیہ شاعری میں 1984ء سے قبل پورے پاکستان کے طول و عرض میں گونجی۔ وہ ہے مظفر وارثی کا نام۔ جولائی 1984ء میں ان کے پہلے نعتیہ مجموعہ "باب حرم" کی تیسری اشاعت اور دوسرے نعتیہ مجموعے "نورِ ازل" کی پہلی اشاعت ایک ساتھ ہوئی۔ ان کی بیشتر نعتیں نظم کی مختلف اسالیب میں ہیں۔ جہاں غزل کی ہییت اختیار کی ہے ان میں بھی نظموں کا سا تسلسل ہے۔ برسوں بلکہ آج بھی مظفر وارثی "یا رحمت اللعالمین" والی نعت سے پہچانے جاتے رہے ہیں۔ ان کی نعتوں میں ایک ایسا آہنگ اور ایک ایسی نغمگی ہے جو سماعت کو گرفتار کر لیتی ہے اور دل کی فضا کو سرشار کر دیتی ہے۔ پہلے نعتیہ مجموعے کی تمام نعتیں عنوانات کے تحت ہیں۔ تازہ کاری اور تازہ خیالی کی ایک عجیب کیفیت ان نعتوں میں پائی جاتی ہے۔ نئی نئی تشبیہات نئے نئے استعارے، نئے نئے اسالیب اور دل کو موہ لینے والا انداز۔ آپ مظفر وارثی کی اپنی زبان سے ان کی نعت نہ سن سکیں اور ان کے مجموعے میں کاغذ پر چھپی ہوئی پڑھیں تو بھی ان کا لہجہ ان نعتوں میں بولتا ہوا محسوس ہوگا۔ وہ اپنے

لفظوں میں اپنے مصرعوں میں اور اپنے شعروں میں یوں جذب ہو گئے ہیں کہ ان کی ذات کو ان کے فکر و خیال سے اور ان کے فکر و خیال کو انکی نعتوں سے الگ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ "بابِ حرم" میں حمد کا عنوان رکھا تو "لم یلد ولم یولد" حمد سے نعت کی طرف آتے ہیں تو پہلے اپنا تعارف یوں کراتے ہیں۔

آج کی اقدار ہوں ماضی کی عظمت بھی تو ہوں
میں غزل گو شاعرِ بزمِ رسالتؐ بھی تو ہوں

نقطہ کہلاؤں گا کٹ جاؤں لکیروں سے اگر
جدتوں سے ہی نہیں ناتا روایت بھی تو ہوں

میں کہیں بھٹکوں، پہنچنا انؐ کے دروازے پہ ہے
خواہشِ دنیا سہی جویائے رحمت بھی تو ہوں

ذہن سے لب تک درودوں کا اگر ہے سلسلہ
سر سے لے کر پاؤں تک شوقِ زیارت بھی تو ہوں

خاکِ پائے مصطفےٰؐ بھی ایک میرا نام ہے
جو زمیں سے آسماں کو ہے وہ نسبت بھی تو ہوں

آئینہ ریزہ ہے بظاہر شیشۂ ہستی مرا
دستِ سرکارِ دو عالمؐ میں سلامت بھی تو ہوں

"نورِ ازل" سے چند اشعار:

نہ دھنک نہ تارہ نہ پھول ہوں قدمِ حضورؐ کی دھول ہوں
میں شہیدِ عشقِ رسولؐ ہوں مری موت کو بھی بقا کہو

کس زباں سے میں تری ایک جھلک بھی مانگوں
طلب حُسن تو ہے حُسنِ طلب مل جائے

شرحِ تہذیب ایک ایک عمل
روحِ اخلاقیات آپؐ کی ذات

لوٹ جا عہدِ نبیؐ کی سمت رفتارِ جہاں
پھر مری پسماندگی کو ارتقا درکار ہے

یوں ترا اسمِ گرامی میرے لب پر آگیا
جیسے دریا تشنگی کے پاس چل کر آگیا

عجب سرور صدا اس کا دھیان دیتا ہے
بلالؓ کعبے میں گویا اذان دیتا ہے

جب بھی دنیا کی ہوائیں مجھے لینے آئیں
اوڑھ کر چادر خوشبوئے محمدؐ نکلا

البتہ مظفر وارثی سے بعض اوقات روانی طبع میں ایسے سہو بھی ہو جاتے ہیں جن پر نظر ثانی کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ اللہ رحیم و کریم ہے اور اس کا رسولؐ رحمت ہی رحمت۔ اکا دکا ہی سہی لیکن فروگزاشتوں سے گریز بھی لازم ہے۔ تاکہ ان کی نعتیہ شاعری کا چاند بے داغ چمکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی نعتیہ نظمیں اپنے تاثر اور روانی میں نہایت پر زور ہیں۔

ایک اور نام جو نعت گوئی کے افق پر ستارہ سحری کی مانند چمکا' حفیظ تائب کا ہے۔ ان کا دوسرا نعتیہ مجموعہ "و سلمو تسلیما" (1990ء) ہے اور پہلا "صلو علیہ و آلہ" (1978ء)۔ احمد ندیم قاسمی نے لکھا ہے کہ حفیظ تائب نے نعت گوئی پر احسان کیا ہے۔ یہ قصورِ فہم ہے۔ صحیح یہ ہے کہ نعت گوئی نے حفیظ تائبؔ پر احسان کیا ہے۔ آج وہ اس شعبے میں جس مقام پر ہیں وہ نعت گوئی کی دین ہے۔ اس ایک بات کو چھوڑ کر احمد ندیم قاسمی نے حفیظ تائب کی نعت نگاری کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے سچ لکھا یعنی اظہار کی پختگی' طرزِ اظہار کا تنوع' نئی نئی بحریں' طویل اور بھاری بھرکم ردیفیں' نرم گفتاری' وجدانی کیفیت' ان سب کا ایک خوبصورت امتزاج حفیظ تائب کی نعتوں میں پایا جاتا ہے۔ کردار کی پاکیزگی' صفائے باطن اور اخلاص کی تاثیرات بھی بقول حافظ محمد فقیر افضل ان میں جھلکتی ہیں۔ انہیں عوامل کے اثر سے حفیظ تائب کی نعتوں میں اجالا ہے۔ حمد و نعت کو یوں مربوط کرتے ہیں گویا کہتے ہیں الحمد للہ رب العالمین والصلواۃ والسلام علی رسولہ الکریم۔

اٹھا کے ہاتھ اسی کو پکارتا ہوں میں
مقام جس کا ہے میری رگِ حیات کے پاس
کیا یہ خاص کرم اس نے نوعِ انساں پر
بنا دیا جو حبیب اپنا غمگسار اناس
حبیب وہ جو بنا کائنات کا نوشاہ
رسولؐ وہ جو ہوا اس کی شان کا عکاس
حبیب وہ جو محمدؐ بھی ہے تو احمدؐ بھی
سکھا گیا جو خدائی کو حمد و شکر و سپاس
کتاب اسؐ پہ اتاری تو وہ کتابِ مبیں
جو نورِ رُشد و ہدایت ہے قاطعِ وسواس
اسی نے مدحِ رسالت مآبؐ کی خاطر
دیا گداز لب و لہجہ کو زباں کو مٹھاس
رسولؐ اور نبیؐ بھیج کر اس نے تائب
دیا درس دنیا کو توقیر دیں کا

ترے محبوب کی توصیف میں لب کھولتا ہوں میں
بہاراں آشنا یارب مرے سوچوں کا صحرا کر

حمد الٰہی ثنائے رسولؐ اور دعائے خیر مستجاب ہوئی اور حفیظ تائب کو نعت رسولؐ کی بنیاد پر بلند بامی بخشی گئی۔ ان کا جذبہ نعت گوئی جوان رکھا گیا اور ان کے لفظ اجلے کر دیئے گئے۔ انہوں نے پنجابی شاعری کی مشہور صنف سی حرفی میں ایک تبدیلی کے ساتھ ایک زمزمہ درود اردو میں لکھا۔ حفیظ تائب کی نعت میں شیفتگی کے ساتھ نظم و ضبط بھی ہے۔ خاص عنوانات اور موضوعات کے ساتھ ایک لے بھی ہے۔ نور و ظہور کے اظہار میں کلام الٰہی اور سیرت رسولؐ کی جھلکیاں ہیں۔ نیاز و گداز میں جذب و شوق کی موجیں ہیں۔ قرب و حضور میں گنبد خضرا سے جان و دل پر اترتی ہوئی ضیائیں ہیں اور آخر میں یہ یقین ہے۔

کیا ہے نعت میں دیوان تائب
مری بخشش کا ساماں ہو گیا ہے

جیسے غالب نے نعت میں یہ شعر کہہ کر اپنی بخشش کا سامان کر لیا تھا۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

لیکن تائب اسی پر بس نہیں کرتے۔ وہ جاذب قریشی کے الفاظ میں۔ "عربی اور فارسی کی لفظیات کے درمیان اردو کے لفظوں کو ایسی عاجزی سے لکھتے ہیں کہ نعت کا داخلی و خارجی وجود اجالے کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔" چنانچہ وہ ایسی دعا مانگتے ہیں جس میں نعت نگاری کی جان سمٹ آتی ہے۔ ان کے دوسرے نعتیہ مجموعے سے یہ دعا:

یارب! ثنا میں کعبؓ کی دلکش ادا ملے
فتنوں کی دو پہر میں سکوں کی ردا ملے
حسانؓ کا شکوہ بیاں مجھ کو ہو عطا
تائید جبرئیلؑ بوقت ثناء ملے
بوصیریؒ عظیم کا ہوں میں بھی مقتدی
بیماریٔ الم سے مجھے بھی شفا ملے
جامیؒ کا جذب، لہجۂ قدسیؒ نصیب ہو
سعدیؒ کا صدقہ شعر کو اذن بقا ملے

دل بستگی ملے مجھے لطف و امیر کی
کافی کے علم و عشق سے رشتہ مرا ملے
آئے قضا شہیدیؒ خوش بخت کی طرح
دوری میں بھی حضوریٔ احمد رضاؒ ملے

مجھ کو عطا ہو زورِ بیانِ ظفر علی
محسن کی ندرتوں سے مرا سلسلہ ملے
حالی کے درد سے ہو مرا فکر استوار
ادراکِ خاص حضرتِ اقبال کا ملے
جو مدحتِ نبیؐ میں رہا با مراد و شاد
اس کاروانِ شوق سے تائب بھی جا ملے

ڈاکٹر وحید قریشی نے اسی لئے کہا ہے کہ "تائب نے جو کچھ کہا ہے اسے تخلیقی سطح پر محسوس بھی کیا گیا ہے۔"
چنانچہ اس کاروان شوق میں حفیظ تائب اپنے امتیاز کے ساتھ شریک ہیں۔ خود شاعر کے اپنے الفاظ ہیں۔

لب کھلے جب نبیؐ کی مدحت میں
پھول کھلنے لگے طبیعت میں

پاکستان کے اولین دارالحکومت اور قائد اعظم کی آخری آرام گاہ والے شہر کراچی اور پاکستان کے دل شہر لاہور کے درمیان ایک اہم تاریخی شہر ملتان واقع ہے۔ یہاں عاصی کرنالی رہتے ہیں۔ انکا تادم تحریر آخری نعتیہ مجموعہ "حرف شیریں" (1993ء) ہدست ہے۔ اس کا انتساب یوں ہے۔

غزوہ احد کے حوالے سے سیرۃ النبیؐ کا ایک اقتباس:

"انصار میں ایک عفیفہ کے باپ' بھائی' شوہر سب اس معرکے میں مارے گئے تھے۔ باری باری تین جاں،ثوں کی صدا اس کے کانوں میں پڑتی جاتی تھی لیکن وہ ہربار صرف یہی پوچھتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بخیر ہیں۔ اس نے پاس آکر چہرہ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھی "کل مصیبتہ بعدک جلل" تیرے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔

میں بھی اور باپ بھی' شوہر بھی' برادر بھی فدا
اے شہ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

محبت وایثار اور صبروشکر کے اسی عظیم پیکر انصاری خاتون کے نام۔ سبحان اللہ کیا ایمان افروز انتساب ہے!
عاصی کرنالی جیسے خوش خیال وخوش بیان نے دعا کی:

اب نہیں ہوگا رسولانِ محبت کا ظہور
کبریا! اپنے رسولوں کی محبت بھیج دے

لیکن اس سے پہلے کہ وہاں سے زبان بے صدا کو لفظ اور خامہ بے نقش ورنگ کوئی عبارت ملتی اپنے آپ سے کہنے لگے:

اے ثناء گوئے سید الکونین خود کو اس منزلت کے قابل کر

خود کو رکھ عشق کی کسوٹی پر　　چہرہ آئینے کے مقابل کر
نعت کو کار بے خودی نہ سمجھ　　دل کو علم و خبر کا حامل کر
جان اس راہ کے نشیب و فراز　　جوش کو ہوش کا مماثل کر
تیغ براں ہے تیز تر ہے یہ راہ　　یک نفس بھی نہ خود کو غافل کر
نعت کی حرمتیں نگاہ میں رکھ　　نعت کیا ہے؟ شعور حاصل کر
دل میں ہو عشق لب پہ نغمۂ مدح　　طوفِ گُل صورت عنادل کر
چل پڑا ہے تو خامۂ فن کو　　صد سلامت روی پہ مائل کر
ذات کو انؐ کی حب میں گم کردے　　اپنے پورے وجود کو دل کر
ہے ادب آفریں حضورؐ کی ذات　　اپنی دانش کو انؐ کا سائل کر
دل کی سچائیوں کو شعر میں ڈھال　　صدق سے مدحت فضائل کر
اپنے حرف و بیاں کی رگ رگ میں　　اپنا خون جگر بھی داخل کر
حسنِ فن بھی جمالِ معنی بھی　　لائق پیشکش بنیں مل کر
ہر کلی کو گلِ بہار بنا　　ہر ستارے کو ماہِ کامل کر
سرور دیںؐ قبول فرما لیں　　ایسے مہکے گل ثناء کھل کر
مدح سیرت جو کی تو خود کو بھی　　پیرو اسوہ ہائے کامل کر
یعنی جب نعت کر چکے تخلیق　　نعت کو اپنے دل پہ نازل کر

اس پیاری نظم میں عاصی کرنالی نے بہت خوبصورت اور دلنشیں شعری انداز میں آداب نعت گوئی بتادیئے ہیں۔ ایک اور دوسری نظم میں اسی انداز میں یہ بھی بتایا ہے کہ نعت کیا ہے؟ ذکر کی محفل جمانا' دل میں دید کی طلب رکھنا' اس عہد پر آزار میں زخم کھا کر مسکرا دینا' نفرتوں کی گرد کو دھودینا اور بغض کے شعلوں کو بجھادینا' چاہتوں کے پھول برسانا' عدل کے موتی لٹانا' راہ کے کانٹے ہٹادینا' چہرہ در چہرہ لوگوں کو آئینہ دکھانا' مسند پر بیٹھ کر خود کو خدا سمجھنے والے کو آخری صف میں لے جانا' ہر بدی' شیطنت' فتنہ اور تخریب کو قبر میں گہرا دبادینا' صداقت' شرف' اور حرمت کردار کو وقت کا سکہ بنادینا' خیر کے راستوں کو شر کے پتھروں سے صاف کرکے پھر سے اس کے چشمے رواں کردینا' الغرض مدح جمال مصطفےؐ کرتے ہوئے جلوہ سیرت دکھادینا بھی نعت ہے۔ ''حرف شیریں'' سے چند اشعار:

زندان غم میں تیری شعاع خیال نے　　دیوار میں شگاف کیا در بنا دیا
کن پتھروں کو تو نے کیا آئینہ مثال　　کن آئینوں کو صاحب جوہر بنا دیا
یہی بہشت سماعت یہی بہشت کلام　　حدیث دوست ترا سلسلہ دراز رہے
در فیض سے جب تعلق ہوا　　ملا کس قدر کس قدر کس قدر

سورج کے علاقے میں کہیں بھی ہو سکونت ہم رہتے ہیں طیبہ میں کہیں بھی ہو سکونت
ان کی شفقت کے سوا کون ہے محسن میرا وہ نظر رکھتی ہے عاصی مجھے زیرِ تعلیم

"حرفِ شیریں" سے پہلے بھی عاصی کرنالی مدحت میں نعتوں کے گلاب کھلا چکے ہیں۔ نظم و نثر کی کئی کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔

ملتان سے کراچی کی واپسی سے پہلے ہمیں ایک بار پھر لاہور جانا ہے۔ راجا رشید محمود آواز دے رہے ہیں۔ طویل علالت میں مبتلا رہنے کے بعد نعت گوئی کی برکت سے شفا پا کر بہت خوش ہیں۔ انہوں نے ان نعتوں کو علامہ شرف الدین، ابو عبداللہ محمد بوصیریؒ کے نام معنون کر کے "ورفعنا لک ذکرک" کے نام سے ایک مجموعہ 1977ء میں شائع کیا۔ جو دوسری بار 1981ء اور تیسری بار 1993ء میں چھپا۔ میدان سخن نعت کے اس نووارد کے لئے ڈاکٹر سید عبداللہ نے لکھا۔ "شاعر نے ادبی اور فنی تقاضوں اور نعت کی جملہ پابندیوں کو حسن و خوبی کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے۔ بعض اوقات الفاظ کی نشست ایسی ہوتی ہے کہ معنی ذہن میں خود بخود جگمگا اٹھتا ہے۔ مناسب اور موزوں تلمیحات بھی دکھائی دیں گی۔" نعتوں کا یہ مجموعہ راجا رشید محمود کی اولین کاوش ہے اور ان کو بامراد کرتا ہے۔ وہ خوش ہیں اور ایک مجلّہ "نعت" کے نام سے شائع کرتے ہیں۔ متذکرہ بالا مجموعے سے ان کے کلام کا انتخاب:

دن پہ بھی رات کا منظر تھا مسلط پہلے
روئے پُر نور سے ہر صبح کے تیور چمکے

خدا بھی اور قدسی بھی ہوئے ہیں ہم زباں میرے
کبھی آیا جو میرے لب پہ "صلوا" یا رسول اللہ

روح بھی شاداب ہو ہی جائے گی
ذکر آقاؐ میں زباں تر چاہئے

سرکارؐ کے قدموں میں آجائے کہو اس سے
جو شخص گرفتار آزار نظر آئے

سرکارؐ کے غلام کو کیا اس سے واسطہ
وہ شے کشا کش غم دنیا کہیں جسے

رحم فرمایئے کہ دور جدید
ہے بہت پُر فتن مرے آقاؐ

کرے جو ہم کو مقامِ رسولؐ سے آگاہ
اس آدمی کی محبت خدا نصیب کرے

راجا رشید محمود کے جذبہ عقیدت میں تیزی اور حرکت ہے۔ وہ جوش ارادت میں زیادہ آگے جانا چاہتے ہیں۔ اکثر و بیشتر روئے سخن حضورؐ کی طرف رکھتے ہیں اور اپنی عرض پیش کرتے ہیں۔ کبھی تو، کبھی تم اور کبھی آپ سے خطاب کرتے ہیں۔ شاید وارفتگی کا یہی انداز شاعر کو اس کا مقام دے گیا ہو۔ کچھ باتیں مداح اور ممدوح کے درمیان کی بھی ہوتی ہیں۔ لیکن اب تو اور تم سے خطاب کرنا ترک کر چکے ہیں۔ راجا رشید محمود کا انداز نعت نگاری سادہ لیکن پر تاثیر ہے۔

اب قائد اعظم کا شہر کراچی ہمارا منتظر ہے۔ ہم نے کراچی کی بات سیماب اکبر آبادی سے شروع کی تھی۔ اسی شہر میں ایک سنجیدہ مزاج لیکن جواں فکر شاعر قمر وارثی بھی موجود ہے۔ غزل کہتا تھا۔ اب نعت کہتا ہے اور منقبت بھی۔ پہلا نعتیہ مجموعہ "شمس الضحیٰ" (1986ء) اور دوسرا "کہف الوریٰ" (1995ء) ہے۔ قمر وارثی نے دل کی معرفت آئینہ الفاظ تک رسائی حاصل کی ہے۔ اس آئینے میں سرور عالمؐ کی سیرت کا عکس دیکھ کر نعت نگاری میں قابل رشک مقام حاصل کر لیا۔ حسنِ عقیدت، صحتِ فکر، جذبۂ محبت، صداقتِ احساس، اظہارِ صداقت، اور سلامتیٔ ایمان سے اس کی نعتیں بھیگی ہوئی ہیں۔ یہ نعتیہ شاعری اردو ادب کے اس شعبے میں ایک اضافہ ہے۔ بزرگ نعت گو شعراء او مستند نقادوں سے داد و تحسین وصول کر چکے ہیں۔ یہ قمر وارثی کے لئے ایک اعزاز ہے جو دربار رسولؐ سے انہیں عطا ہوا۔ "شمس الضحیٰ" سے "کہف الوریٰ" تک کا سفر ارتقاء اور بلندی کا سفر ہے۔ حُبِ رسولؐ، یادِ رسولؐ، اتباع رسولؐ سے فکری و عملی نسبت، منزلت مابیٰ، حاضری کی کیفیات، شہر نبیؐ سے جذباتی وابستگی۔ ان سب عوامل نے مل کر قمر وارثی کی فکر کو جذبۂ دل سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔ یہ رنگا رنگ احساس کی نزاکت سے مل کر اپنے خوبصورت اظہار کے لیے تازہ اسلوب اور نئی طرز کی راہیں تراشتی ہے۔ قمر وارثی نعتوں میں غزل کی فارم استعمال کرتے ہیں۔ لیکن موضوعات کے تنوع اور بیان کی وسعت کی بنا پر اس میں نظم کا رنگ بھر دیتے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری میں حسن زبان کے ساتھ رعنائی بیان بھی اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ ردیف و قوافی کا استعمال طبع رسا کی اپج اور طرز بیان کے انوکھے پن کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کی نعتیہ محفل میں گم کر دینے والی جو کیفیت ہے اس میں بہت کچھ پایا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی عمر کے لحاظ سے جلد ہی وہ پختگی حاصل کر لی جو کہنہ سال مشاق شعراء کے یہاں بھی کم پائی جاتی ہے۔ "شمس الضحیٰ" سے چند اشعار:

وابستہ رکھ حضورؐ سے دامن حیات کا
اے دل یہی ہے ایک ذریعہ نجات کا

کاش مل جائے جبیں کو خاک پائے مصطفےؐ
میرے چہرے کو بھی حاصل چہرگی ہو جائے گی

عجیب غم ہے غم مصطفےؐ کہ ہم جیسے
ہزار غم ہو مگر دل کو شار رکھتے ہیں

نصیب جب سے ہوئی یاد مصطفےؐ کی سحر
نہ صحنِ دل نے قمر پھر شبِ الم دیکھی

ملا سرمایۂ عشق نبیؐ کیا
مقدر کا سکندر ہو گیا ہوں

زبان و دل پہ جو مدحت حضورؐ کی آئی
تو حرف حرف سے خوشبو گلاب سی آئی
اس اعتقاد پہ ہم اعتماد رکھتے ہیں
حضورؐ اپنے غلاموں کو یاد رکھتے ہیں

"کہف الوریٰ" سے انتخاب:

جو لب تلاوتِ اُمّ الکتاب کرتے ہیں
بیاں صفاتِ رسالت مآبؐ کرتے ہیں

وہ منزل ہے درِ محبوب ربّ العالمین جس میں
محبت شرط ہوتی ہے عمل دستور ہوتا ہے

منزلِ مقصدِ ہستی کی سند رکھتا ہے
نقشِ پائے شہ والاؐ سے نظر کا رشتہ

منکشف یہ راز آنکھوں نے کیا برسا کے پھول
مہرباں ہیں کس قدر یادِ شہ والاؐ کے پھول

گردِ راہِ کوچۂ آقاؐ ہوئے تو پا گئے
روشنی تقسیم کرنے کا ہنر میں اور چراغ
جب سے دیکھا ہے فضائے کوچہ طیبہ کا رنگ
گفتگو کرتا ہے مجھ سے عالم بالا کا رنگ
جس قدر جنبش بنام مصطفےٰؐ دیتے رہے
ہم لبوں کو لہجۂ بادِ صبا دیتے رہے
روشن کئے چراغِ رہِ زندگی قمر
لے کر حروفِ مدحتِ خیرالبشر سے کام

شہر قائد اعظم کراچی سے ایک اور تازہ تازہ نوجوان 'توانا' مضبوط' اور پر یقین' نعت کی آواز ابھری ہے۔ پہلے

اس نے عصر حاضر کے ایک منظم اور بظاہر مضبوط نظام سے انکار کی للکار آزاد نظم میں سنائی۔

کوئی مطلب ہی نہیں
مارکس کے فلسفہ جہدِ شکم سے ہم کو
کیا غرض ہم کو کہ لینن نے دیا کیا پیغام
ہم فرائڈ کے پجاری ہیں نہ ہیگل کے غلام

اس کے بعد وہ اسی لہجے میں ایک پر زور اقرار پر اصرار کرتا ہے۔

ہم تو یہ جانتے ہیں امن وسکوں کی خاطر
صرف درکار ہے دنیا کو محمدؐ کا نظام

اس کے ساتھ ہی وہ با آواز بلند کہتا ہے۔

کس وہم نے صدا دی 'کوئی آپؐ کا مماثل؟
تو یقیں پکار اٹھا 'کبھی تھا نہ ہے نہ ہو گا
مرے دامن طلب کو ہے انہیں کے در سے نسبت
کہیں اور سے یہ رشتہ 'کبھی تھا نہ ہے نہ ہو گا

اس پکار میں جو طلب ہے اس طلب میں جو خلوص ہے اس خلوص میں جو سچائی ہے وہ اس نوجوان شاعر کے یہاں افراط سے ملتی ہے اور یوں ملتی ہے۔

انؐ کی نسبت سے دعاؤں کا شجر سبز ہوا
ورنہ نکلتا ہی نہ تھا بے ثمری کا موسم

یہ آواز صبیح رحمانی کی ہے اور ان کے دوسرے نعتیہ مجموعے جادہ رحمت (1993ء) میں ریکارڈ ہے۔ یہ ایک خوبصورت نعتیہ تخلیق ہے۔ اس میں صبیح رحمانی حضور نبویؐ میں جالیوں کے سامنے نہایت ادب و احترام کے ساتھ نظریں جھکائے ایک جذب کے عالم میں دست بستہ کھڑے ہیں۔ بصیرت کے گلابوں نے مہک کر ان کی آنکھوں کے سب خواب روشن کر دیئے ہیں۔ یہاں تک کہ شاخ نظر پر رویت کا گلاب بھی کھلا ہوا ہے۔ ان کی نعتوں میں روشن فکری کا اجالا ہے۔ کہتے ہیں:

نورِ سرکارِ دو عالمؐ کو پکارا میں نے
جب اندھیروں کے قدم وادیٔ جاں تک پہنچے
نکل آئیں گے حل سب مسئلوں کے چند لمحوں میں
حیاتِ مصطفیٰؐ کو سوچنا اول سے آخر تک
زباں کو تابِ گویائی نہیں رہتی مدینے میں
صدا دیتی ہے لیکن چشم تر آہستہ آہستہ

حرا کے سوچتے لمحوں کو زندہ ساعتیں لکھ کر
صفا کی گفتگو کو آبشارِ آگہی ، لکھوں

ہو دل کا نور ، نگاہوں کا نور ، علم کا نور
ہر ایک نور کو نسبت مہ عرب سے ہے

آپؐ کے فلسفے کے بعد حضورؐ
فلسفے ہیں فضول سب کے سب

صد شکر اے صبیح کہ توصیفِ مصطفےٰ
عنواں مرے ادب کا ، مری شاعری کا ہے

صبیح نے غزل کی فارم کے علاوہ آزاد نظم اور ہائیکو کی فارم بھی نعت کے لئے استعمال کی ہے۔ تین خوبصورت ہائیکو دیکھیے۔

۱: لکھیے انؐ کا نام
آ جلے موسم اتریں گے
دل پر صبح و شام

۲: یادِ پیغمبرؐ
روز چراغاں کرتی ہے
میری پلکوں پر

۳: صرف مدینے میں
اور کہاں پر آگتے ہیں
سورج سینے میں

جادہ رحمت پر رواں ہونے سے پہلے صبیح رحمانی "ماہ طیبہ" (1990ء) کی پوری چاندنی میں نہا چکے تھے۔ اس شعلے کی بدولت جو ایک پاکیزہ روشنی اور حرارت دے رہا تھا۔ وہ اہل فکر و نظر کے حلقوں میں نہ صرف متعارف ہو گئے بلکہ پسند بھی کئے جانے لگے۔ ان کی ابتدائی نعتیہ شاعری کی اٹھان سے ہی دیکھنے والوں نے ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات دیکھ لئے تھے۔ "ماہ طیبہ" سے چند اشعار:

روحِ اسلام کا مفہوم ادا ہو جائے
ملے اخلاق سے انسان جو انسان کے ساتھ

حق نے کونین پر کیا لازم
آپؐ کا احترام صاحب جی
آپؐ کے نام سے مقبول ہے کاوش میری
ورنہ میں کیا' مرے اشعار میں کیا رکھا ہے
ہم کو بھی صبیح اُس درِ رحمت نے نوازا
جس درپہ ہوئے صاحبِ دستار بہت سے

عصر حاضر میں نعت نگاری کی یہ صرف چند مثالیں ہیں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ بے شمار اچھی اچھی معیاری نعتیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جارہی ہیں۔ بہت سا نعتیہ کلام اپنے اندر بڑا وزن اور جاذبیت رکھتا ہے۔ حالی کی شاعری سے پہلے کا رنگ بھی اپنی دلکشی رکھتا ہے۔ البتہ حالی کے رنگ سے کئی دھنک رنگ ظاہر ہوئے جنہوں نے نعت نگاری کے افق کو وسیع کیا۔ نگاہوں کو نئے منظر دیئے۔ وقت کے تسلسل کی طرح سے قدیم رنگ جدید رنگ میں ضم ہوگیا۔ زبان کا ارتقائی عمل بھی اس تبدیلی میں شریک ہے۔ بات کہنے کا جدید انداز بھی اس میں شامل ہے۔ اور نئی لفظیات نے بھی اپنا جامہ اختیار کیا ہے۔ نئے معانی بھی الفاظ میں در آئے ہیں۔ نئے علوم سے شناسائی اور سائنس کے انکشافات نے بھی نئے امکانات دیئے ہیں۔ نئے طرز احساس نے بھی اپنے گُل کھلائے ہیں۔ نئے اسالیب زیر استعمال آئے ہیں۔ بنیادی بات یہ بھی ہے کہ جس نعت کے پس منظر میں ان عوامل کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کے بے کنار علوم کا مطالعہ موجود ہے اس نے نعت نگاری کے حالیہ منظر کو ایسا دلکش اور اتنا جاذب توجہ بنادیا ہے کہ جس طرف دیکھو نئے نئے کرشمے دامن دل کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ قدیم رنگ مولانا احمد رضا خان اور دیگر شعراء کی نعتوں کا عالم کیف و سرور اور ذوق و شوق کا وفور آج بھی دلوں کو متاثر کرتے ہیں تو جدید شعراء کی نعتیں بھی اپنا گہرا اثر رکھتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ نعت نگاری اپنے پھیلاؤ میں ایک سمندر سے کم نہیں۔ کہیں قدیم و جدید کے سمندر آپس میں مل جاتے ہیں اور کہیں اپنی واضح حد بندی کے ساتھ دیکھنے والوں کو حیران کردیتے ہیں۔ کہیں سمندر میں جدید نعت کی لہریں رواں ہیں اور کہیں جدید سمندر میں قدیم نعت کے مزاج کی رو بہتی دکھائی دیتی ہے۔ یہ بوقلمونی اور یہ رنگا رنگی ان مختلف کیفیات کی عطا ہیں جو نعت گو پر طاری رہتی ہیں اوجو زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہیں۔ محبتوں' عقیدتوں اور ارادتوں کی خوشبوئیں کسی مخصوص فضا کی حدود کی پابند نہیں ہوتیں۔ چنانچہ غیر مسلم شعراء بھی اس وقت بے اختیار مدحت رسولؐ پر مجبور ہوگئے جب ان کی فکر نے حُبِ رسولؐ کو کسی درجے میں بھی محسوس کیا اور ان کے انسانی شعور نے اس سرزمین کی وہاں وہاں تک سیر کرائی جہاں جہاں تک وہ ان کو لے جاسکتا تھا۔ کیونکہ یہ انسانی عظمت کی بات ہے۔ ورنہ تو بقول امام ابو حنیفہؒ اے کملی والے! آپؐ کے اوصاف جمیلہ بیان کرنے سے بڑے بڑے شعراء عاجز رہ گئے ہیں۔ آپؐ کے اوصاف عالیہ کے سامنے زبانیں بند ہوجاتی ہیں۔ ادیب رائے پوری کہتے ہیں:

تری مدح و ثنا کا سلسلہ اے سیدِ عالم[۳]
خدا جانے کہاں سے ہے خدا جانے کہاں تک ہے

حالی سے بھی پہلے غالب نے فارسی میں کہا تھا۔

آئینہ دار پر تو مہر است ماہتاب
شانِ حق آشکار زشانِ محمدؐ است
غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

بہت سے شاعروں نے سورہ فتح کی آخری آیت کے مصداق مدحتِ رسولؐ کے ساتھ اصحابِ رسولؐ کی مدحت بھی بیان کی ہے اور مولانا ظفر علی خان کے جذبے کو اپنایا ہے۔ آپؐ کے گھر والوں کی خدمت میں بھی اپنا نذرانہ نیاز پیش کیا۔ خان شاہد اکبر آبادی نے تو یہ منقبتیں نہایت پر تاثیر انداز میں صنفِ تاریخ گوئی سے متعلق اپنی تصنیف "جلوۂ خورشیدِ حرم" میں پیش کر کے ایک بالکل ہی نئی طرح ڈالی ہے۔

عصر حاضر کی نعتوں کا ایک عظیم الشان ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔ اس میں برابر اضافہ ہوتا ہی چلا جا رہا ہے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ اگر چند منتخب لیکن مشہور و معروف نعت گو شعراء کے کلام کو بھی تنقید کی نظر سے دیکھا جائے تو اس میں زبان و بیان کی بے احتیاطیوں کے ساتھ معنوی بے اعتدالیاں بھی نظر آتی ہیں۔ اس سے "شاید ہی کوئی بچا ہوا ہو۔ بہر صورت خود تنقیدی نظر سے بھی کام لینا چاہیے اور دوسروں کی نشان دہی پر اپنی اصلاح کا دروازہ کھلا رکھنا چاہیے۔ بصورت دیگر کاوشیں رائیگاں بھی ہو سکتی ہیں ایسی صورت حال سے خدا ہر نعت گو کو محفوظ رکھے۔

عصر حاضر میں نعت نگاری کے سلسلے میں جو تحقیقی کام ابتک ہوا ہے وہ خاصا وسیع ہے لیکن اس میدان میں ابھی گنجائش موجود ہے۔ تحقیق کے علاوہ تنقیدی سلسلے کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔ اور نئے نئے گوشے سامنے آ رہے ہیں۔ البتہ اعتدال و توازن کی ضرورت ہے۔ نعت نگاری کا میدان ہر لحاظ سے بہت وسیع ہے۔ بہت سے موضوعات ہیں اور ہر موضوع ایک الگ مقالہ چاہتا ہے۔ کام کرنے والے کام کر رہے ہیں اور اپنی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔ مختلف جرائد و رسائل بھی ان کاموں میں بقدر استطاعت حصہ لے رہے ہیں اور بہت مفید مواد پیش کر رہے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ انشاء اللہ اس میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عصر حاضر کے شعراء میں سے چند کے دو دو شعر پیش کر دیئے جائیں جن سے عصری نعت کے مزاج کی مزید تصدیق ہو سکے گی لیکن سچ تو یہ ہے کہ یہ ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے اور عطائے پروردگار کا نہ حساب ہے نہ شمار ہے۔ اس لئے بعض لوگ قدیم و جدید میں تفریق روا نہیں رکھتے۔ بقول علامہ اقبال:

زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری قصۂ قدیم و جدید

لیکن کچھ لوگ قصہ قدیم و جدید میں دلیل کم نظری کے طور پر نہیں بلکہ عصری مزاج کے حوالے سے گفتگو کے

پہلو نکال ہی لیتے ہیں اور یہ کچھ ایسا غلط بھی نہیں۔ تغیرات زمانہ کے اثرات ضرور نمایاں ہوتے ہیں۔ تو عصری نعت کا مزاج دیکھیے۔ احسان دانش۔

اے زہے تقدیر یہ نکلا محمدؐ کا مقام
کوئی انسان و خدا کے درمیاں درکار تھا
قافلے کو منزل انسانیت کے واسطے
نسلِ انساں سے امیرِ کارواں درکار تھا

احمد ندیم قاسمی۔

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ ترے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایا تیرا
پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

ادیب رائے پوری۔

خدا کا ذکر کرے ذکرِ مصطفیٰؐ نہ کرے
ہمارے منہ میں ہو ایسی زباں خدا نہ کرے
درِ رسولؐ پہ ایسا کبھی نہیں دیکھا
کوئی سوال کرے اور وہ عطا نہ کرے

اِرتضا عزمی۔

نعت پڑھتا ہے کوئی دل سے تو جبریل امیںؑ
اس کی آواز میں آواز ملا دیتے ہیں

وہ کون سا گوشہ ہے حیاتِ بشری کا
احسان نہیں جس پہ رسولِ کریمؐ کا

اعجاز رحمانی۔

ڈوبتا جائے حیرتوں میں قلم
جس قدر تیرے واقعات لکھوں
تو نے بخشا ہے خیر و شر کا شعور
دن کو پھر کس طرح میں رات لکھوں

اقبال عظیم:-

اثاثہ بوریا اور کالی کملی
مگر رتبہ شہِ ارض و سما ہے
دیا مٹی کا حجرے کا مقدر
مگر حجرہ نشیں بدر الدجیٰ ہے

انور شعور:-

سروں کی بھیڑ میں انسان ڈھونڈنے والو
جمالیات کے ایوان ڈھونڈنے والو
نگاہ کھول کے دیکھو جمال سامنے ہے
محمدِ عربی کی مثال سامنے ہے

بسمل آغائی:-

انؐ کے در سے تو سب کچھ ملے گا مگر
اپنا کردار بھی دیکھنا چاہیے
اپنی قسمت پہ نہ کیوں ناز کرے وہ امت
جسکو قرآن ملا، تم ملے، اسلام ملا

تابش دہلوی:-

محمدؐ دین بھی میرا، محمدؐ میری دنیا بھی
عقیدت کا یہی مسلک، ضرورت کا یہی رشتہ
تمام روحِ لطافت سے ہمکنار آیا
مدینے جاکے میں گردِ وجود اتار آیا

جاذب قریشی:-

زخموں کی قبا ہوکے گلابوں کی ردا ہو
وہ رنگ ملے صل علیٰ جس پہ لکھا ہو
بجھ جاؤں اگر پیرہن عشق کو بدلوں
جل جاؤں اگر ذہن تجھے بھول گیا ہو

جوش ملیح آبادی:-

اے کہ تیرے جلال سے ہل گئی بزم کافری
رعشۂ خوف بن گیا رقص بتان آذری

تجھ پہ نثار جان و دل مڑکے ذرا یہ دیکھ لے
دیکھ رہی ہے کس طرح ہم کو نگاہِ کافری

حفیظ ہوشیار پوری۔

ظہورِ نورِ ازل کو نیا بہانہ ملا
حرم کی تیرہ شبی کو چراغِ خانہ ملا
تیری نظر سے ملی روشنی نگاہوں کو
دلوں کو سوز تب و تاب جاودانہ ملا

خان شاہد اکبر آبادی۔

خاکِ درِ سرکارؐ کو آنکھوں سے لگاؤ
ہر زاویہ ہر رخ سے نظر آئے مدینہ
جس شان سے اترا مرے سرکارؐ پہ قرآن
ویسے ہی مرے دل میں اتر آئے مدینہ

رئیس امروہی۔

عہد نو کی ضد کہ روحِ ارتقا نافذ کرو
قلب کہتا ہے کہ عشقِ باصفا نافذ کرو
عقل کہتی ہے فقط سود و ربا نافذ کرو
عشق کہتا ہے نظامِ مصطفےٰؐ نافذ کرو

سلیم کوثر۔

اُس کی شاخوں پہ آکر زمانوں کے موسم بسیرا کریں
اک شجر جس کے دامن کا سایا بہت اور گھنیرا بہت
بے یقیں راستوں پر سفر کرنے والے مسافر سنو
بے سہاروں کا ہے اک سہارا بہت نبی والاؐ بہت

سرور بارہ بنکوی۔

اللہ اللہ میری قسمت ، ایسا رتبہ اور میں
جاگتی آنکھوں سے دیکھوں خوابِ طیبہ اور میں
میں جہاں پر ہوں وہاں محسوس کرتا ہوں سرور
جیسے پیچھے رہ گئے ہوں میری دنیا اور میں

صادق دہلوی۔

علم ہو کہ دانش ہو، عقل ہو کہ حکمت ہو
روشنی جہاں دیکھی، نورِ مصطفیٰؐ پایا
جب کبھی قدم رکھا راہِ منزل حق میں
نقش پائے احمدؐ کو ہم نے رہنما پایا

عنایت علی خاں۔

میں تیرے مزار کی جالیوں ہی کی مدحتوں میں مگن رہا
ترے دشمنوں نے ترے چمن میں خزاں کا جال بچھادیا
یہ مری عقیدتِ بے نصیب یہ مری ارادتِ بے ثمر
مجھے میرے دعویٰ عشق نے نہ صنم دیا نہ خدا دیا

ماہرالقادری۔

رسولِ مجتبیٰؐ کہیے، محمد مصطفیٰؐ کہیے
خدا کے بعد بس وہ ہیں پھر اس کے بعد کیا کہیے
شریعت کا ہے یہ اصرار ختم الانبیا کہیے
محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب خدا کہیے

محشربدایونی۔

اس کو کہتے ہیں تکمیلِ انسانیت
ساری اچھائیاں ایک انسان میں
ہم نبیؐ کی محبت سے باہر کہاں
یہ محبت تو شامل ہے ایمان میں

محشر رسول نگری۔

انسانیت . ملے گی یہیں کائنات میں
تکمیل پاچکی ہے محمدؐ کی ذات میں
یہاں قدر ہوتی ہے اخلاص دل کی
یہاں آپ جھکتا ہے سر اللہ اللہ

نصیرکوثی۔

کھلا یہ راز طلب گار جادہ حق پہ
کہ روشنی کا پتہ روشنی سے ملتا ہے

ہے اس کے ذہن میں تلقین مصطفیٰ اب بھی
جو آشنا کی طرح اجنبی سے ملتا ہے

وحیدہ نسیم۔

حامد ہے تیرا وصف محمدؐ ہے تیرا نام
رتبہ ترا بلند ہے اعلیٰ ترا مقام
کٹ جائے ساری عمر ترے ذکر پاک میں
مل جائے میری خاک مدینے کی خاک میں

سب سے آخر میں جی چاہ رہا ہے میں بھی ایک نعتیہ شعر پیش کروں اور اجازت لوں۔

حل علی وہ آپ کے پیکر میں ڈھل گیا
جو حسن تھا تخیل رب ودود میں

استفادہ:

مدارج النعت از ادیب رائے پوری' رسول رحمت مرتبہ مولانا غلام رسول مہر' نقوش رسول نمبر' ہم اوج نعت نمبر جلد اول و دوم' جلوہ خورشید حرم' از خان شاہد اکبر آبادی' مختلف شعراء کے نعتیہ دواوین' بعض شعراء کے نعتیہ مجموعوں پر اپنے مضامین۔ نعت رنگ شمارہ اول۔

دبستان کراچی کی نعتیہ شاعری

صبیح رحمانی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی تہذیب وثقافت کا اصل جوہر ہیں۔ شعروادب میں اس کا اظہار نعتیہ شاعری کی صورت میں ہوا ہے اردو شعروادب کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں نعت نہ کہی گئی ہو بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اردو شاعری کا کوئی تصور بغیر نعتیہ شاعری کے ممکن ہی نہیں ہے۔ ہمارے روایتی شعراء کے دواوین کا آغاز ہی حمد ونعت سے ہوتا ہے۔ عہد موجود میں بھی جدیدیت کے نام سے بھانت بھانت کی بولیوں اور گرماگرم بحث ومباحث کے شور میں بھی نعتیہ شاعری کی لے مدھم نہیں ہوئی ہے جدیدیت کے علم بردار شعراء جہاں دوسری اصناف سخن میں نئے نئے زاویئے تلاش کررہے ہیں۔ وہاں نعتیہ شاعری کو بھی جدید تر پیرائیہ اسلوب میں تازہ تر آہنگ کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ جدیدیت کی تحریک سے بہت پہلے سرسید تحریک کے زیر اثر بھی حالی نے نعت کی طرف خصوصی توجہ دی جس کے نتیجہ میں ان کا مسدس آج تک اردو نعتیہ شاعری کا ایک اہم سنگ میل تصور کیا جاتا ہے۔ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز سے نعت گوئی محض رسم نہ رہی بلکہ سنجیدہ ادب کی صورت اختیار کر گئی۔ پروفیسر ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے اردو نعت گوئی پر اپنے مطالعے میں اس پہلو پر گفتگو کی ہے ان کی گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ شہیدی، محسن کاکوروی اور امیرمینائی کے بعد حالی نے نعت گوئی و زندگی سے متعلق کیا ہے اور اقبال اور ظفر علی خان نے اسے شعروادب کا عنوان جلی بنادیا۔ پہلے شعراء تبرک اپنے مجموعوں میں ایک دو نعتیں شامل کرلیتے تھے اور آج نعت گوئی ان کے فن کی پرکھ قرار پائی ہے۔

شعر سخن کی مجموعی فضا میں جب ہم نعت گوئی کی مقبولیت کے حوالے سے دبستان کراچی کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نعتیہ شاعری دبستان کراچی کی اولیات میں شامل رہی ہے۔ قیام پاکستان کے وقت پاکستان میں لاہور اردو کا واحد بڑا علمی و ادبی مرکز تھا اور اگر بیسویں صدی کے شعروادب پر نگاہ ڈالی جائے تو لاہور کی ادبی فضا میں بہت تنوع نظر آتا ہے۔ خاص طور پر یہ مرکز نئے ادبی رجحانات کی آبیاری میں بہت آگے آگے رہا ہے اور یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے آتی ہے کہ اس تنوع اور گوناگوئی میں بھی ذکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیا تابی دوسرے رجحانات سے کم نہیں تھی۔

قیام پاکستان کے بعد کراچی کے سب سے بڑے اسلامی ملک کے دارالحکومت کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر ابھرا یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ مشرقی پاکستان کے الگ ہونے سے پاکستان اپنی اس حیثیت سے محروم ہوگیا۔ کراچی اور سندھ میں قیام پاکستان سے پہلے ہی شعروادب کا رواج عام تھا۔ اس خطے میں بھی آزادی کی جنگ اردو زبان کے ذریعے لڑی گئی۔ پاکستان بننے سے پہلے انجمن ترقی اردو کی شاخ قائم تھی۔

سالانہ مشاعرے پابندی کے ساتھ ہوتے تھے اور کئی ماہنامے بھی یہاں سے شائع ہوتے تھے۔ بہرحال یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں۔

پاکستان بننے کے بعد لاکھوں مہاجرین کے ساتھ اردو کے نامور اور عہد ساز شعراء بھی کراچی آئے۔ ان کی آمد کا مقصد محض اپنی جان بچانا نہ تھا بلکہ نئے ملک کی تعمیر میں فکری حصہ لینا تھا۔ ان شعراء میں سیماب اکبر آبادی، آرزو لکھنوی، بہزاد لکھنوی، جوش ملیح آبادی، ماہرالقادری، مولانا اکبر وارثی، رئیس امروہوی، نہال سہاروی اور قمر جلالوی جیسے اساتذہ شامل تھے۔ ان کے علاوہ اس قافلے میں صبا اکبر آبادی، ضیاالقادری بدایونی، رعنا اکبر آبادی، نازش دہلوی، تابش دہلوی، راز مراد آبادی، ذوالفقار علی بخاری، نسیم امروہوی، محشربدایونی، شاہ انصارالہ آبادی، اسعد شاہ جہاں پوری، ارمان اکبر آبادی، صبامتھراوی اور اقبال صفی پوری شامل تھے۔ جن کی آواز کی طرف قیام پاکستان سے پہلے ہی ادبی دنیا متوجہ ہو چکی تھی، ادیب سہارنپوری، وقار صدیقی، قمرہاشمی، اقبال عظیم، حنیف اسعدی شبنم رومانی اور سرشار صدیقی کی شعرگوئی بھی قیام پاکستان سے پہلے ہی شروع ہو چکی تھی یہ چند نام مثال کے طور پر پیش کئے گئے اور گمان یہی ہے کہ بہت سے اہم نام اس فہرست میں شامل نہیں ہوں گے۔ لیکن اس سے یہ اندازہ ضرور ہو جائے گا کہ دبستان کراچی کی داغ بیل یا دبستان کراچی کے آغاز میں کتنی بڑی ادبی آوازیں شامل رہی ہیں۔

افسرامروہوی، محمودہ رضویہ، آصف جاہ کاروانی اور علی محمد راشدی یہاں پہلے سے موجود تھے اور اردو اخبار و جرائد کے ذریعے ادب کی خدمت کر رہے تھے۔ 1947ء کے بعد سندھ کے وہ نوجوان اور بھی زیادہ مستعدی کے ساتھ اردو زبان کی خدمت کرنے لگے جو پہلے بھی کچھ نہ کچھ لکھتے رہے تھے۔ مثال کے طور پر قمرشیرانی اور مسرور کیفی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس فہرست میں اضافہ ہوتا رہا اور اہم نقاد اور نثرنگار بھی کراچی آگئے۔ مسلمہ ادبی رسائل کے مدیر بھی کراچی آئے اور انہوں نے ازسرنو اپنے سفر کا آغاز کیا۔ ان مدیروں اور نثرنگاروں میں شاہد احمد دہلوی، مولانا رازق الخیری، مولوی عبدالحق، پروفیسراحمد علی، اختر حسین رائے پوری، ڈاکٹرابواللیث صدیقی، سید محمد تقی، جلیل قدوائی وغیرہ شامل تھے۔ بہت سے نام ذہن میں آرہے ہیں لیکن میں ان سے صرف نظر کرتا ہوں کیونکہ یہ دبستان کراچی کا نہیں بلکہ دبستان کراچی کی نعتیہ شاعری کا جائزہ ہے۔ لیکن اس پس منظر سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ اتنی بڑی ادبی شخصیات کے ہوتے ہوئے کراچی کو ایک ادبی دبستان یقیناً قرار دیا جاسکتا ہے۔ مزید برآں اس دبستان ادب کے خدوخال کو نمایاں کرنے میں ملی جذبات اور نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران ملی شاعری نے خاصا فروغ پایا اور ملی شاعری کا تصور بھی اللہ اور رسولؐ کے ذکر کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری شناخت بھی ہیں اور اساس ملت بھی۔

پاکستان آنے والے نعت گو شعراء میں مولانا اکبر وارثی کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ ان کا میلاد

برصغیر پاک و ہند میں بے حد مقبولیت حاصل کر چکا تھا اور ان کا سلام "یا نبیؐ سلام علیک" تو اردو کے زندہ جاوید سلاموں میں سے ایک ہے جو وردِ زبان خاص و عام ہے۔ ان کے علاوہ سیماب اکبر آبادی کا نام بڑی اہمیت رکھتا ہے ان کا مجموعہ "سازِ حجاز" ان کی نعت گوئی کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے' وہ ان شعراء میں ہیں جنھوں نے کئی اصناف سخن کو نعت گوئی کے لیے کامیابی سے برتا ہے۔

نعت کے حوالے سے دوسرے بڑے شعراء میں بہزاد لکھنوی' منور بدایونی' ضیا القادری بدایونی شامل ہیں ان کی نعت گوئی میں شخصی جزب و کیف زیادہ نمایاں ہے۔ جب کہ مولانا ماہرالقادری ایک اسلامی تحریک سے وابستہ تھے اور اسلامی نظام کے قیام کے لیے جدوجہد کرنے والوں میں پیش پیش تھے۔ اس لیے ان کی نعت گوئی میں اجتماعی رنگ غالب ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مولانا کے ہاں شخصی سطح پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اور ذکر شامل نہیں۔

محمدؐ کی نبوت دائرہ ہے نور وحدت کا
اسی کو ابتدا کہیئے اسی کو انتہا کہیئے

(ماہرالقادری)

کراچی کے بیشتر شعراء نے شاعری کے دوسرے موضوعات کا حق ادا کرتے ہوئے نعت گوئی کی صنف میں بھی درجہ کمال حاصل کیا ہے۔ مثال کے طور پر سیماب اکبر آبادی'صہبا اختر' سرشار صدیقی' اعجاز رحمانی' کیانی' قمر ہاشمی' اختر لکھنوی' امید فاضلی' جمیل عظیم آبادی' ڈاکٹر نعیم تقوی' تابش دہلوی' محشر بدایونی' حنیف اسعدی' اقبال عظیم' اقبال صفی پوری' راغب مراد آبادی' قصری کانپوری' حیرت الہ آبادی' لطیف اثر' لیث قریشی' سعید وارثی' قمر وارثی' صابر برادری' مبارک مونگیری اور سہیل غازی پوری وغیرہ کے نام پیش کروں گا۔ یہ تمام شعراء دوسری اصناف سخن میں اپنا نقش قائم کرنے کے بعد نعت گوئی کی طرف آئے۔ جس سے ان کے ادبی مرتبے کے تعین میں آئندہ کام کرنے والوں کو یقیناً مدد ملے گی۔ یہ بات میں نے صرف اس لیے لکھی ہے کہ ہمارے ادب میں خالصتاً نعت گو شعراء کے ادبی مرتبے اور مقام کا تعین بالکل ہی نہیں کیا جا رہا ہے ادب پر کام کرنے والے حضرات کو اس اہم مسئلے کی طرف جلد توجہ کرنی چاہیئے۔

نعت یقیناً حصول ثواب اور نجات اخروی کا وسیلہ ہے لیکن بات صرف یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ آج نعت گوئی حسن کلام کی بھی آخری منزل کے درجے تک پہنچ چکی ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ ذات گرامی جو حسن' جمال' کمال اور توازن کی آخری مثال ہے جس نے گفتگو و کلام کے آداب متعین فرمائے اس کا ذکر بھی ذکر کرنے والوں کے کلام کو اسی کے قائم کردہ معیار کے مطابق بنا دیتا ہے۔ اسی تناظر میں چند مثالیں ملاحظ فرمائیں۔

خراب فرد عمل ہو نہ جائے اے سیماب
اسے جناب رسالت مآبؐ دیکھیں گے

(سیماب اکبر آبادی)

نظم ہستی میں توازن کے لئے
ساری دنیا اور تنہا مصطفےٰ
(تابش دہلوی)

اس کو کہتے ہیں تکمیل انسانیت
ساری اچھائیاں ایک انسان میں
(محشر بدایونی)

عین مدحت ہے محمدؐ کہنا
نام ایسا کہ ثناء ہو جیسے
(حنیف اسعدی)

آپ کے اور محاسن بھی ہیں بے حد و شمار
حسن یوسفؑ دم عیسیٰؑ ید بیضا کے سوا
(جمیل نقوی)

بلند جب سے ہے طیبہ میں گنبد خضراء
زمیں پہ جھکنا عبادت ہے آسماں کے لئے
(افسر ماہ پوری)

تقدیر پہ چھوڑا ہے اس ناقہ ہستی کو
یہ کعبہ ہے وہ طیبہ ہے دیکھیں تو کہاں ٹھہرے
(سرشار صدیقی)

اگر وہ ابر رحمت ترک کردے بارش رحمت
زمیں تو پھر زمیں ہے آسماں ویراں ہو جائے
(صہبا اختر)

عدل سے بھی سوا منصفی آپؐ کی
انتہائے کرم انتقام آپؐ کا
(شبنم رومانی)

جس خواب میں حضورؐ کی صورت ہو جلوہ گر
اس خواب کو تو دیدۂ بیدار چاہیئے
(سحر انصاری)

دہلیز مصطفےٰ کی طلب میں چلا ہوں میں
میں نے بجھادیئے ہیں چراغ اپنے نام کے
(جاذب قریشی)

ان اشعار میں زبان وبیان کا حسن بھی ہے، علوِ تخیّل بھی ہے اور اقدار عالیہ سے وابستگی بھی ہے اور وہ مقصدیت بھی جو ادب کو زندگی کا آئینہ نہیں بلکہ رہنما بناتا ہے۔ ان اشعار میں آپ کو زبان کی حدود میں توسیع بھی نظر آئے گی۔ مثلاً نام کو ثناء قرار دینا، مدینہ منورہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی نسبت سے ناقہ ہستی جیسی ترکیب اور پھر اظہار کی یہ وسعت کہ جمیل نقوی نے اپنے شعر میں فارسی کے مندرجہ ذیل معروف شعر کو ترقی دے دی ہے۔

حسن یوسفؑ دم عیسیٰؑ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

دبستان کراچی کی نعت گوئی کی ایک اور خصوصیت اظہار کے طریقوں کا تنوع ہے۔ نعت گوئی اپنی ہیت کے اعتبار سے نہیں بلکہ روح کے اعتبار سے صنف سخن ہے۔ نعت غزل مثنوی، قطعہ، رباعی، مسدس، ہر شکل اور ہر ہیت میں لکھی جارہی ہے۔ غزل اردو کی مقبول ترین صنف ہے اس لیے اسے نعت گوئی کے لیے بھی زیادہ استعمال کیا گیا ہے لیکن آج کراچی میں پرانی اصناف سخن کے ساتھ ساتھ سانیٹ آزاد نظم اور ہائیکو جیسی نئی صنف سخن کو بھی نعت گوئی کے لیے کامیابی سے برتا جارہا ہے۔

اگر ہم اس کا تجزیہ کریں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اب نعت اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم شاعروں کے مزاج کا حصہ بن گیا ہے۔ جو شاعر جس صنف کو عزیز رکھتا ہے اس کو محبوب خالق ومخلوق کے ذکر سے روشن کرتا ہے۔ 1964ء میں سید ابوالخیر کشفی نے قصیدہ بردہ کے مفاہیم کو نظم آزاد میں پیش کیا۔ اس کے بعد قمر ہاشمی کی طویل نظم "مرسل آخر" شائع ہوئی جس میں پابند حصوں کے ساتھ ساتھ آزاد نظم کا بھی استعمال تھا۔ بعد ازں صہبا اختر کے مجموعہ "اقراء" سرشار صدیقی کے مجموعہ "اساس" سعید وارثی کے مجموعے "ورثہ" شبنم رومانی کی کتاب "حرف نسبت" اور راقم کے نعتیہ مجموعے "ماہ طیبہ" اور "جادہ رحمت" میں آزاد نظمیں خاصی تعداد میں شائع ہوئیں علاوہ ازیں اس دبستان شاعری میں محمود شام، پروفیسر سحر انصاری، جاذب قریشی، عزیز احسن، صفدر صدیق رضی اور وضاحت نسیم نے بھی بھرپور آزاد نظمیں تخلیق کی ہیں۔

"دوہے" میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے جمیل الدین عالی جمیل عظیم آبادی اور رحمان خاور کے نام ہمارے سامنے ہیں۔ اس طرح اب دوہے میں بھی نعت گوئی کا آغاز ہو چکا ہے۔ "ہائیکو" کا فروغ 1981ء میں کراچی کے ہائیکو مشاعرے سے ہوا اب یہ مشاعرہ سالانہ روایت بن چکا ہے۔ کراچی میں اس نئی صنف سخن کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور اس صنف سخن میں بھی نعت گوئی کی طرف توجہ دی گئی جن شعراء نے اس طرف بھرپور توجہ دی ہے ان میں پروفیسر انجم اعظمی، سرشار صدیقی، راقم اور عزیز احسن وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ مندرجہ بالا شعراء کے ہائیکو ملاحظہ فرمائیں۔

آپ کا دست مبارک اٹھا
شہر و صحرا میں بہت دور تلک چرچا تھا

چاند دو ٹکڑے ہوا

(انجم اعظمی)

سجدوں کا حاصل
نام ان کا جیسے ہی آئے
جھک جاتا ہے دل

(سرشار صدیقی)

چاہت کی خوشبو
باغ رسالتؐ سے پھیلی
ہر جانب ہر سو

(عزیز احسن)

یادِ پیغمبرؐ
روز چراغاں کرتی ہے
میری پلکوں پر

(صبیح رحمانی)

فرانسیسی صنف سخن سانیٹ جس نے اردو شاعری کے افق پر بڑی آب و تاب سے ظہور کیا لیکن جلد ہی گہنا گئی۔ ایسی صنف سخن بھی جو بہت کم وقت کے لیے اردو میں مستعمل رہی۔ اس میں بھی دبستان کراچی کے شعراء کی نعتیہ کاوشیں دکھائی دیتی ہیں ان شعراء ڈاکٹر نعیم تقوی، تنویر پھول اور راقم کے نام شامل ہیں۔

کراچی میں نعت گوئی کے حوالے سے بعض اصناف کا احیا بھی ہوا ہے۔ مثلاً پروفیسر ڈاکٹر نعیم تقوی کے ہاں بہاریہ قصیدے میں نعت لکھی گئی۔ اسی طرح وقار صدیقی نے مثنوی کو ایک نئے انداز سے نعت گوئی کے لیے استعمال کیا۔ قمر کانپوری نے طویل نعتیہ مسدس لکھے یہی نہیں بلکہ فنی اعتبار سے دبستان کراچی کے شعراء نے نعت میں نئی ردیفیں ایجاد کرنے کی سعادت کو بھی حاصل کیا ہے۔

راحت دل سکون جاں یعنی
وہی غم خوار عاصیاں یعنی

(تابش دہلوی)

کوئی ان کے بعد نبی ہوا نہیں انؐ کے بعد کوئی نہیں
کہ خدا نے خود بھی تو کہہ دیا نہیں انؐ کے بعد کوئی نہیں

(حنیف اسعدی)

کیا شان ہے شان خیر بشر انا اعطینا الکوثر
رحمت نے پکارا خود بڑھ کر انا اعطینا الکوثر

(ادیب رائے پوری)

کوئی مثل مصطفیؐ کا کبھی تھا نہ ہے نہ ہو گا
کسی اور کا یہ رتبہ کبھی تھا نہ ہے نہ ہوگا

(راقم الحروف)

تھے عالی مرتبہ سب انبیاء اول سے آخر تک
مگر سرکارؐ سا کوئی نہ تھا اول سے آخر تک

(راقم الحروف

نہیں رکھتے سرور و کیف کی حد مل کے آپس میں
کہ لب جس وقت کہتے ہیں محمدؐ مل کے آپس میں

(قمر وارثی)

آج تک ہیں اس خبر سے بے خبر میں اور چراغ
ہیں رہ طیبہ میں کب سے ہمسفر میں اور چراغ

(قمر وارثی)

اس ضمن میں لطیف اثر کے مجموعے صحیفہ حمد اور صحیفہ نعت کی حمدیں اور نعتیں بھی قابلِ توجہ ہیں جو اسماء الٰہی اور اسماء نبیؐ کو ردیف بنا کر تخلیق کی گئی ہیں۔ دبستان کراچی کے شعراء نے نعت کو ہندی گیتوں کے انداز میں بھی لکھا ہے۔ ایسے شعراء میں اسعد محمد خان، نگار صہبائی، ع س مسلم اور قمرالدین احمد انجم کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

دبستان کراچی میں خانوادۂ تصوف کے جو شعراء آئے وہ اپنے ساتھ تزکیۂ نفس کی تعلیم اور تصوف کی اصطلاحات لے کر نعت کی طرف آئے۔ جیسے بابا ذہین شاہ تاجی، مولانا ضیا القادری بدایونی، شاہ انصار الہ آبادی، ستار وارثی، حیرت شاہ وارثی، عنبر شاہ وارثی، فیاض ہاشمی، صوفی جمیل حسین رضوی، سید رفیق عزیزی، شاہ قاسم جہانگیری، عبدالسلام باندوی، بقا نظامی، ادب گلشن آبادی اور صوفی رہبر چشتی وغیرہ ان بزرگوں میں سے چند کے اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

خوش رہیں تیرے دیکھنے والے
ورنہ کس نے خدا کو دیکھا ہے

(ذہین شاہ تاجی)

تقدیر جگائی جاتی ہے، تصویر دکھائی جاتی ہے
اس موت پہ قرباں خود شہہ دیںؐ ہر قبر کا اندر آتے ہیں

(ضیاء القادری بدایونی)

محمدؐ کی صورت میں حق جلوہ گر ہے
حقیقت ہے یا میرا حُسنِ نظر ہے

(شاہ انصار الہ آبادی)

آپ کا عشق ہے عنبر کی متاع ہستی
آپ کے در کی قسم سیدِ مکی مدنی

(عنبر شاہ وارثی)

نور کرتا ہے نور کی تعریف
آدمی اور حضورؐ کی تعریف

(صوفی رہبر چشتی)

ہے خدا کا گھر بھی عزیز تر مجھے روک لینا وہاں مگر
کہیں لکھ نہ دوں در کعبہ پر در یار پھر دریار ہے

(فیاض ہاشمی)

کسی ایک شاعر کی زمینوں میں نعت کہنے کی طرح بھی دبستان کراچی ہی کے شعراء نے ڈالی ہے۔ غالب کی زمینوں میں یہ ادبی کارنامہ پہلے ابوالعجز ساجد اسدی نے (پیغامبر مغفرت) کے نام سے پھر راغب مراد آبادی نے اپنے مجموعے (مدحت خیرالبشرؐ) میں سرانجام دیا۔

میں کہ اے راغب انہی کا ہوں غلام کمتریں
ان کے قدموں سے لپٹ جاؤں تو ٹھکرائیں گے کیا

(راغب مراد آبادی)

دبستان کراچی میں خالصتاً نعت کہنے والے چند شعراء ایسے بھی ہیں جن کی لکھی ہوئی نعتیں عوامی سطح پر بڑی مقبولیت رکھتی ہیں اور وسیع پیمانے پر لحن میں لائی جاتی ہیں۔ ان شعراء کے کلام کی خوشبو وطن عزیز کے اندر اور باہر یکساں محسوس کی جا رہی ہے۔ ایسے مقبول شعراء میں بہزاد لکھنوی، منور بدایونی، اقبال عظیم، سکندر لکھنوی، ادیب رائے پوری، خالد محمود، قمرالدین احمد انجم، مولانا ریاض الدین سہروردی وغیرہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ چند شعر ملاحظہ فرمائیں۔ یقیناً یہ شعر آپ کے حافظے میں تازہ ہوں گے۔

مدینے کا سفر ہے اور میں نم دیدہ نم دیدہ
جبیں افسردہ افسردہ، قدم لغزیدہ لغزیدہ

(اقبال عظیم)

یا محمدؐ نور مجسم یا حبیبی یا مولائی
تصویرِ کمال محبت تنویرِ جمالِ خدائی

(ادیب رائے پوری)

در خیرالوریٰ ہے اور میں ہوں
مرے غم کی دوا ہے اور میں ہوں

(بہزاد لکھنوی)

نہ کہیں سے دور ہیں منزلیں نہ کوئی قریب کی بات ہے
جسے چاہا در پہ بلا لیا یہ بڑے نصیب کی بات ہے

(منور بدایونی)

کوئی سلیقہ ہے آرزو کا نہ بندگی میری بندگی ہے
یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

(خالد محمود)

یارب تیرے محبوب کا جلوہ نظر آئے
جب آنکھ اٹھے گنبد خضراء نظر آئے

(مولانا ریاض الدین سہروردی)

کراچی کے نعتیہ افق پر ایک اور چیز جو بہت نمایاں ہے وہ نوجوان شعراء کی نعت گوئی ہے۔ کراچی میں نوجوان اور صاحب دیوان نعت گو شعراء کی تعداد ملک کے دوسرے حصوں سے کئی زیادہ ہے۔ مثال کے طور پر چند نام پیش خدمت ہیں۔ قمر وارثی (شمس الضحیٰ کہف الوریٰ) حافظ محمد مستقیم (معراج سخن تاج سخن) یامین وارثی (منبع انوار) انجم رحمانی (صاحب الجمال) احمد خیال (نفس نفس خوشبو) عزیز لطیفی (صبح بہاراں) طاہر سلطانی (مدینے کی مہک) نفیس القادری (لوحِ نفیس، نعت نفیس، روحِ نفیس) عزیز الدین معینی (سرچشمۂ جود و کرم) عزیز الدین خاکی (ذکر خیر الوریٰ اور ذکر صل علیٰ) اور راقم الحروف کے دو مجموعے (ماہ طیبہ اور جادۂ رحمت)۔ علاوہ ازیں جن نوجوان شعراء کے نعتیہ مجموعے جلد متوقع ہیں ان میں عزیز احسن، رشید وارثی، محمد ناصر، اختر سعیدی، افتخار امام، شاہنواز مرزا اور رئیس احمد وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ نوجوان شعراء کی نعتیہ شاعری اور نعتیہ مجموعے کراچی کے دبستان شاعری میں نعت کی اہمیت اور مقبولیت پر دلالت کرتے ہیں۔ ان نوجوان شعراء میں چند کے شعر ملاحظہ فرمائیں۔

جس سمت بھی حضورِ معلیٰ نظر کریں
شمس و قمر طواف وہیں جھوم کر کریں

(حافظ محمد مستقیم)

یادِ نبیؐ ہے قلب میں مصروف اعتکاف
دن رات کر رہا ہے بدن میں لہو طواف

(رشید وارثی)

مدح کب تک شہِ کونین شنیدہ لکھوں
کاش وہ وقت بھی آئے کہ میں دیدہ لکھوں

(عزیز احسن)

بینائی ایماں کبھی جاتی ہی نہیں ہے
آنسو میں نمایاں نظر آجائے اگر نعت

(محمد ناصر)

ادھر نعت خیر الوریٰ ہو رہی ہے
ادھر مغفرت کی دعا ہو رہی ہے

(نفیس القادری)

ان کے ہوتے ہوئے مشکل نہیں رہتی مشکل
ان کے صدقے میرے سب کام سنور جاتے ہیں

(عزیز الدین خاکی)

رتجگوں میں عطائے نعت ہوئی
رات روشن برائے نعت ہوئی

(رئیس احمد)

ہر امتی کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق اجتماعی ہونے کے ساتھ ساتھ حد درجہ انفرادی بھی ہے۔ ہر ایک کی ذاتی خصوصیات ان کی نسبت سے راستہ پاتی ہیں اور مضبوط بھی ہوتی ہیں۔ یہی گونا گوئی دبستان کراچی کی نعت گوئی میں نظر آتی ہے۔ کہیں اپنی ذات کی سالمیت کے لئے نعت ہو رہی ہے کہیں نعت گوئی مٰت کے لئے استغاثہ ہے۔ کہیں نعت فکر کا اشاریہ ہے کہیں نعت حضورؐ سے اور اپنے آپ سے گفتگو ہے لیکن بیشتر شاعروں کے ہاں یہ سب رنگ ایک ساتھ نظر آتے ہیں جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ نعت گوئی سے شاعروں کی شخصیت میں بھی توسیع ہوتی ہے۔

دبستان کراچی کی نعتیہ شاعری اور یہاں کے شعراء کی اس صنف سخن سے دلچسپی کو مزید نمایاں کرنے کے لئے مین نعت کے نوجوان محقق غوث میاں کے مضمون "پاکستان میں مطبوعات حمد و نعت

19947ء تا 1994ء (مشمولہ نعت نمبر حضرت حسانؓ نعت ایوارڈ 1992ء 1993ء صفحہ نمبر (10)
کا حوالہ پیش کرتا ہوں۔ غوث میاں لکھتے ہیں:۔

"زیر نظر فہرست میں حمد و نعت مناجات کے 11 مجموعے اور انتخابات حمد و مناجات کے 13 مجموعوں کے علاوہ 810 مجموعہ ہائے نعت شامل ہیں۔ گویا اس فہرست میں 218 نعتیہ مجموعوں کا اضافہ ہوا ہے۔ ان 218 میں سے 115 کا تعلق کراچی سے ہے کیونکہ گزشتہ فہرست میں کراچی سے شائع ہونے والی کتب کی تعداد 280 تھی۔ اب یہ فہرست بڑھ کر 395 ہو گئی ہے اس طرح پاکستان سے شائع ہونے والے کل 810 مجموعوں میں اشاعت کے لحاظ سے کراچی کا حصہ تقریباً 49 فیصد ہے۔"

اس طرح دبستان کراچی اشاعتی پہلو سے بھی نعت گوئی کا عظیم سرمایہ رکھتا ہے۔ دبستان کراچی اور بالخصوص یہاں کی نعت گوئی کے حوالے سے جو باتیں کی گئیں ان کا مقصد تفاخر نہیں بلکہ تعارف ہے اور وہ بھی بہت اجمالی لیکن اس طرح کے علاقائی جائزوں سے نعت گوئی کے مطالعے زیادہ تفصیل سے ہو سکیں گے۔ دبستان کراچی کے حوالے سے اتنا سب کچھ ہونے کے بعد کچھ نہ ہونے کے احساس کے ساتھ حنیف اسعدی کے اس شعر پر اپنی تحریر ختم کرتا ہوں کہ۔

یارب یہ تمنا ہے کہ نازل ہو وہ ہم پر
جو نعت ابھی قرض ہے قرطاس و قلم پر

○



گوشہ ڈاکٹر محمد اسلم فرخی

اے رونق بزم قدم اے سرور کونینؐ
اے مظہر سوز حرم اے سرور کونینؐ

تھا تیری سماعت کے لیے نغمہ اقراء
اے نازش لوح و قلم اے سرور کونینؐ

ہے نفس و آفاق میں رونق ترے دم سے
اے صاحب طبل و علم اے سرور کونینؐ

امکان وفا ہے تری ہستی سے فروزاں
سرمایہ فخر امم اے سرور کونینؐ

معمورہ انوار کیا فرش زمیں کو
افلاک ہیں زیر قدم اے سرور کونینؐ

حالات دگرگوں ہوئے اے سید والاؐ
اٹھتا نہیں بار الم اے سرور کونینؐ

محروم تجلی سے ہوئی وادی سینا
بدلا ہے طریق حرم اے سرور کونینؐ

کشمیر بھی سوزاں ہے فلسطین بھی سوزاں
لبنان ہے زیر ستم اے سرور کونینؐ

انصاف و مساوات و اخوت نہیں باقی
گم کردہ منزل ہیں ہم اے سرور کونینؐ

توفیق عمل پر نہیں اب صرف ہے قائم
الفاظ پر اپنا بھرم اے سرور کونینؐ

وہ حبس ہے آقاؐ کہ گھٹی جاتی ہیں سانسیں
اک موجہ باد ارم اے سرور کونینؐ

آقاؐ ہمیں پھر دیدہ بیدا عطا ہو
پھر دیکھیں عروج حرم اے سرور کونینؐ

اے رحمت عالمؐ ہمیں کملی میں چھپالے
ہم پر بھی نگاہ کرم اے سرور کونینؐ

بار دگر اس بندہ ناچیز پہ آقاؐ
ہو بارش لطف و کرم اے سرور کونینؐ

اسلم کہ ترے در کا غلامِ ازلی ہے
اے سیدِ والا حشم اے سرور کونینؐ

جلوہ فرما ہوئے سرکارؐ مبارک باشد
فرخی دولت دیدار مبارک باشد

کرم سرور عالم سے ہوئے ہیں معمور
جسم و جاں ہو گئے سرشار مبارک باشد

مجھ کو آقاؐ نے بلایا ہے کرم ہے ان کا
میری بخشش کے یہ آثار مبارک باشد

فاصلہ کوئی مدینے میں نہیں ہے باقی
تھم گئی وقت رفتار مبارک باشد

کٹ گئی ہجر کی شب صبح سعادت آئی
ہٹ گئی راہ سے دیوار مبارک باشد

راہ محبوب الٰہیؐ نے دکھائی یہ مجھے
ہر طرف کھل گئے گلزار مبارک باشد

وہ سبک روہوں ہوا مجھ کو لیے جاتی ہے
راہ طیبہ میں یہ رفتار مبارک باشد

نور ایسا کہ نظر جھپکے نہ ٹھٹکے نہ جھکے
ہر قدم بارش انوار مبارک باشد

روح سرشار ہے دل کیف سے لبریز اسلمؔ
مل گئی دولت بیدار مبارک باشد

○☆○

مری رفتار کے دیکھو قرینے
مدینے جا رہا ہوں میں مدینے

براہ شوق ہوں محتاط اتنا
بندھے ہوں جیسے پیروں میں نگینے

مرا اعزاز حد سے بڑھ گیا ہے
بلایا ہے مجھے میرے نبیؐ نے

محبت کی ہوا میں اڑ رہا ہوں
رواں جیسے سمندر میں سفینے

بہت بھاگا بہت دوڑا کہ مجھ کو
کیا ہے خوار علم و آگہی نے

مدینے میں نئی اک جان پائی
یہاں تو موت بھی آتی ہے جینے

مدینہ معرفت کا اک خزینہ
یہاں کے ذرے ذرے میں دفینے

یہاں کوئی نہیں ہے دل شکستہ
یہاں جڑتے ہیں ٹوٹے آبگینے

مدینے پہنچے پھر واپس نہ آئے
کیا ہے قصد اسلمؔ فرخی نے

مرے آقاؐ کرم مجھ پر بھی اب کے بار ہو جائے / کھلی ہو چشم ظاہر بیں مگر دیدار ہو جائے
کرم سے تیرے ہو جائے مرا کاشانہ بھی روشن / جمال جاں فزا سے زندگی سرشار ہو جائے
تری چشم توجہ اس طرح اٹھے مری جانب / مرا دل میری جاں میری نظر بیدار ہو جائے
تو ہی والنجم' تیری شان سبحان الذی اسری / زباں پر نام آجائے تو بیڑا پار ہو جائے
تری وہ تاب و طاقت ہے کہ حسن یار کے آگے / نظر بہکے نہ ٹھہرے مست اور ہشیار ہو جائے
یونہی اظہار نیرنگ محبت ہو کہ ہر رستہ / کبھی آسان ہو جائے کبھی دشوار ہو جائے
تری تائید سے جو کچھ بھی لکھتا ہے وہ لکھوں میں / مرا ہر لفظ آقاؐ مطلع انوار ہو جائے

محبت کا تقاضہ ہے مرا سارا وجود اسلمؔ
زبان شوق بن جائے لب اظہار ہو جائے

○☆○

اٹھا آقاؐ کے در سے فرخی آہستہ آہستہ / بالآخر آئی رخصت کی گھڑی آہستہ آہستہ
حضوری کا ہر اک لمحہ ہوا کا ایک جھونکا تھا / کٹی ہے اور ساری زندگی آہستہ آہستہ
یہاں جو کچھ بھی ملتا ہے بقدر ظرف ملتا ہے / کھلا مجھ پر بھی راز بندگی آہستہ آہستہ
نظر روشن ہے دل روشن ہے فکر و آگہی روشن / خداوند بڑھے یہ روشنی آہستہ آہستہ
مدینے کی ہر اک رہ میں یہی محسوس ہوتا ہے / کہ آئے گا یہاں کوئی ابھی آہستہ آہستہ
یہاں محتاط رہنا ہی محبت کا تقاضا ہے / یہاں اٹھتا ہے پائے شوق بھی آہستہ آہستہ
بڑی نرمی سے تہذیب دل و جاں ہوتی رہتی ہے / یہاں ہوتی ہے طاری بیخودی آہستہ آہستہ
بلند آہنگی دوراں سے بچنے کے لیے میں بھی / پڑھا کرتا ہوں اکثر یا نبیؐ آہستہ آہستہ

یہی جی میں تھا اور ٹھہروں اور کچھ ٹھہروں
پڑھا میں نے سلام آخری آہستہ آہستہ

حلقے میں لے لیا مجھے ماہ تمام نے
حاضر ہوا ہوں پھر شہ والاؐ کے سامنے

بار دگر ہے خیر و سعادت میرے لیے
بخشا ہے افتخار یہ خیرالانامؐ نے

یہ لمحہ نیاز کہ ہے نازش وجود
لمحہ یہ چن لیا ہے بقائے دوام نے

روز اول بیان ہوئے تھے تمام اسم
روشن کیا جہاں کو محمدؐ کے نام نے

حسن عمل سے حالت انساں بدل گئی
دل موم کر دیے ترے حسن کلام نے

وابستگان دامن دولت ہیں خوش نصیب
آیا ہوں میں بھی دامن اقدس کو تھامنے

کیسی چمک اٹھی ہے شب تار زندگی
بخشی ہے روشنی یہ مدینے کی شام نے

اسلمؔ تمہاری قسمت و رفعت زہے نصیب
بھیجا ہے سوئے رحمت عالمؐ نظامؒ نے

○☆○

ابتدا کہہ دیا انتہا کہہ دیا
سب ہی کچھ دیا مصطفےٰؐ کہہ دیا

نام لیتے ہی قفل سعادت کھلے
سوچتا ہوں زباں سے یہ کیا کہہ دیا

اور کچھ عرض کرنا مناسب نہ تھا
سر جھکا کر غلام آپ کا کہہ دیا

رونق بزم ہستی انہیں کا کرم
ان کو ہر چیز کا آسرا کہہ دیا

علم، عرفان اور آگہی نے جنہیں
روشنی بخش بزم ہدا کہہ دیا

کوئی حرف ثنا جب نہیں مل سکا
شاہ کار کمال خدا کہہ دیا

حوصلہ بات کرنے کا اسلمؔ نہ تھا
ڈرتے ڈرتے مگر مدعا کہہ دیا

گوشہ شبنم رومانی

نام ان کا جو حرز جاں نہیں ہے　　سمجھو کہ کہیں اماں نہیں ہے
سرکارؐ کا جو نہیں ہے قاری　　قرآن کا نکتہ داں نہیں ہے
ہشیار، کہ باب مصطفےؐ میں　　گنجائش این و آں نہیں ہے
ہے سایہ دامن رسالت　　سر پر مرے آسماں نہیں ہے
"چپ" میں بھی ہے کیف نعت گوئی　　مدحت کی کوئی زباں نہیں ہے
دھڑکن ہے .... "محمدؐ و محمدؐ"　　اک لمحہ بھی رائیگاں نہیں ہے
دل پر تو ہے داغ عشق سرکارؐ　　ماتھے پہ اگر نشان، نہیں ہے

○

جمال بے حد کی حد محمدؐ　　ازل محمدؐ، ابد محمدؐ
تلاوت خدوخال----- قرآن　　حلاوت خال و خد محمدؐ
یہ کہہ رہی ہے لہو کی گردش　　حیات کا جزرومد، محمدؐ
علاج ہر شرک و شر کا قرآں　　ہر ایک باطل کا رد محمدؐ
عدو، عدو، سب عدو ہیں درپے　　مدد، مدد، المدد، محمدؐ
مجھے نہیں داد کی تمنا　　عطا کریں گے سند محمدؐ

ثبوتِ حق کی جو دانش وروں سے بات ہوئی
تو اتفاق کا نکتہ انہیںؐ کی ذات ہوئی

ہر اک عمل مرے آقاؐ کا ایک آیت ہے
ان آیتوں ہی سے تفہیم کائنات ہوئی

وہ معجزے، وہ عجب سلسلے محبت کے
حیات آپؐ کی، تاریخِ التفات ہوئی

حرم کی روشنیاں، جسم و جاں کی روشنیاں
کسی کو ہوش کہاں، دن ہوا کہ رات ہوئی

کہا یہ مجھ سے مرے مرشد گرامی نے
کہ جا! یہ نعت ہی پروانہ نجات ہوئی

زیست جب تک انؐ کے خدوخال میں آئی نہ تھی
قدرت بے مثل آپ اپنی تماشائی نہ تھی

پیکرِ حکمت سے پہلے نسخہ، حکمت سے قبل،
لفظ میں معنی تو تھے، معنی میں گہرائی نہ تھی

ماہ گیتی، آسماں کا پھول، رحمت کا نزول
جسم تھا صحرا کا لیکن روح صحرائی نہ تھی

آپؐ کو دیکھا تو نادانوں کی آنکھیں کھل گئیں،
تھے خدا سے آشنا، خود سے شناسائی نہ تھی

جگمگاتے ہیں خلاء میں آپ کے نقش قدم
آسمانوں میں کبھی ایسی بہار آئی نہ تھی

جب خدا کے ساتھ کانوں میں پڑا نام رسولؐ
زندگی پھر بزم جاں تھی، قید تنہائی نہ تھی

رکھا ہے رحل دل پہ صحیفہ جو نور کا
اللہ کا کلام ہے، لہجہ حضورؐ کا

سوچو تو محفلیں ہیں درود و سلام کی
طیبہ کے راستوں میں چہکنا طیور کا

اک حیات ہے میرے نبیؐ کا نام
صحرا میں ایک باغ ہو جیسے کھجور کا

اٹھے جو فرش سے تو گئے عرش تک حضورؐ
موسیٰ کو تجربہ تھا فقط کوہ طور کا

محشر ہے انتظار حبیبؐ خدا کا نام
لالچ کوئی نہیں مجھے حور و قصور کا

میرا خدا مسبب الاسباب ہے تو پھر
میرا نبیؐ سبب ہے خدا کے ظہور کا

کھینچے پھرو مجھے بھی اسی گرم ریت پر،
میں بھی ہوں ایک چاہنے والا حضورؐ کا

ورد کرتا ہوں میں صبح و شام آپؐ کا
واقعی، اسم اعظم ہے، نام آپؐ کا

آپؐ ہی سے عبارت ہے، کل زندگی
زندگی کا یہ "کل" ہے نظام آپؐ کا

آپؐ احمدؐ بھی ہیں اور محمدؐ بھی ہیں
"حمد" ہے لازمی جزو نام آپؐ کا

کر گئے بادشاہی، غلام آپؐ کے
بادشاہوں کو دیکھا غلام آپؐ کا

عدل سے بھی سوا، منصفی آپؐ کی
انتہائے "کرم"، انتقام آپؐ کا

آسماں کے صحیفے، زمیں کے لیے،
آسماں کو زمیں سے، پیام آپؐ کا!

دفع شر اور دفاع بشر کے لیے
نام کافی ہے خیرالانامؐ آپؐ کا

یہ مجھ سے نہ پوچھو کہاں ہیں محمدؐ
ان آنکھوں میں دیکھو، یہاں ہیں محمدؐ

منور ہے یہ خاکداں بھی انہیں سے
رگ جاں نہیں، میری جاں ہیں محمدؐ

کوئی شہسوار ایسا آیا، نہ آئے
عجب راکب آسماں ہیں محمدؐ

ادھر عرش پر مہمان خصوصی،
ادھر فرش پر میزباں ہیں محمدؐ

خدا پھر خدا ہے، خدا کی زباں کیا
خدا کے مگر ہم زباں ہیں محمدؐ

زمیں کی کشش، آپ ہی کی کشش ہے
مرے مرکز ثقل جاں ہیں محمدؐ

کریں زیارت سرکار کی دعائیں ہم
مگر وہ ہاتھ، وہ آنکھیں، کہاں سے لائیں ہم

بس اک لباس ہمارا، لباس عشق رسول
رتوں کے ساتھ بدلتے نہیں قبائیں ہم

بس ایک راہ ہماری، صراط مصطفویؐ
کبھی بھٹک کے نہ جائیں گے دائیں بائیں ہم

بس ایک رنگ ہمارا، بہار طیبہ کا رنگ
اسی کو رنگ بہار سخن بنائیں ہم

بس اک دعا ہے ہماری فروغ جاں کی دعا
انہیں کو یاد رکھیں، خود کو بھول جائیں ہم

حضور! ہم کو بھی اعجاز فکر و فن ایسا
کہ روح وجد کرے نعت جب سنائیں ہم

حضور! ہم کو بھی پروانہ حضوری جاں
اک ایسا سجدہ کریں پھر نہ سر اٹھائیں ہم

گریہ جو میں نے صبح و مسا، روز و شب کیا
آخر مرے حضورؐ نے مجھ سے طلب کیا

مہکا مرا وجود، پڑھا جس گھڑی درود
دل کو ملا سکون، انہیںؐ یاد جب کیا

آباد ہیں جو مجھ میں دھڑکتی عقیدتیں،
میں نے بھی اپنے دل کو "مدینہ لقب" کیا

جنت کا کوئی اور تصور، نہیں نہیں،
میں نے تو انؐ کو پا کے بہت شکر رب کیا

لکھا ہے اپنے ہاتھ سے پروانہ نجات
جس نے رقم قصیدہ محبوب رب کیا

شہر غزل میں عمر گزاری، بجائے نعت
جو فرض اولیں تھا، ادا میں نے اب کیا

حرف وفا نے اٹھ کے کیا آپؐ کو سلام
کلک یقیں نے جھک کے نبیؐ کا ادب کیا

وہیؐ کریں گے حفاظت ہماری جانوں کی
خبر زمین پہ لائے جو آسمانوں کی

ہوا طلوع حقیقت کا آخری سورج
جب اڑ رہی تھی بہت دھول داستانوں کی

انہوںؐ نے سارے زمانے کے دکھ سمیٹ لیے
وہؐ جن کے پاس تھیں سب کنجیاں خزانوں کی

اذان میں یہ کھنک سی جو انؐ کے نام کی ہے
یہی صدائے جرس بھی ہے کاروانوں کی

حیات مصطفویؐ ہے محبتوں کا سفر
کوئی خلیج بھی حائل نہیں زبانوں کی

خدا گواہ۔ مرے ناخدا کا فیض ہے یہ
ہوا بندھی ہے ابھی تک جو بادبانوں کی

کوئے جاناں حاصل دنیا نظر آنے لگا
لمحہ لمحہ اب مجھے طیبہ نظر آنے لگا

رحمتوں کے شہر کی جب خاک آنکھوں میں پڑی
اور اچھا اور بھی اچھا نظر آنے لگا

کھل گئیں آنکھیں، جو دیکھی سبز گنبد کی بہار
کیا نہیں آیا نظر؟ کیا کیا نظر آنے لگا!

شوق کے عالم میں وہ کوئے محمدؐ کا طواف
جس طرف بھی رخ کیا، کعبہ نظر آنے لگا

دل سے آنکھوں تک تھی گویا روشنی ہی روشنی
ہم نے تو اس در پہ جو سوچا نظر آنے لگا!

عہد جدید کی نعت نگاری (مذاکرہ)

اناؤنسر

پروڈیوسر شگفتہ آفتاب کے ترتیب دیئے ہوئے پروگرام کے ساتھ اختر لکھنوی حاضر ہے۔ اردو نعت اپنے تاریخی' لسانی اور کثیرالمذہبی' معاشرتی عوامل کی وجہ سے دیگر زبانوں کی نعت گوئی کے مقابلے میں زیادہ ممتاز اور بلند پایہ ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پایاں عقیدت و محبت ہی سب سے بڑا منبع ہے۔ جس نے اردو نعت کو دلوں میں اُتر جانے والا روپ دیا ہے اور نعت جس طرح ڈوب کر کہی گئی یا کہی جارہی ہے اس نے اسلوب اور ہیئت پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ اس گہرے اثر اور رنگ و آہنگ کا امام اگر امیر مینائیؒ کو کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔ امیر مینائیؒ کے بعد ایک سلسلہ ہے جو جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہے گا۔ اس وقت ہم آپ کی خدمت میں عہد جدید کی نعت نگاری کے حوالے سے ایک گفتگو پیش کررہے ہیں۔ میزبان ہیں پروفیسر سحر انصاری اور شریک گفتگو ہیں پروفیسر آفاق صدیقی اور جناب جاذب قریشی سماعت فرمایئے۔

پروفیسر سحر انصاری

نعت نگاری جیساکہ ہم اپنی روایت سے واقف ہیں کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور آپ کے دنیا میں تشریف لانے کے بعد سے ہی اس کا آغاز ہوگیا تھا۔ قرآن پاک کو دیکھئے تو اس میں متعدد جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کی اللہ تعالیٰ نے خود تعریف فرمائی ہے' تو ظاہر ہے جیسا غالب نے کہا کہ

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

اس کے بعد میرا جہاں تک خیال ہے اور جتنا نعت کا سرمایہ فہرست کی صورت میں دیکھیں یا کتابوں کی صورت میں دیکھیں شاید ہی کسی عظیم ہستی' کسی پیغمبر' کسی نبی کے بارے میں اتنی عقیدت کا سرمایہ یا آپؐ کی تعلیمات کے سلسلے میں جو جذبات ہیں اس کا اتنا بڑا خزانہ کسی اور زبان میں کسی بھی شخصیت کے سلسلے میں نہیں ملتا اور نعت کا معاملہ تو یہ ہے کہ ایک زبان سے مخصوص نہیں ہے۔ عربی' فارسی اور ہماری اپنی پاکستان کی زبانیں اور دنیا کی اور زبانیں بھی جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نور پہنچا ہے لوگ اس سے متاثر ہوئے ہیں اور اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے' یہاں تک کہ اس میں مسلمانوں کی بھی

تخصیص نہیں غیر مسلموں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گل ہائے عقیدت پیش کئے ہیں۔ خود اردو میں ایک بہت طویل سلسلہ اس کا ملتا ہے اگر دکنی دور سے لے لیں تو اچھا خاصا سرمایہ موجود ہے لیکن ادھر پاکستان کے قیام کے بعد اور خاص طور پر گزشتہ دو عشروں میں اتنا زیادہ اردو میں نعت گوئی کا سلسلہ رہا ہے کہ شاید اس سے پہلے کے ادوار میں نہیں ہوا ہے اور یہ بات بھی محض زبانی نہیں گزشتہ دنوں نعت کے خصوصی نمبر بڑے اہتمام سے شائع ہوئے ہیں۔ "نعت" ایک ماہانہ رسالہ ہے راجا رشید محمود کا جس میں بہت نمبر انہوں نے نکالے ہیں۔ ان کا تازہ شمارہ خواتین کی نعت گوئی کے بارے میں ہے۔ اسی طرح "شام و سحر" کے کئی نمبر نکل چکے ہیں۔ اس کے علاوہ علاقائی زبانوں کی نعتوں کو بھی انہوں نے اس میں شامل کیا ہے۔ پھر نعت کے اور رسالے مثلاً "اوج" ایک کالج کا رسالہ ہے لیکن اس کے دو ضخیم نمبر شائع ہوئے ہیں۔ "سیرت طیبہ" ایک رسالہ ہے اس کے نمبر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں پر بعض ادارے ہیں "ایوان نعت" کے نام سے "فروغ نعت" کے نام سے "حسان اکیڈمی" ہے اور بھی بہت سے ادارے ہیں جو نعت کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ ابھی ہمارے فاضل مبصرین، شاعر اور ادیب جو آج یہاں مذاکرے میں شریک ہیں اور زیادہ روشنی ڈالیں گے۔ یہ تو میں اپنے حافظے سے کچھ عرض کر رہا تھا۔ میں سمجھتا ہوں ایک لحاظ سے نعت گوئی اور نعت نگاری کا زمانہ بہت پر ثروت ہے۔ بہت سے کتابیں الگ سے شائع ہوئی ہیں ورنہ عموماً یہ ہوتا تھا کہ دیوان میں دو ایک نعتیں تبرک کے طور پر شامل کر لی جاتی تھیں لیکن اب رجحان یہ ہے کہ مستقل نعت لکھی جائے۔ نعتیہ قصائد پر کتابیں آئی ہیں۔ نئے نئے تجربے ہوئے ہیں۔ پوری پوری کتابیں نعت پر ہیں۔ عبدالعزیز خالد کی کتابیں ہیں یا خالد احمد کی کتاب ہے اور بھی شعراء ہیں۔ چند نام اور ذہن میں آرہے ہیں مگر اب میں پروفیسر آفاق صدیقی سے گزارش کروں گا کہ اس موضوع پر کچھ روشنی ڈالیں۔

پروفیسر آفاق صدیقی

شکریہ سحر صاحب..... دراصل وقت محدود ہے اور موضوع کچھ ایسا ہے جس پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ اگر ہم سرسری سا جائزہ بھی لیں بالخصوص قیام پاکستان کے بعد کی نعت گوئی کا تو ہمیں حیرت بھی ہوتی ہے اور بڑی روحانی مسرت بھی کہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عقیدت، جو محبت اور جو احترام ہمارے دلوں میں ہے اس کا اظہار شعراء نے بڑے خوش اسلوبی سے کیا ہے۔ مثال کے طور پر میں یہ عرض کروں کہ حفیظ جالندھری تک جو ہماری نعت کا

سرمایہ تھا مولانا ظفر علی خاں، حالی، علامہ اقبال اس سے پہلے بہت گراں قدر اضافہ کر چکے تھے لیکن دبستان کراچی ہی کو دیکھیں کہ یہاں سے قریب قریب ڈھائی سو سے زائد نعت کے مجموعے آچکے ہیں مثلاً ایک ہی شاعر مسروع کیفی کے دیوان میں دیکھ رہا تھا تو چراغ حرم، ملجا و ماوی، جمال حرم، مولائے کل، نور یزداں، سید الکونین، سفینہ نعت، آئینہ انوار اس کے علاوہ لیث قریشی ہیں، انس اکبر آبادی ہیں، مانی فاروقی ہیں۔

پروفیسر سحر انصاری: حنیف اسعدی ہیں۔

پروفیسر آفاق صدیقی: جی ہاں! حنیف اسعدی صاحب ہیں۔ ہاں تو ان نعت نگاروں کے جو مجموعے ہیں ان کے نام بھی بڑے خوبصورت ہیں یعنی ان میں جدت ہے تاباں تاباں، رسالت ماب، اشکوں کے پھول، جام طہور، اشک فروزاں، نور سحر اور بھی نام ہیں۔ ورد نفس ہے، صحیفہ عرفاں ہے، ذکر عرفاں ہے۔ اختر لکھنوی کا حضور ہے۔ شمس الضحیٰ اور کہف الوریٰ قمر وارثی کے ہیں۔ ثنائے حبیب قاری حبیب اللہ کا ہے۔ چراغ حرم شوکت الہ آبادی صاحب کا ہے۔ حرف عقیدت کمال اظفر۔ ذکر صل علی عزیز الدین خاکی اور پیکر نور اقبال عظیم صاحب کا ہے۔ ان میں ایک بات تو یہ ہے کہ غزل کے فارم میں تو نعتیں کہی ہیں گئی ہیں لیکن نظم آزاد کی صورت میں بھی بعض بڑی خوبصورت نعتیں ملتی ہیں مثلاً محسن احسان کی ایک بہت خوبصورت نعت "آپ کے شہر علم" تو اب ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اب تک جو نعتیہ سرمایہ پچاس سال کا ہے اس پر اگر تحقیقی نظر ڈال کر کوئی جامع کتاب مرتب کی جائے تو میں سمجھتا ہوں وہ ہمارے قارئین ادب کے لیے بھی اور ان لوگوں کے لیے بھی جو نعتیہ شاعری کے نئے مجموعے لا رہے ہیں مفید ثابت ہوگی۔ مجھے ایک چیز اور بھی نظر آتی ہے کہ بیشتر شعراء ایسے بھی ہیں جنہیں حضوری کا شرف حاصل ہے مثلاً اختر لکھنوی صاحب ہیں، قمر وارثی صاحب ہیں۔ یہ کئی کئی بار حاضری دے چکے ہیں اور حج کی سعادت بھی حاصل کر چکے ہیں۔ چنانچہ جو واردات قلبی اور جو تاثرات حضوری ان کو نصیب ہیں اس کا بہت خوبصورت اظہار ان کی نعتوں میں ملتا ہے۔ مثلاً لیث قریشی صاحب کا بہت خوبصورت مجموعہ نعت شائع ہوا ہے اس میں ایک شعر ہے۔

زمانے کے ہزاروں علم و حکمت پر جو بھاری ہے
میں اس در سے وہ رمز علم و حکمت لے کے آیا ہوں

رمز علم و حکمت کہتے ہیں ایک جہان بسیط، اس طرح سیرت طیبہ کے نور کا ذکر سامنے آتا ہے۔ آپؐ کے رہن سہن اور سادگی کے حوالے

سے بہت اچھے اچھے شعر کہے گئے ہیں۔ گلزار بخاری کہتے ہیں۔

چند کھجوریں، جو کی روٹی، ایک پیالا پانی کا
طور طریقے درویشی کے، منصب ہے سلطانی کا
مسند، منبر، گاؤ تکیہ، قصر حویلی کچھ بھی نہیں
دیا چٹائی پر ہے روشن، تہذیب انسانی کا

آپ نے ایک اور بات کو اس کے وسیع تناظر میں فرمایا تھا کہ غزل کے فارم کے علاوہ بھی لوگوں نے نعتیں کہی ہیں۔ قصائد کی شکل میں بڑا سرمایہ ملتا ہے۔ آپ یہ دیکھئے کہ محسن کاکوروی جیسا نام، امیر مینائی جیسا نام انہوں نے ہمارے نعتیہ سرمایہ میں بڑے گراں قدر اضافہ کیا ہے۔

پروفیسر سحر انصاری

ہاں جی، آپ نے بہرحال اسے بہت اچھا سمیٹا ہے۔ پچاس سال کے حوالے سے ظاہر ہے اس میں اور بہت سے اہم نام ہیں۔ حفیظ تائب ہیں۔ ہم بیٹھے ہی اس لیے ہیں کہ ہر شخص اپنے حافظے سے گفتگو کرے۔ کوئی ایک شخص سارے نام نہ سمیٹ سکتا ہے نہ تبصرہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح حافظ لدھیانوی کا نام ہے پھر ہمارے یہاں تابش دہلوی ہیں، صہبا اختر ہیں جن کے بہت منفرد انداز کے مجموعے آئے ہیں۔ جاذب صاحب آپ کچھ اس سلسلے میں فرمائیں۔

جاذب قریشی

جیسا کہ سحر صاحب آپ نے فرمایا اور آفاق صدیقی نے بھی کہا کہ گزشتہ پچاس برسوں اور خصوصیت کے ساتھ گزشتہ بیس برسوں میں نعت گوئی اور نعت نگاری کی وسعتوں میں بہت اضافے ہوئے اور اس دوران میں سمجھتا ہوں سینکڑوں بلکہ ہزاروں کتابیں چھپ کر آئی ہیں جن کے اعداد و شمار بن رہے ہیں اور بعض کتابوں نے ان کو شائع بھی کیا ہے۔ خود ابھی صبیح رحمانی نے نعت نمبر نکالا ہے اس میں بھی انہوں نے کئی سو کتابوں کے نام شائع کئے ہیں۔ اس میں وہ نام موجود ہیں جو نعت کے حوالے سے لکھی گئی ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ویسے تو عربی، فارسی یا اردو یا دوسرے ہمارے علاقائی زبانوں کے جتنے بھی شاعر ہیں انہوں نے کسی نہ کسی طرح کہیں نہ کہیں نعت ضرور لکھی ہے لیکن جیسا کہ سحر صاحب آپ نے فرمایا کہ ہوتا یہ ہے کہ دیوان سے پہلے ایک دو نعتیں لکھ دی گئیں اور ایک حمد لکھ دی گئی اور اس کے بعد اپنی شاعری پیش کی جاتی تھی لیکن اب نعت پر مستقل الگ کتابیں چھپ رہی ہیں۔ جو لوگ غزل کہہ رہے ہیں، نظمیں لکھ رہے ہیں وہ بھی نعتیہ شاعری کر رہے ہیں اور ان کے نعتیہ مجموعے مرتب ہو رہے ہیں اور ہمارے سامنے آتے چلے جا رہے ہیں۔ ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی شناخت نعت ہی ہی یعنی گزشتہ پچاس برس میں اگر ہم اقبال کے بعد دیکھیں تو بہت سے ایسے نام ہمارے سامنے آتے ہیں جن کی

اصل شناخت نعت نگاری ہی کے حوالے سے بنتی ہے۔ اس میں حفیظ جالندھری، بہزاد لکھنوی، نعیم صدیقی، ماہر القادری، منور بدایونی اور اس کے ساتھ حافظ لدھیانوی وغیرہ جو اس عمر کے لوگ ہیں۔ اصل میں ان کی دوسری شاعری بھی اہم ہے لیکن نعت کے حوالے سے ان کی ایک الگ شناخت ہے اور وہ اسی حوالے سے زیادہ تر پہچانے جاتے ہیں پھر اس کے بعد تھوڑی سی تبدیلی کے بعد ایک دوسرا عہد آتا ہے جس میں کچھ نئے اور جدید لوگ آئے ہیں اور ان میں کچھ لوگ ایسے آئے ہیں جنہوں نے نعت کے حوالے سے اپنی پہچان کرائی ہے۔ ان میں سے بہت سے لوگ آج بھی ہمارے درمیان موجود ہیں۔ جیسے حفیظ تائب ہیں، حنیف اسعدی ہیں، مظفر وارثی ہیں۔ اعجاز رحمانی ہیں۔ مسرور کیفی ہیں، ریاض مجید ہیں اور ہماری بالکل نئی نسل کے شاعر صبیح رحمانی ہیں جنہوں نے ابھی چند برسوں میں بہت سی اچھی نعتیں لکھی ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اب اتنا بڑا رجحان پیدا ہوا ہے کہ دوسری شاعری کے ساتھ نعت بھی مستقلاً لکھی جاری ہے۔ یہ بہت اہم بات ہے مگر اہم تر بات یہ ہے کہ لوگ اپنی پہچان ہی نعت کے حوالے سے بنا رہے ہیں۔ حقیقتاً نعت نگاری اور نعت گوئی کا بہت بڑا کام ہے جو ہمارے درمیان ہو رہا ہے۔ نعت کے بارے میں شمیم احمد نے ایک بار لکھا تھا کہ "نعت عصر نو کا مرکزی جوہر ہے۔" اور حضور کی ذات گرامی اس میں موجود ہے اور اگر اس کو ہم دیکھ لیں اور اس مرکزی جوہر کے سائبان میں آجائیں تو ایک باعمل معاشرتی نصب العین ہم کو ملتا ہے جو یقیناً ہماری زندگیوں کو روشنیوں سے بھر دیتا ہے اور پوری انسانی تاریخ میں وہ ایک ایسا آئیڈیل تعمیر کرسکتا ہے جو ہمارے عہد کے انسانوں کے لیے ایک تہذیبی اور فکری شعور رکھے۔ اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو نعت کی شاعری انسان کو مرتب کرنے اور اس کے خیالات کو بہتر بنانے میں بہت بڑا رول اور کردار ادا کرسکتی ہے۔ اس طرح بھی دیکھئے کہ کچھ لوگوں نے اس میں ہیئت کے اعتبار سے بھی مختلف تجربے کیے ہیں۔ ہمارے سامنے نعتیہ قصیدے ہیں۔ غزل کی فارم میں نعتیں ہیں اس کے بعد نظمیں آتی ہیں، پابند نظمیں بھی اور آزاد نظمیں بھی اور اب تو دیکھ رہے ہیں کہ ہائیکو میں بھی نعتیں لکھی جارہی ہیں اور اس سلسلے میں جو چند نام ہمارے سامنے ہیں ان میں میرے خیال میں سب سے پہلے ہائیکو میں جو نعت لکھی وہ انجم اعظمی نے لکھی جو چار چھ سال پہلے لکھی تھی۔ اس کے بعد سرشار صدیقی نے بہت ساری ہائیکو لکھیں جو نعت کا حوالہ بنتی ہیں۔ اس کے بعد صبیح رحمانی جو ہماری بالکل نئی نسل کے شاعر ہیں وہ تو خصوصیت کے ساتھ اس صنف پر توجہ دے رہے ہیں اور بہت سے شاعر ہیں جو

حمد اور نعت ہائیکو میں لکھ رہے ہیں۔ اس طرح یہ دیکھا جا رہا ہے کہ ہیئت جو بھی آ رہی ہے نئی یا پرانی اس کے حوالے سے بھی نعت کا اظہار ہو رہا ہے اور نعت کا ارتقاء برابر دیکھنے میں آ رہا ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نعت نگاری کا فن اور نعت گوئی کا سلیقہ جو ہم پیدا ہو رہا ہے اس سے ایک بہتر صورت بننے کا امکان ہمارے سامنے ہے۔

پروفیسر سحر انصاری

جی ہاں جاذب صاحب آپ نے ہیئت کے حوالے سے بات کی ہے اور آفاق صدیقی صاحب نے بھی آزاد نظم کے سلسلے میں بات کی تھی اس کے علاوہ ایک خوش آئند بات ہے جو اس سے پہلے ہمارے نعتیہ ادب میں موجود نہیں تھی حالانکہ لوگوں نے مسدس حالی کے نعتیہ حصے کے بارے میں لکھا ہے۔ اقبال کے بارے میں لکھا ہے لیکن ادھر ایک رجحان اور بھی پیدا ہوا ہے کہ برصغیر اور خاص طور پر پاکستان میں پی ایچ ڈی اور تحقیق پر مقالے لکھے گئے ہیں اور ان میں نثر اور نظم دونوں کو لیا گیا ہے یعنی ایک مقالہ جو ہے وہ اردو میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے اور ایک ریاض مجید کا نعت گوئی کے سلسلے میں ہے پھر اس سے پہلے ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق کا مقالہ ہے۔ "اردو میں نعتیہ شاعری" اس طرح سے یہ ایک رجحان پیدا ہو رہا ہے اور پھر الگ الگ بھی نعت گو شعراء پر بھی ایم اے کے تھیسس لکھے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور بات سامنے آئی ہے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اس سے پہلے ایک روایت تھی کہ اپنے جذبات کا اظہار برملا کر دیا جاتا تھا جس میں شمائل کا ذکر زیادہ رہتا تھا لیکن اب فکری سطح بلند ہو رہی ہے کیونکہ عالمی سطح پر جو شاعری ہو رہی ہے اور عالمی سطح پر جو لوگ اپنے اپنے اکابر کو پیش کرتے ہیں اور ہمارے آقاء تو سب سے بڑی ہستی ہیں بلکہ کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہیں تو ان کو پیش کرنے کا بھی سلیقہ' ایک معیار ہونا چاہیے جس کی طرف اب لوگ توجہ دے رہے ہیں چنانچہ ہمیں اس بات کی بھی خوشی ہے کہ مضامین کے ادا کرنے میں جو افراط و تفریط ہو جاتی تھی اس پر اب ایک شعوری توجہ دی جا رہی ہے۔ ابھی "نعت رنگ" کے نام سے صبیح رحمانی نے ایک مجموعہ مرتب کیا ہے۔ اس میں ایسے مضامین لکھوائے گئے ہیں جن میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ کہیں سوء ادب کا پہلو تو نہیں نکلتا ہے۔ یہ ایک اہم بات ہے۔ اسی طرح سے حنیف اسعدی نے یہ بات کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "آپ" سے خطاب کیا جائے اور زیادہ سے زیادہ "تم" کہہ لیا جائے۔ ان کا مجموعہ بھی "آپ" کے نام سے آ رہا ہے تو یہ ہمارے لکھنے والوں میں ایک مجموعی فضا بن رہی ہے۔ جیسے آپ نے ابھی اختر لکھنوی

صاحب کا نام لیا، قمر وارثی صاحب کا نام لیا اور صہبا اختر صاحب ہیں اور لوگ بھی ہیں۔ ابھی آپ نے جس طرح کہا کہ بہت سے شعرا کو حضوری کی سعادت نصیب ہوئی تو اس کا بھی ایک کیف اپنی جگہ پر ہے کہ لوگ اب رسمی مضامین سے گریزاں ہو کر اور صحیح معنوں میں شعوری طور پر اپنے ذاتی محسوسات لکھ رہے ہیں۔ اب تو ہم اکیسویں صدی کی بات کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اکیسویں صدی میں جو فکر کا رجحان ہوگا اس کی بنیاد اقبال رکھ گئے تھے۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیؐ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

یہ معراج کا ذکر ہے۔ اس طرح کا سائنٹفک انداز شاعری میں آرہا ہے تو گویا یہ رجحان کہ صرف عقیدت کا اظہار ہی کافی نہیں ہے بلکہ جدید علوم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سیرت طیبہ سے ہم آہنگ کر کے یہ بھی بتا جا تا رہا ہے کہ مذہب میں، سائنس میں اور جدید فکر میں اگر وہ مثبت اندازکی ہے تو کوئی تضاد نہیں ہے اور یہ چیز نعت میں تو جس خوبصورتی سے پیش کی جاسکتی ہے کہیں اور نہیں کی جاسکتی۔ مثلاً حنیف اسعدی کا ایک شعر مجھے یاد آرہا ہے کہ۔

آپؐ ان کے لیے بھی رحمت ہیں
جو زمانے ابھی نہیں آئے

یا یہ کہ......

عین مدحت ہے محمدؐ کہنا
نام ایسا کہ ثناء ہو جیسے

پروفیسر آفاق صدیقی: سبحان اللہ! سحر صاحب ایک بات اور۔ غزل ہماری بڑی مقبول صنف ہے اس حوالے سے بڑے اشعار لکھے گئے ہیں جن کے اندر نعتیہ مضامین ملتے ہیں مثلاً ایک شعر بابا ذہن شاہ تاجی کا ہے۔

خوش رہیں ان کے دیکھنے والے
ورنہ کس نے خدا کو دیکھا ہے

پروفیسر سحر انصاری: جی ہاں! وہ شعر بھی دیکھیں۔

نگاہ برق نہیں، چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

یہ بھی غزل ہی کا شعر ہے۔ یہ اور کس کے لیے ہو سکتا ہے اور کون سی شخصیت ہو سکتی ہے۔

پروفیسر آفاق صدیقی: سحر صاحب قطع کلامی کی معافی۔ ایک بات جو میں خاص طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ پاکستان میں جو پاکستانی زبانیں ہیں ان میں بھی نعتیہ شاعری کا ایک

سرمایہ اور ذخیرہ ہے۔ مثلاً پچھلے برس ڈاکٹر عبدالمجید کی سندھی نعتیہ شاعری پر بڑی وقیع اور لائق مطالعہ کتاب شائع ہوئی ہے جس میں دو سو سال کی سندھی نعتیہ شاعری کا تجزیہ بھی ہے اور انتخاب بھی ہے۔

پروفیسر سحر انصاری

جی ہاں! اسی طرح پنجابی اور پشتو شاعری میں بھی۔

پروفیسر آفاق صدیقی

اور ہم اگر ڈویژن کے اعتبار سے دیکھیں تو فیصل آباد ڈویژن کے شعراء کی نعتیں آصف بشیر چشتی نے ایک مجموعے کی صورت میں شائع کی ہیں۔ اسی طرح ہمارے یہاں نور میرٹھی بڑا کام کر رہے ہیں۔ ہندو شعراء پر ان کی کتاب آچکی ہے۔ "نور سخن۔" اب ان کی جو کتاب آرہی ہے اس کتاب میں پاکستان کی تمام زبانوں میں نعت گو شعراء کے منظوم تراجم بھی ہیں اور اردو نعت گو شعراء جنہوں نے جدید ترین رجحانات......

پروفیسر سحر انصاری

ابھی آپ نے نور میرٹھی کا نام لیا تو ان کے دو مجموعے تو مرتب ہو گئے۔ ایک شائع ہو چکا۔ ایک شائع ہونے والا ہے ایک کام انہوں نے یہ کیا ہے کہ تمام دنیا کی زبانوں میں جہاں جہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے (شاعری میں) اس کا ایک مجموعہ مرتب کر رہے ہیں۔ یہ آپ کو علم ہو گا کہ سراج منیر نے چینی زبان کی ایک بہت عمدہ اور طویل نظم کا ذکر کیا تھا۔ اسی طرح گوئٹے کی "نغمہ محمدی" ہے۔ اس طرح کی بہت سی چیزیں آتی ہیں۔ گزشتہ برسوں کے دوران نعت گوئی میں فن اور ہیئت کی بھی کئی ندرتیں سامنے آئیں۔ راغب مراد آبادی نے غیر منقوطہ نعتیں لکھیں اور ایک نعتیہ دیوان شائع کیا۔ اسی طرح شاعر لکھنوی کی غیر منقوطہ رباعیات کا بھی ایک مجموعہ مرتب ہوا ہے۔ سرشار صدیقی اور صبیح رحمانی کی نعتیہ ہائیکو کا تو ابھی تذکرہ ہو چکا ہے۔ اب وقت ظاہر ہے کم ہے تو جاذب صاحب آپ اگر کوئی ایک آدھ بات بہت مختصر کہنا چاہیں۔

جاذب قریشی

میں یہی کہہ رہا تھا کہ ایسے مختصر وقت میں گفتگو کرنے کی کوشش کی گئی۔ نعت جو ہے وہ ہیئت کا نام نہیں بلکہ موضوع کا نام ہے اور یہ ایک ایسا موضوع ہے جو ہمارے سب کے لیے کائناتی موضوع ہے اور اس موضوع پر جتنا بھی لکھا گیا ہے لکھنے والوں کی اس سے تسلی نہیں ہوئی۔ وہ سوچتے ہیں کہ کاش وہ کوئی ایسی نعت یا کم سے کم کوئی شعر ہی ایسا لکھ سکیں جو رسول مکرمؐ کی ذات مبارکہ کو پوری طرح پیش کر سکے لیکن ہر لکھنے والا سمجھتا ہے کہ بڑے سے بڑا شعر لکھ کر بھی اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ اس سے نعت کا حق ادا نہیں ہوا۔ یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کو آدمی پار کر کے بھی یہی سمجھتا ہے کہ اسے پار نہیں کر سکے گا۔ ساری زندگی لگا کر بھی حضور اکرمؐ کی ذات و صفات کو بیان کرنے کی تمنا ہی رہ جاتی ہے۔

پروفیسر سحر انصاری — تمنا پر مجھے حنیف اسعدی کا وہ شعر یاد آرہا ہے۔

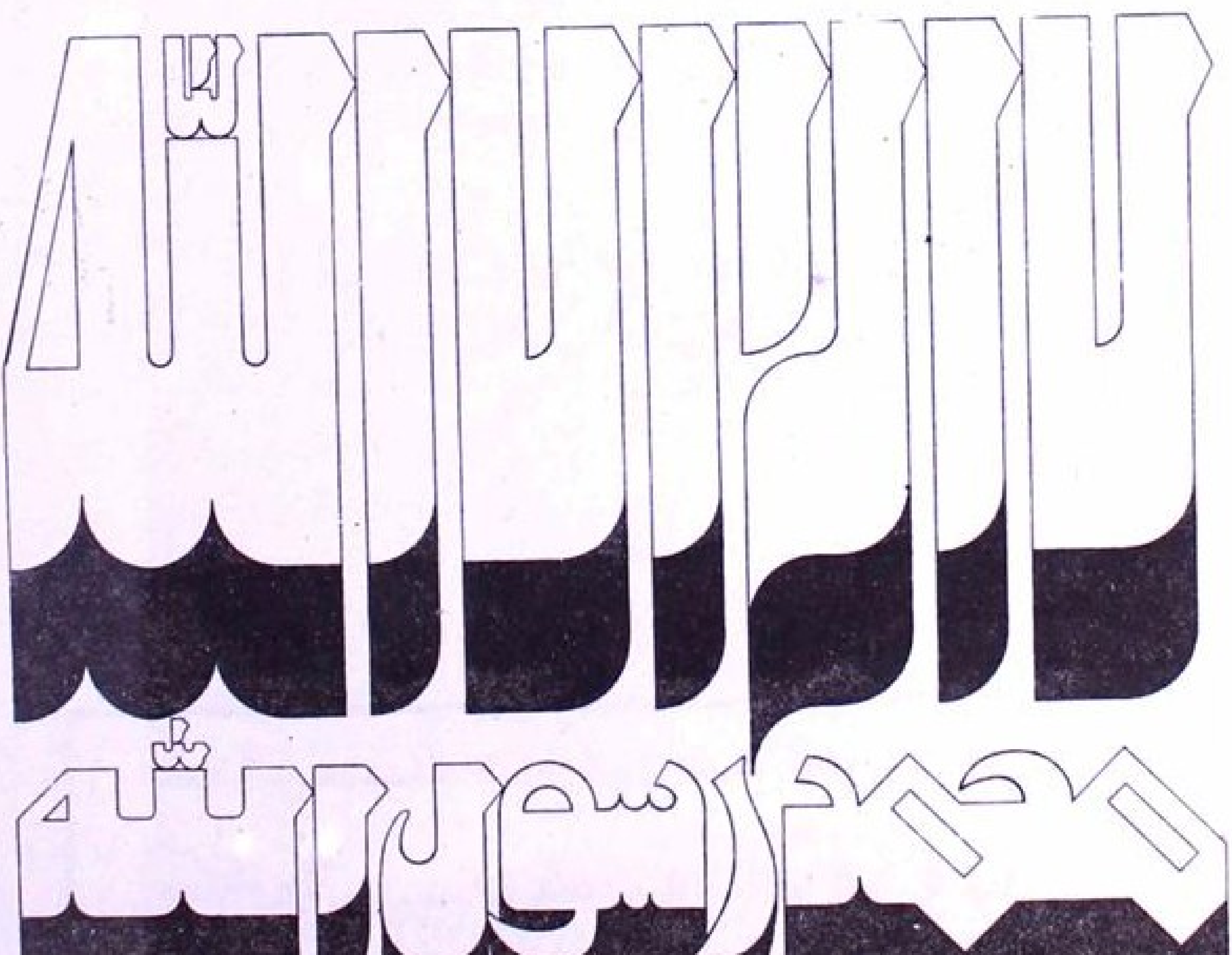
یارب یہ تمنا ہے کہ نازل ہو وہ ہم پر
جو نعت ابھی قرض ہے قرطاس و قلم پر

تو اب آپ کی بات پر ہی ہم اپ کرتے ہیں۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ موضوع بہت وسیع ہے جیسا کہ شروع ہی میں عرض کردیا گیا۔ بہر نوع بڑی توانائی اور والہانہ عقیدت اور دل کی گہرائیوں سے ہمارے عہد کے شعراء نئے نئے پیرایوں میں تاکہ رسمی بیان نہ ہو بلکہ واقعی ان کی عام شاعری سے بھی بڑھ کر ہو اور سارے لوازم ہوں۔ احترام بھی ہو آپؐ کی تعلیمات کا دنیا میں جو فروغ ہوا وہ بھی مسلمان پر فرض ہے اس کی طرف بھی توجہ ہو تو مجموعی طور پر عصر حاضر کی نعت میں خلوص کے ساتھ ساتھ شعور اور آگہی اور عمومی نوعیت کی انسان کے لیے جو نوید حیات ہے اور مسائل حیات سے نکلنے کی جو راہ ہے یعنی کہ حضورؐ کا دامن تھامیں جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے کہ۔

بہ مصطفیٰ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بو لہبی ست

آپ حضرات نے اس موضوع پر بہت اچھے انداز میں اظہار خیال کیا۔ آپ کے شکریئے کے ساتھ یہ مذاکرہ اب اختتام کو پہنچتا ہے۔ شکریہ۔

(بشکریہ ریڈیو پاکستان کراچی)


لا اله الا الله
محمد رسول الله

جائزہ ________ حنیف اسعدی

حرفِ معتبر

شاہ ستار وارثی

حضرت ستار وارثیؒ کا نعتیہ مجموعہ میں نے جن توقعات کے ساتھ پڑھنا شروع کیا تھا آخر تک وہ ساری توقعات پوری ہوتی نظر آئیں۔ ایک اللہ والے کا حسنِ عقیدت جس درجہ اور مقام کا ہونا چاہئے وہ کسی تکلف کے بغیر مجھے ہر صفحے پر نظر آیا۔ کتاب کے آغاز ہی میں جب حمد کے پہلے شعر پر نظر پڑی تو ایسا محسوس ہوا کہ کسی ترشے ہوئے نگینے کے ہر پہلو سے کرنیں سی پھوٹ رہی ہیں۔

یقین تیرے کرم پر ہے اس قدر مولا
ہے حرف حرف مرا حرف معتبر مولا

اسے شعر کہا جائے کہ قلب کا اطمینان، نفس کا انکسار، حق کی تصدیق یا حقیقت کا اظہار کہا جائے۔ یہ ایک سچے کا وہ کھرا سچ ہے جو اپنے مولا کی عطا پر نازاں ہے۔ اس شعر کی گہری معنویت ہر قسم کے تکلف، ہیر پھیر اور شاعرانہ مبالغے سے پاک ہے۔ اگر کہنے والا صرف "ہے حرف حرف مرا حرف معتبر" ہی کہہ دیتا تو اس کا ماضی الضمیر پورے طور پر ادا ہو جاتا مگر "مولا" کہہ کر اپنے مولا کو مخاطب کر کے کرتے ہوئے اس تعلّی سے بچ جاتا ہے جو اس ٹکڑے کے لہجے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح کہنے سے فخر و مباہات کے بجائے تشکر و اطمینان، اعتبار و یقین اور عجز و انکسار کے پہلو ابھرے اور بات حسین و دل نواز ہو کر ختم ہوئی۔ شاعری کا یہ رنگ اور شاعر کا یہ امتیاز از اول تا آخر برقرار ہے اور کتاب کے آخری شعر میں بھی جلوہ گر ہے۔

مدحت سرا تھا میں کہ یہ ہاتف نے دی صدا
ستار تیری عرضِ تمنا قبول ہے

سوچ رہا ہوں کہ حضرت ستار وارثیؒ کی شاعرانہ خوبیوں پر نظر ڈالوں کہ ان کے سادہ اور دل نشیں زبان کے گن گاؤں یا ادب واحتیاط پر بات کروں مگر یہ ادنیٰ چیزیں ایک اللہ والے کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں تو پھر وہ کون سی خوبی' حسن یا خصوصیت خاص ہے جس کا ذکر ضروری اور احسن سمجھا جائے۔ یوں تو ہم سب غلامان نبی اپنے آقا و مولا کے نام لیوا ہیں مگر جناب ستار وارثیؒ کی وہ کون سی منفرد خصوصیت ہے جس سے ان کے کلام کو حرز جاں بنانے کی ترغیب ملتی ہے۔ حضرت ستار وارثیؒ ان خاص ہستیوں میں سے ہیں جو صرف سرور کائنات کے نام لیوا ہی نہیں بلکہ جن کے قلوب اور جن کی روحیں ذات اقدسؐ سے وابستہ و پیوستہ ہیں جو صاحب نسبت بزرگ ہیں اور جن کا رواں رواں ذکر محمدیؐ میں مشغول ہے۔ میں نے ستار وارثیؒ کو کبھی نہیں دیکھا نہ کبھی ان کے متعلق کچھ سنا۔ میں نے انہیں صرف پڑھا اور ان کے کلام کے آئینے میں ان کا نورانی پیکر اور روشن چہرہ دیکھا اور یہ جان لیا کہ وہ ایک پاک باطن' اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ ان کے کلام سے اللہ کریم سے ان کی بندگی کی نسبت اور حضورؐ پر نور سے ان کی عقیدت کا سلسلہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ حقیقت سے کہیں بھی اور کسی طرح متجاوز نہیں۔ ان کی طریقت شریعت کے دائرے میں رہ کر اپنی روشنی پھیلاتی نظر آتی ہے وہ عجمی تصوف کی مکروہات سے پاک نظریہ اخلاق رکھتے ہیں۔ ان کی سجادہ نشنی خدا شناسی کا ذریعہ رہی اکابر پرستی کی تبلیغ کبھی نہیں بنی۔ "حرف معتبر" کی ساری نعتیں حضور پر نور کے اسمائے گرامی کے نور میں نہائی ہوئی ہیں۔ یہ نعتیں سننے اور پڑھنے والے کی آنکھوں اور سماعتوں سے گذر کر راست قلب میں اتر جاتی ہیں اور روحوں کو روشنیوں سے بھر دیتی ہیں۔ دراصل یہ ایک اللہ کے بندے کا فیض جاریہ ہے جو اس کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی کاوشوں کو قبولیت کا شرف بخشے۔ ان کے مراتب بلند کرے' اور حضور پر نور کی غلامی کے صدقے میں ان کی قبر کو ٹھنڈا رکھے۔ آخر میں میں مرحوم کی لائق و سعادتمند اولادوں کے لیے دعا گو ہوں جنہوں نے مرحوم کے کلام کی نشرواشاعت کا یہ کار اہم انجام دیا۔ اس طرح یہ روشنی پھیلتی رہے گی اور خلق خدا اس سے کسب نور کرتی رہے گی۔ انشاءاللہ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

ریاض مجید

اچھا ادب ہمیشہ زوال آمادہ عہد میں پیدا ہوتا ہے معاشرہ جب پستی کی پست ترین حدوں تک پہنچ جاتا ہے تو

دردمند دل نہ صرف اس بات کو محسوس کرتے ہیں بلکہ اصلاح حال پر بھی توجہ دیتے ہیں لغت گوئی بھی شعری ادب کا ایک اہم اور مقدس حصہ ہے۔ مذہب سے دوری اور خشیت الٰہی کے فقدان اور آقائے دو جہاں کے احکامات سے روگردانی کے نتیجے میں مسلم معاشرہ انتہائی ضلالت اور پستی کی طرف رجوع ہوا۔ اس کا احساس معاشرے کے ہر چھوٹے بڑے کو ہوا مگر سب سے زیادہ سوسائیٹی کے زیادہ حساس طبقے یعنی ادیب و شاعر نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا معاشرے کی اصلاح پر لکھنے کے ساتھ ہی اس گمراہ قوم کو احساس ندامت دلانے کے لیے اپنے ساتھ دوسروں کو بھی متنبہ کرنے کی غرض سے دامن محمدی میں پناہ لینے کی تلقین کی یہی وجہ ہے کہ پچھلی دو دہائیوں میں پاکستان میں جتنی نعتیں لکھی گئیں اور نعت پر تخلیقی اور تحقیقی مقالات و مضامین سامنے آئے پچھلا عہد اس نعمت سے خالی نظر آتا ہے کثرت کے ساتھ نعتیہ مجموعوں کی اشاعت بھی میرے دعوے کی دلیل فراہم کرتی ہے۔ اس عظیم اور مقدس کام میں جہاں متعدد نام لیے جا سکتے ہیں وہاں ایک معتبر نام ڈاکٹر ریاض مجید کا بھی ہے۔ انہوں نے نثر و نظم دونوں میدانوں میں بہت بڑے وقیع اور معتبر اضافے کیے ہیں۔ ان کی ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی نعت ہی کے حوالے سے منظر عام پر آئی ہے وہ عالم بھی ہیں اس لیے کہ تعلیم کے شعبے سے وابستہ ہیں۔ تنقید نگار محقق اور شاعر بھی ہیں۔ زیر نظر نعتیہ مجموعہ ان کی تازہ ترین تصنیف ہے ڈاکٹر ریاض مجید جس سمت بھی نکل جائیں وہ معیار کا اعتبار قائم رکھتے ہیں ان کی زندگی کتاب پڑھنے اور کتاب لکھنے کے لیے وقف ہے۔ اللھم صلی علی محمد کے مطالعے سے ڈاکٹر صاحب کی علمی اور ادبی استعداد کے ساتھ ساتھ ان کے قلب گداز اور دامن محمدی سے خصوصی وابستگی کا راز بھی افشا ہوتا ہے نعت کے ہر شعر میں ان کا دل دھڑکتا ہے۔ اس کے محسوسات میں سرور دو عالمؐ سے نسبت قریبی سے تعلق خاطری اور گہری نیازمندی کا نور جھلکتا ہے۔

بڑے آداب ہیں اس احترام آباد طیبہ کے
یہاں نبض، جہاں تیز اور ہوا آہستہ چلتی ہے

وا جب سے ہوا دیدہ دل لگتی ہے تب سے
یہ کارگہ ارض و فلک اور طرح کی

حرم کو دیکھتے ہیں ڈبڈبائی آنکھوں سے
یہ لگ رہا ہے جہاں اشکبار ہے سارا

عجیب شہر ہے جنت نظیر و عرش مثال
مہک مہک اٹھوں جب نام لوں مدینے کا

کاش پوری یہ خواہش دل ہو
دھڑکنوں میں درود شامل ہو

مراقبے میں کبھی کی جو سیر نعت افلاک

ملے تمام مناظر درود پڑھتے ہوئے
دعا جو مانگتے ہیں آپؐ کے وسیلے سے
ہتھیلیوں پہ چمکتا ہے گنبد خضرا

ان اشعار کا برجستہ لہجہ اور بے ساختہ طرز احساس کے دیتا ہے کہ یہ دل سے نکلی ہوئی آواز ہے۔ جس میں نہ لفظی تکلف ہے نہ بیانیہ ضائع بلکہ واردات قلبی کا ایسا اظہار ہے۔ جس میں حضوری کی سرشاری اور تقرب کا گہرا احساس پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید یقیناً روحانیت کے ایسے مرحلے سے گذرے ہیں جس کے لیے اللہ والوں کو برسوں ریاضت کرنا پڑتی ہے۔ حال اور قال جب ایک نکتے پر مجتمع ہو جائیں تو زبان اس طرح گویا ہوتی ہے۔

تازہ اک نعت ریاض ان کو سنا دیتے ہیں
حال احوال کبھی دوست اگر پوچھتے ہیں

اس قسم کے دل نشیں اور پر سوز اشعار سے کتاب بھری پڑی ہے مگر کچھ مقامات ایسے بھی نظر سے گزرے۔ جو ڈاکٹر صاحب جیسے صاحب سخن کی شان کے شایان نہیں۔ شاعر جب سخن وری کے کمال کے اظہار کے لیے صرف قافیہ نظم کرنے کے چکر میں پڑ جاتا ہے تو شاعرانہ لطافت بھی مجروح ہوتی ہے اور کلام بھی ایک نوع کی غرابت سے دو چار ہو جاتا ہے۔ میں اس اچھی فضا میں مثالوں سے اجتناب کروں گا مجھے امید ہے کہ میری اس جرات کو اعتراض کے بجائے پر خلوص مشورہ سمجھا جائے گا اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب ہی کا ایک بہت اچھا شعر پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

قبول ہو جو کوئی خیر کا ارادہ کروں
معاف ہو جو کوئی مجھ سے بھول ہو جائے

زرِ معتبر

ریاض حسین چودھری

نعت گوئی میں اصلی شے تو مادح کا اپنے ممدوح کے ساتھ تعلق خاطر، خلوص اور جذبہ ہے مگر زبان و بیان کی لطافتیں اور شاعرانہ حسن بھی کا بھی خیال رکھا جائے اور معیار پر بھی نظر رکھی جائے تو کلام کی تاثیر بڑھ کر قلب کو طمانیت اور روح کو سرشاری بخشتی ہے۔ الحمدللہ پچھلی دو دہائیوں میں پاکستان میں نعت کثرت سے لکھی گئی۔ شاعر چھوٹا ہو یا بڑا وہ اپنی بساط کے مطابق اپنے ممدوح کی مدح و ثنا کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لیے شاعری کی درجہ بندی تو ہو سکتی ہے مگر نعت کے پیچھے تو ایک ہی جذبہ کار فرما ہوتا ہے لیکن جیسا کہ میں نے

پہلے عرض کیا کہ شاعری کا حسن بھی شریک حال ہو تو نعت میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ اس عہد سعادت آثار میں نعتوں کے جو مجموعے سامنے آئے ہیں ان میں ہر درجہ اور ہر سطح کا کلام پایا جاتا ہے۔ ان میں سے جو ہر طرح سے بلند مقام رکھنے والے مجموعے ہیں ان کی تعداد بھی کم نہیں انہیں اچھے اور معیاری مجموعوں میں ایک معتبر نام "زر معتبر" کا بھی ہے جو نتیجہ فکر ہے ریاض حسین چودھری کا۔ ریاض حسن صاحب اعلیٰ درجہ کے شاعر تو ہیں ہی مگر اس کے ساتھ وہ قلب گداز اور دردمند دل کے بھی مالک ہیں۔ انہوں نے قلب گداز کو سرور کائنات کی مدح و ثنا میں صرف کیا ہے اور دردمندی امت محمدی کی زبوں حالی اور پستی فکر کے لیے وقف کردی ہے ان کے کلام کا بیشتر حصہ اسی جذبے کے اظہار کے لیے وقف ہے اکثر تو یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ نعت میں جب شاعر مناجاتی رنگ اختیار کرتا ہے تو اس کی ساری توجہ انفرادی طور پر اپنی ہی ذات کے گرد گھومتی ہے مگر ریاض صاحب کو امت مسلمہ کی بدحالی اور پستی کی اس درجہ فکر ہے کہ وہ خود کو بھول کر صرف اور صرف ملت کا استغاثہ اپنے آقا و مولا کی خدمت میں پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ نعت گوئی کے باب میں ریاض صاحب کا جذبہ سچا اور مبنی بر خلوص ہے۔ ان کی نعتیں علو فکر اور خوبصورت انداز بیان کی آئینہ دار ہیں۔ ان کا ایمان اور ایقان دونوں محکم و مستحکم ہیں۔ ان کو اپنے آقا پر بڑا ناز ہے۔ فارمٹ کوئی سا بھی ہو ریاض صاحب کا اشہب قلم ہر جگہ سرپٹ دوڑتا ہے وہ بات بہت آسانی سے کہہ لیتے ہیں ان کے بیان میں معنویت بھی ہے اور روانی بھی الفاظ کے انتخاب میں بھی بیشتر حالت میں وہ محتاط ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً سارا کلام بہ استثنائے چند بڑا وقیع اور معیاری ہے کچھ نعتیں شاید ابتدائی مشق سخن کی بھی شامل مجموعہ کرلی گئی ہیں جن سے کتاب کا توازن بگڑ گیا ہے۔ میں بڑے وثوق اور یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ محفل نعت میں خود ان کا ایک مقتدر اور اعلیٰ مقام ہے۔ اللہ کریم ان کے جذبہ کو مزید توانائی بخشے اور ان کے قلم کو رواں رکھے۔

خیرِ کثیر

سید سلمان رضوی

جناب سید سلمان رضوی کا مجموعہ نعت "خیر کثیر" نظر سے گذرا اس سے پہلے اس کے ٹائیٹل نے متوجہ کیا۔ بڑے عرصے کے بعد خطاطی کا ایسا نادر نمونہ کسی ٹائیٹل کے لیے منتخب کیا گیا۔ ساری کتاب تدوین و تزئین کے اعتبار سے بڑی دل نشین و دیدہ زیب ہے۔ کتاب کی معنوی حیثیت کی طرح اس کی صوری حیثیت بھی قابل داد ہے۔ سلمان رضوی صاحب کہنہ مشق شاعر ہیں عموماً ان کی زبان سادہ ہے مگر جہاں جہاں اوق ہے اس میں اقتضا اور سلیقے کا خیال رکھا گیا ہے نعت جن لوازمات کی متقاضی ہے وہ سب کے سب سلمان رضوی کے یہاں پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے ہر مرحلے میں ادب و آداب اور حزم و احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے اور قدر مراتب پر توجہ دی ہے۔

انھوں نے بیشتر شاعروں کی طرح نعت کو حمد اور منقبت کو نعت نہیں بنایا ہے وہ قدر مراتب کے قائل ہیں اور اس پر شدت سے کار بند بھی انھوں نے اپنی ساری نعتوں کے عنوان بھی قائم کئے ہیں جس سے ان کی نعتیں گو غزل کے فارم میں لکھی گئی ہیں مگر ان سب میں نظم کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے سلمان رضوی کے کلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک درویش صفت انسان ہیں ان کا کلام شاعرانہ مبالغے سے پاک ہے اور وہ خدا اور رسول کے مناصب و مناقب کا فرق جانتے ہیں۔

ہمارا کام محنت ہے، دعا ہے
وسیلہ آپ ہیں دیتا خدا ہے

ان کا کلام عجز و انکسار آقا سے اپنی غلامی پر فخر اور دلی عقیدت کے اظہار کا آئینہ دار ہے مگر حیرت ہے ایسا شخص جب اپنی بات کرتا ہے تو حد درجہ انا پرستی اور بے جا تفاخر کے ساتھ کرتا ہے۔تعلی تو غزل میں بھی پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھی جاتی چہ جائیکہ حمد و نعت و منقبت میں وہ کبھی اپنی محفل میں شرکت نہ کرنے والوں کی محرومی کا ماتم کرتے ہیں کبھی اسے ملا ئکہ کے لیے باعث فخر جانتے ہیں کبھی وہ اس پر نازاں ہیں کہ خود حضورؐ کو ان کے چاک گریباں پر بڑا ناز ہے کبھی ملا ئکہ ان کے قدم لیتے ہاتھ چومتے اور کبھی وہ حوروں کو اپنی تعریف کرتے سن لیتے ہیں۔ کبھی حضرت موسیٰ کی طرح کوہ طور پر جانے کی خواہش کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنا منصب و مقام خود ہی متعین کر لیتے ہیں۔

کتنا خوش ہوتا ہے سن سن کے وہ اپی تعریف
لوگ کہتے ہیں کہ سلمان ہے جامی انؒ کا

وہ زبان و بیان دونوں کے صحت کے قائل ہیں مگر دو ایک جگہ سہو زبان سے نہ بچ سکے۔

عرق جبین سید والا غنچوں غنچوں شبنم تھا
سانس کی خوشبو کے صدقے میں پھولوں کو مہکار ملی
آپ کے عرق رخ سے بچھی کہکشاں
مسجد آسمانی کے دالان میں

دونوں اشعار میں عرق باندھا گیا جبکہ یہ لفظ عرق ہے("ع"اور"ر" دونوں پر زبر ہے)

سدرہ المنتہی رات معراج کی
فاصلہ کچھ نہ تھا میز و مہمان میں

میزبانی کی جگہ میز باندھنا ضرورت شعری ہو تو ورنہ اس معنی میں نہ میں نے کبھی اس لفظ کو کہیں لکھا دیکھا اور نہ ہی لغت س کی تصدیق کرتی ہے۔

اس کے علاوہ کچھ اشعار عجیب طرح کے ہیں جو ایسی سنجیدہ کتاب میں نہ ہوتے تو اچھا ہوتا۔

نظر آتا نہیں مہکتا ہے
درد چھپا کا پھول ہوتا ہے
گھور تنہائی اور نعت بنت
کیا سہانا خول ہوتا ہے
صحرائے زندگی میں جڑی بوٹیوں کے بیچ
چھتار اک درخت تناور مرا رسولؐ
مرا مقصد زیست خوشبو طرازی
جو جلتا رہے وہ اگر چاہتا ہوں
آپؐ آئے تو موباف کاتا گیا
شش جہت کے نظر بوس ایوان میں

بہرنوع بہ حیثیت مجموعی سلمان رضوی کا یہ چھوٹا سا مجموعہ نعت خوبصورت اور دل نشیں ہونے کے سبب ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔

عالمِ رحمت

شاداں دہلوی

"عالم رحمت" شاداں دہلوی کا چھوٹا سا نعتیہ مجموعہ ہے مگر اس چھوٹی سی کتاب کی قدر و قیمت بڑی ہے یعنی ۹۲ روپے اس کی کچھ نعتیں غزل کے فارم میں لکھی گئی ہیں اور باقی نظمیں ہیں جن میں قصیدے کا رنگ و آہنگ پایا جاتا ہے شاداں دہلوی کہنہ مشق شاعر ہیں اس لیے ان کے یہاں زبان و بیان کے لطف کے ساتھ ساتھ قوت و روانی کا وصف بھی موجود ہے۔ وہ ایک اچھے غزل گو کی حیثیت سے تمام حلقوں میں اچھی شہرت رکھتے ہیں مگر ان کی نعتیہ شاعری دیکھ کر یہ بات ثابت ہوئی کہ زبانت کے ساتھ مشق و مزاولت بھی ہو تو شاعر کسی کوچہ میں بھی نکل جائے وہ اپنا لوہا منوا لیتا ہے پھر جہاں عقیدت و مودت کا نور بھی عکس فگن ہو تو حرف چمک اٹھتے ہیں اور بات یہاں تک پہنچتی ہے۔

دل کی زباں میں نعت رسول زماں کہو
اور پھر اسے زمیں نہ کہو آسماں کہو

شاداں دہلوی کی نعتوں میں شاعرانہ تکلف کے بجائے دل سے نکلی ہوئی بے ساختگی اور سچائی کا نور نمایاں ہے۔ انہوں نے حضور پر نور کے فضائل کو بڑے سلیقے ادب اور احتیاط سے لکھا ہے ساتھ ہی آقا کی حیات طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ حضور کے رہن سہن عادات معاملات اور ماحول کا بڑی خوبی و خوبصورتی سے احاطہ کیا ہے اور اسے سرور کائنات کی عام زندگی سے لے کر منصب رسالت کے معمولات تک پھیلا دیا ہے۔ یہ اس کتاب کا خصوصی پہلو ہے جس کے تے شاداں صاحب داد کے مستحق ہیں۔

شاداں دہلوی کا سارا کلام ان کے تبحر علمی اور صحت زبان کا منہ بولتا ثبوت ہے مگر حیرت کی بات ہے کہ ایک مقام پر وہ ایک ترکیب ایسی لکھ گئے ہیں جو ان کی شان کے شایاں نہیں۔

تو وجود مستقل ہے کیا حدوث و کیا قدم

"کیا" ہندی لفظ ہے اس کو فارسی کے قاعدے سے حرف عطف "و" کے ساتھ لکھ کر قانون شکنی کی گئی ہے۔ یہاں "و" کی جگہ "اور" چاہئے تھا۔

آخر میں مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے بڑی مسرت ہو رہی ہے کہ شاداں صاحب نے نعت اور منقبت کو ایک جگہ یکجا کر کے بڑے سلیقے سے رسولؐ و آل رسولؐ کی مدح و ثنا کا حق ادا کیا ہے اللہ ان کے قلم کو مزید توانائی اور صلاحیت بخشے تاکہ وہ آئندہ بھی اپنی پاکیزہ شاعری سے دلوں کو گرماتے اور روحوں کو نور بخشتے رہیں۔ آمین

○

"اوج" نعت نمبر

حفیظ تائب

نعت کی تخلیق ہو کہ تدوین، تنقید ہو کہ تحقیق یہ سبھی کچھ حضرت رسالت ماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رحمت واسعہ سے حصہ لینے کے مترادف ہے اور ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے یہ سعادت سمیٹنے میں جو امتیاز حاصل کیا ہے وہ آپ ہی اپنی مثال ہے۔

قیام پاکستان کی برکات میں سے یہی کچھ کم ہے کہ نعت شعر و ادب کا محبوب و لامحدود موضوع بن رہی ہے اور ورفعنا لک ذکرک کی ایک نئے انداز میں تصدیق ہو رہی ہے۔ نعت کے ہر باب میں حیرت انگیز سرمایہ سامنے آ رہا ہے..... غوث میاں کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ قیام پاکستان کے بعد اردو نعت کے ۷۰۰ کے قریب طبعزاد مجموعے اشاعت پذیر ہوئے ہیں اور ۵۰ کے قریب اردو نعت کے انتخاب اور جائزے کتابی صورت میں سامنے آ چکے ہیں۔ ڈاکٹر آفتاب نقوی کے مضمون "پاکستان میں نعت نمبروں کی روایت" میں مختلف رسائل و جرائد کے ۲۶ نعت نمبروں کا ذکر ہے بعد میں ڈاکٹر نقوی ہی کا ایک مضمون "چند مزید نعت نمبر" "نعت رنگ" کے شمارہ اول میں چھپا ہے جس میں ۸ مزید نعت نمبروں کا ذکر ہے اور ان آٹھ نمبروں میں مجلہ اوج کے نعت نمبر ۱۹۹۳ء کے بھی ذکر آیا ہے اور حقیقتاً "اوج" کا نعت نمبر کئی اعتبار سے پہلے سب نمبروں پر سبقت لے گیا ہے۔ اردو نعت کی کتابیات کے علاوہ اس نمبر میں ۱۴۰ سندھی اور ۱۲۸۹ پنجابی نعتیہ کتب کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں۔ محققین نعت میں سے ڈاکٹر سید رفیع اشفاق، ڈاکٹر ریاض مجید، ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی اور ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کے تعارف پیش کیے گئے ہیں ان اصحاب نے اردو، عربی اور پنجابی میں پی ایچ ڈی کے مقالات تحریر کیے ہیں..... ۱۴ زبانوں کے نعتیہ ادب کے تحقیقی تنقیدی جائزے اس نمبر کا قابل قدر حصہ ہیں جلد اول میں نعت کے بنیادی مسائل و آداب کے بارے میں بہت سے مفید مضامین جمع کیے گئے ہیں۔ نعت چیست کے عنوان سے ۲۰ شعراء کے افکار یکجا ہیں۔ "نگر نگر کی نعت" کے عنوان سے پاکستان کے مختلف علاقوں میں نعت کے فروغ و ارتقاء کا سروے ملتا ہے:

زیر نظر نعت نمبر کی دو جلدوں میں ۲۲ زبانوں کی نعتیہ شاعری کا عمدہ انتخاب پیش کیا گیا ہے جس میں غیر

مسلم شعراء کا نعتیہ کلام بھی شامل ہے۔ حمد باری تعالیٰ کا ایک نمائندہ انتخاب بھی جلد اول کی ابتداء میں دیا گیا ہے۔ دوسری جلد کے حصہ مضامین میں نعت کے بہت سے اہم موضوعات پر فکر انگیز اظہار خیال ہوا ہے۔

"اوج" نعت کا نمبرایک قابل قدر حصہ نعت گو شعراء اور نعت خواں حضرات سے قلمی مذاکرات پر مبنی ہے، جس میں ۱۴۱ نعت گو شعراء اور ۷۴ نعت خوانوں سے مختلف سوالوں کے تحریری جواب حاصل کرکے بڑے سلیقے سے پیش کیے گئے ہیں۔ یہ حصہ بطور خاص مدیر کی شب و روز کی محنت و کاوش اور ترتیب کی سلیقہ مندی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس حصے کے ذریعے دور موجود کے قریب قریب سبھی نمائندہ نعت نگاروں اور نعت خوانوں کا تعارف بھی ہوتا ہی اور ان کے نظریات و افکار بھی سامنے آتے ہیں۔

نعت نگاروں کے فن و شخصیت کے بارے میں بہت سے مضامین پہلے ہی سامنے آچکے ہیں، لیکن نعت خوانوں اتنا بھرپور تعارف پہلے کبھی نہیں ہوا۔ "نعت خوانی کا اعصاب سے تعلق" کے عنوان سے حکیم نور احمد کا نہایت منفرد مضمون شامل اشاعت ہے، جس میں حکیم افلاطون کا یہ حوالہ دیا گیا ہے کہ غمزدہ اور بجھے دل والوں کو خوش الحان آوازیں سنی چاہیں۔ ان آوازوں سے غم کے اثر سے بجھے ہوئی روشنی دوبارہ بیدار ہوجاتی ہے...... پھر نعت خوانی میں تو خوش الحانی کے علاوہ اور بہت کچھ شامل ہوتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ذکر جمیل جب پیکر شعر میں ڈھل کر ترنم سے ادا ہوتا ہے تو سننے والوں کی طبیعتوں پر بہت خوشگوار اثرات مرتب کرتا ہے...... مجھے یہاں ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم کی ایک ہدایت یاد آتی ہے وہ مجھے اکثر فرماتے "نعت کہتے جایئے، نعت کو عام کرتے جایئے نعت سے ہی ہے اب حالات سدھرنے کی امید کہ علماء کی بات اب کوئی نہیں سنتا۔"

اس لحاظ سے ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے اپنے کالج میگزین اوج کا نعت نمبر نکال ایک گرانقدر ادبی کام کرنے کے ساتھ ملت اسلامیہ کی ایک بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔

نعت نمبر کی ترتیب و تدوین کا کام ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے تن تنہا سرانجام دیا ہے لیکن اس کی تکمیل و اشاعت میں انہیں پروفیسر میاں مقبول احمد پرنسپل کا بھرپور تعاون حاصل رہا ہے، ورنہ کالج کے مجلوں کی اشاعت میں کیا کیا رکاوٹیں نہیں آتیں۔

"اوج" نعت نمبر کے فاضل مرتب اور مخلص سرپرست کو اس وقیع و رفیع مجلّے کے نکلتے ہی اہل و عیال سمیت دربار مصطفےٰ میں حاضری اور حج و زیارات کی نوید تو مل چکی ہے، اب دیکھیں ان کا اجر کہاں تک پھیلتا ہے۔

O

نعت رنگ...... ایک جائزہ

شفیق الدین شارق

اردو ادب میں نعتیہ نظم و نثر کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا ہے کہ اب اس شعبہ میں تنقید کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ نعت کے سلسلے میں تحقیقی کام تو خاصہ ہوا ہے لیکن تنقید کی طرف بوجوہ ابھی توجہ نہیں دی گئی تھی۔ اب چند حضرات نے پہل کی ہے۔ اس پہل کا عملی نمونہ کتابی سلسلہ "نعت رنگ" کا پہلا شمارہ تنقید نمبر کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ نوجوان نعت گو شاعر صبیح رحمانی اس کے مرتب بھی ہیں اور پبلشر بھی۔ ان کی تازہ کار طبیعت نے یہ گل کھلایا ہے۔ آغاز کار کا سہرا انہی کے سر ہے۔

"نعت رنگ" کا یہ شمارہ چار حصوں پر مشتمل ہے۔ (۱) جمال (۲) تحقیق نعت (۳) تنقید نعت (۴) فکر و فن۔ پہلے حصے میں سحر انصاری کی ایک حمد بعنوان "خالق برتر" ہے۔ اس میں انسان کی فکری جہالت اور گمراہی کا توفیق الٰہی سے راہ ہدایت کی طرف آجانے کا ذکر ہے اور اس میں شعور کی خوبی پائی جاتی ہے۔ چار حمدیہ ہائیکو بھی ہیں لیکن ان میں ہائیکو فی الاصل دو ہی ہیں۔ دو ثلاثی ہیں۔ ثلاثی کو ہائیکو کہہ دینا کسی طرح بھی درست نہیں۔ بعد ازیں "وہ اور میں" کے عنوان سے ایک مشہور شاعر کی ایک نعتیہ نظم ہے۔ اس نظم کی اٹھان جاندار ہے لیکن اختتام پر پہنچ کر "میں" کے حوالے سے ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتی ہے اور بے جان ہو جاتی ہے۔ ان منظومات کے علاوہ ایک نثری مضمون "نعت کیا ہے؟" کے عنوان سے ہے۔ اس میں نظم و نثر دونوں حوالوں سے یہ بتایا گیا ہے کہ نعت کیا ہے۔ مضمون نگار سعید بدر لکھتے ہیں۔ "آپؐ کی محبت' آپؐ کی مدح و ستائش' صلوٰۃ و سلام پڑھنا' آپؐ کے حکم پر تن من اور دھن قربان کردینا سب نعت ہے۔ اس لحاظ سے آپؐ کی ذات گرامی سے لے کر صفات نبویہ تک' آپؐ کے افکار عالیہ سے اعمال صالحہ تک ایسا کوئی پہلو نہیں جو نعت کا موضوع نہ بن سکتا ہو۔ نعت کا موضوع پھیلا ہوا ہے۔ نظم و نثر دونوں میں نعت لکھی جاتی ہے اس لئے اس کا دائرہ کار بھی بہت وسیع و عریض ہے۔"

تحقیق نعت کے باب میں سید آل احمد رضوی (تمغہ امتیاز) کا مضمون "نعت کا سفر" زبور' تورات' انجیل اور قرآن مجید کے مضامین اور عربی زبان میں کہی گئی نعتوں کے حوالے سے ہے اور معلومات افزا ہے۔ "تخلیق پاکستان اور ہماری شاعری" از ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی اور "نعت گوئی ایک عظیم سچائی ایک بے کنار موضوع" از جاذب قریشی نعت کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔ صبیح رحمانی نے ہائیکو کے حوالے سے "نعتیہ شاعری میں ہائیکو کی روایت" کے بارے میں مضمون لکھا ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے ثلاثی اور ہائیکو کی فارم میں نعت گوئی کا جائزہ لیا ہے لیکن یہ سلسلہ فی الحال نیا نیا ہے۔ ابھی اس نے روایت کی حیثیت اختیار نہیں کی ہے۔ روایت ایک طویل عمل اور اس کی مقبولیت کے بعد قائم ہوتی ہے۔ فی الحال تو اس کی صرف ابتدا ہے۔ ثلاثی اور ہائیکو دونوں واضح طور پر علیحدہ

علیحدہ فارم ہیں۔ کئی شاعر ثلاثی لکھتے ہیں اور انکو ہائیکو کہتے ہیں۔ یہ مناسب نہیں ہے۔ ہائیکو جاپانی صنف سخن ہے اور اپنا ایک الگ مزاج رکھتی ہے۔

تحقیق نعت کے سلسلے میں ایک جدت اس شمارے میں یہ کی گئی ہے کہ تین مضامین نعتوں کے انتخابات کے اشاریوں کے طور پر شامل اشاعت کئے گئے ہیں۔ یہ اشاریئے محنت سے مرتب کئے گئے ہیں۔ مفید ہیں اور دستاویز کے طور پر کام آسکتے ہیں۔ ایسا ہی ایک اشاریہ اب تک شائع ہونے والے انفرادی نعتیہ مجموعوں کا بھی مرتب کیا جانا چاہیئے۔ "نعت رنگ" کے مرتبین کے ذہن میں یہ بات یقیناً" ہوگی۔ امید کی جاسکتی ہے کہ یہ اشاریہ کسی آئندہ اشاعت میں شامل ہوگا۔

"نعت رنگ" کا ایک حصہ تنقید نعت کے لئے مخصوص ہے۔ یہ شمارہ چونکہ تنقید نمبر ہے۔ اس لئے یہ حصہ خاص اہمیت اور افادیت بھی رکھتا ہے۔ اس کا آغاز ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کے مضمون "نعت سرور کائنات" ایک منفرد صنف سخن" سے ہوتا ہے۔ مضمون اگرچہ مختصر ہے لیکن بھرپور ہے۔ اس میں نعت گوئی کے رہنما اصول بیان کئے گئے ہیں۔ عاصی کرنالی کا مضمون "ممنوعات نعت" اور ادیب رائے پوری کا مضمون "نعتیہ ادب میں تنقیدی شعور کا جمود" یہ دونوں مضمون قدرے شرح و بسط کے ساتھ نعت گوئی کے لوازم اور نعت گوئی میں پائی جانے والی خوبیوں اور خامیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ مضمون نہ صرف خیال افروز ہیں بلکہ نعت کہنے والوں، نعت سننے اور پڑھنے والوں کے لئے فکر انگیز بھی ہیں۔ مدحت حضورؐ کا شعور دیتے ہیں۔ نعت اور تنقید نعت کا معیار متعین کرتے ہیں۔ ممنوعات نعت کے ذیل میں عاصی کرنالی نے مدلل گفتگو کی ہے۔ خصوصاً" ضمائر کے استعمال کے سلسلے میں جو دلائل دیئے ہیں وہ قابل غور ہیں اور قابل قبول بھی۔ تخلیق نعت کہنے کے لئے جن پیشگی لوازم کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی بیان کردی ہیں۔ عاصی کرنالی نے تخلیق کی بات کی ہے تو ادیب رائے پوری نے اپنے مضمون میں تنقید کی بات کی ہے اور نعتیہ ادب میں تنقیدی شعور کے جمود پر ضرب لگائی ہے۔

اس ضرب سے جو آوازیں پیدا ہوئیں ان میں ایک تو رشید وارثی کی ہے۔ ان کے مضمون کا عنوان ہے "نعت نگاری میں ذم کے پہلو۔" دوسرا مضمون عزیز احسن کا ہے اس کا عنوان ہے "نعت نبی میں زبان و بیان کی بے احتیاطیاں۔" یہ دونوں مضمون جم کر لکھے گئے ہیں۔ قرآن اور حدیث سے استفادہ کیا گیا ہے اور ذوق سلیم سے کام لیا گیا ہے اور اول الذکر مضمون میں اصلاح نعت کی تشریعی اہمیت خود نبی کریمؐ کے حوالے سے بیان کی گئی ہے اور مختلف نعتیہ اشعار میں پائے جانے والے معائب کی واضح طور پر نشاندہی کی گئی ہے۔ اس مقصد کے لئے مختلف ذیلی عنوانات بھی قائم کردیئے گئے ہیں۔ مثلاً" اسوہ حسنہ کے منافی مضامین، آپؐ کی جلالت شان کے منافی، آپؐ پر خواب غفلت کا گمان، علم رسولؐ کے خلاف، حضورؐ کی شان کی اکملیت اور اس کے منافی بیان، آپؐ کے عزم ثبات کے منافی، شان کرم کے بارے میں بے یقینی، جلوہ پاک کے بارے میں غلط تصور، دربار رسولؐ کے آداب سے بے خبری، حاضر دربار ہونے کو معیت سے تعبیر کرنا، صرف قافیہ پیمائی پر توجہ دینا، نعت میں عامیانہ زبان کا استعمال، اسلامی تعلیمات کے خلاف مضامین، شان رحمت اللعالمینؐ کو محدود کرنا یہ تو ہوئیں نعت گوئی میں معنوی

فروگزاشتیں اور کوتاہیاں۔ عزیز احسن نے اپنے مضمون میں نعت نبیؐ میں پائی جانے والی زبان و بیان کی بے احتیاطیوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔

ان دونوں مضمونوں میں ایک باہمی ربط بھی پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ معانی و مفاہیم اور زبان و بیان گفتگو کے لئے الگ الگ موضوع ہونے کے باوجود باہم بے تعلق نہیں ہوتے کیونکہ یہ باہم مربوط ہوتے ہیں۔ ایک قابل اعتراض بات کو ہم محض زبان و بیان کے حسن کی وجہ سے گوارا نہیں کرسکتے۔ اسی طرح زبان و بیان کی غلطیاں ایک اچھی بات کے حسن کو مجروح کردیتی ہیں۔ تنقید کا اعتبار قائم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس میں ذاتی پسند اور ناپسند کا عمل دخل کم سے کم ہو۔ ذوق سلیم ذاتی پسند اور پسند کا محتاج نہیں ہوتا۔ یہ بات باطن کے تزکیہ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہاں دو باتوں کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ عزیز احسن نے اپنے مضمون میں جن نکات کی طرف توجہ دلائی ہے ان کی روشنی میں شاہ انصار الہ آبادی کی نعتیہ شاعری کے چند اشعار جن کی توصیف مضمون نگار نے اسی شمارہ میں شامل ایک دوسرے مضمون میں کی ہے۔ وہ قابل مواخذہ ٹھہرتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ رشید وارثی نے صرف قافیہ پیمائی پر توجہ کا نتیجہ کے ذیل میں قافیہ پیمائی کے برعکس عشق صادق کی دولت سے بہرہ مند لوگوں کی مقدس آرزوؤں کی مثالیں دی ہیں۔ ان میں ایک شعر صبیح رحمانی کا بھی ہے۔

میں صرف دیکھ لوں اک بار' صبح طیبہ کو
بلا سے پھر مری دنیا میں شام ہوجائے

لیکن اس سے ملتے جلتے مضمون کا ایک شعر سہیل غازی پوری کا ہے۔

مدینے کا سفر مالک فقط اک بار ہوجائے
پھر اس کے بعد چاہے زندگی دشوار ہوجائے

اس شعر پر عزیز احسن نے اپنے مضمون میں یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ طریقہ حضور اکرمؐ کے سکھائے ہوئے آداب دعا کے منافی ہے۔ صحیح مسلم اور ترمذی کی حدیثوں سے استنباط کرتے ہوئے ایک نکتہ وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ مدینے کے سفر کے بعد اتباع رسولؐ کی توفیق مل جانے سے زندگی خوشگوار ہوجاتی ہے دشوار نہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو صبیح رحمانی کے شعر میں بھی سقم موجود ہے...... بہرحال اختلاف نظر کی ایسی مثالیں ہر جگہ مل سکتی ہیں۔ صرف نعتیہ ادب ہی نہیں بلکہ عام شعری ادب میں بھی اور کثرت سے۔

بہرحال متذکرہ بالا دونوں مضمون پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ نعت گو شعراء نے کہاں کہاں اور کیسی کیسی فاش غلطیاں کی ہیں۔ خوش گمانی کہتی ہے کہ یہ غلطیاں انہوں نے شعوری طور پر نہ کی ہوں گی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ راہ شعور اور آگہی کی ہے۔ بے شعوری اور بے خبری کی نہیں۔ اللہ سب کی مغفرت فرمائے۔ جو شعراء حیات ہیں اور جن کی نظر سے "نعت رنگ" کا یہ تنقید نمبر گزرے ان پر لازم ہے کہ وہ ذم کا پہلو رکھنے والے اشعار پر نظر ثانی کریں اور ساتھ ہی زبان و بیان کی جو بے احتیاطیاں ان سے سرزد ہوگئی ہیں ان کو درست کرلیں۔ اپنی فروگذاشتوں اور کوتاہیوں کو خوش دلی سے قبول کرنا اعلیٰ ظرفی کا ثبوت ہے۔ میرے خیال میں اس شمارے میں جو

تنقید ہے وہ خاصی متوازن اور خالص تعمیری ہے۔ اس میں تنقیص کا شائبہ نہیں ہے۔ کہیں کہیں اشعار کی تفہیم میں اختلاف رائے کی گنجائش ضرور موجود ہے۔ تاہم اس تنقید کے لکھنے والوں کے خلوص نیت، معیار تنقید اور جرات اظہار کو شک و شبہ کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ اس شعر کے مصداق قدرے تصرف کے ساتھ:

محبتیں بھی رہیں دل کو ٹھیس بھی نہ لگی
کسی کے سامنے اس طرح آئینہ رکھا

اصل شعر عزیز احسن کا ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں "میری کوشش تو صرف یہ ہے کہ نعت گو شعراء کو ان کی ذمہ داری کا احساس ہو جائے۔ تنقید نگار کا کام مالی کی طرح پودوں کی تہذیب کرنا ہوتا ہے ان کی نشو و نما روکنا نہیں۔ ہو سکتا ہے مستقبل میں کچھ باصلاحیت اہل علم نعت میں رجحان ساز تنقیدی تحریک چلانے میں کامیاب ہو جائیں اور شعراء محتاط ہو جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو انشاء اللہ شعریت و شریعت کا حسین امتزاج نعتیہ شاعری میں جھلکنے لگے گا۔" رشید وارثی بھی بڑے ادب سے کہتے ہیں "اس بے ہنر کو اپنی علمی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا پورا احساس ہے۔ اور اس حقیقت کا بھی پورا اعتراف ہے کہ بلند حوصلہ صاحب بصیرت شعراء کرام ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہمارے سر کا تاج ہیں۔ تاہم سہواً یا قرآن و حدیث کے مضامین سے بے خبری کی بناء پر ان کے اشعار میں جو معنوی لغزشیں سامنے آئیں ان کی نہایت ادب و احترام کے ساتھ نشان دہی کر دی جائے تاکہ موجودہ اور آئندہ نسل کے نعت نگار ان اغلاط کو دہراتے نہ رہیں۔ میں ان سب حضرات کا بہ صمیم قلب احترام کرتا ہوں اور انشاء اللہ ان کی تکریم کرتا رہوں گا۔" عاصی کرنالی لکھتے ہیں "میں نے نہایت خلوص نیت کے ساتھ یہ مضمون لکھا ہے اور حب رسولؐ کے تقاضوں کی لطافتیں حرف بہ حرف اور سطر بہ سطر میرے ملحوظ خاطر رہی ہیں۔"

ان صراحتوں کے بعد نقادان نعت سے خفگی کا جواز باقی نہیں رہتا۔ بدمزگی اور اختلافات رائے میں فرق ملحوظ رہنا چاہیے کیونکہ ادیب رائے پوری کے الفاظ میں "نعتیہ ادب" تنقید کے بغیر اس گرفت سے بھی آزاد ہو جاتا ہے جس کے بغیر انسان کے بھٹک جانے، ثواب فکر کے صلہ عذاب میں بدل جانے کا خطرہ قدم قدم پر ہے۔ یہاں دونوں ہاتھوں سے دامان خیال نہیں تھاما جاتا۔ ایک ہاتھ میں دامن ادب اور دوسرے میں دامان خیال ہوتا ہے۔ نعتیہ شاعری میں جذبات کا اظہار اور جذبات پر قابو لازم و ملزوم ہوتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو متاع ایمان کے برباد ہو جانے کی پشیمانی رہ جاتی ہے۔"

زیر نظر شمارہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تنقید نعت کے سلسلے میں مزید کام ہو رہا ہے اور مندرجہ ذیل کتابیں زیر تحریر ہیں۔

(۱) نعتیہ ادب اور تنقید از سید علی حسین ادیب رائے پوری
(۲) ن عتیہ شاعری میں احتیاط کے پہلو از رشید وارثی
(۳) ن عت، شعریت اور شریعت از عزیز احسن

تنقید نعت یقیناً "ایک تعمیری کام ہے۔ یہ ایک اچھی ابتدا ہے اور اگر تنقید نعت کو مثبت انداز میں لیا گیا تو اس

کے اور بہت سے پہلو سامنے آئیں گے۔ قرآن اور سنت کا علم اور اس کی باشعور تفہیم، صحت مندانہ مزاج، وسعت قلبی، کشادہ ذہنی، خلوص نیت، اعتدال اور توازن جیسے اجزائے ترکیبی اگر اپنی صحیح ترتیب کے ساتھ موجود ہوں تو تنقید نعت بہت مفید ثابت ہوگی۔ شروع شروع میں تنقید کے عمل میں یہ بالکل ممکن ہے کہ ایسی بہت سے مثالیں جیسی کہ سہیل غازی پوری اور صبیح رحمانی کے شعروں کے بارے میں بیان کی گئی ہے۔ ہمارے سامنے آئیں لیکن تنقید برائے اصلاح کا مخلصانہ عمل اگر جاری رہا تو اس کے بہتر نتائج بھی انشاء اللہ مرتب ہوں گے۔ شرط یہ ہے کہ تنقید کو مابہ النزاع نہ بنایا جائے اور اس کو اس کے اصل پس منظر اور مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھا جائے۔ جہاں نقائص اور معائب کی نشان دہی کی جائے وہاں کھلے دل سے محاسن کی تعریف بھی کی جائے۔

اس شمارے میں منتخب شعراء کی چیدہ نعتیں بھی شامل اشاعت ہیں۔ ذوق انتخاب کی داد نہ دینا زیادتی ہوگی۔ قارئین ان نعتوں سے یقیناً لطف اندوز ہوں گے اور کیف و سرور کے جذبات کو محسوس کریں گے البتہ اس حصے میں ایک نظم "اے محبوب خدا" بھی شامل کی گئی ہے۔ اس نظم میں شاعر نے اپنی آگہی پر تکبر کا اظہار کرتے ہوئے شریعت اور ایمان کو اپنی باخبری سے کم تر کوئی حقیر چیز گردانا ہے۔ یہ نظم کج فہمی اور پستی فکر کی ایک مثال کہی جاسکتی ہے۔ نعوذباللہ، نعت نہیں، نعت کی پیروڈی معلوم ہوتی ہے۔ نصاریٰ نے جب سب سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیا ہوگا تو کچھ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہوگا۔ چونکہ دین عیسوی کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا تھا۔ اس لئے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے۔ لیکن الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی صورت میں دین محمدیؐ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہوا ہے۔ معلوم نہیں صبیح رحمانی سے یہ سہو کیسے ہوگیا کہ انہوں نے اس نظم کو شامل اشاعت کرلیا۔ شاعر اور ناشر دونوں کے لئے توبہ و استغفار کا مقام ہے۔

اسی شمارے کے آخر میں "فکر و فن" کے عنوان سے جن مختلف نعت گو شعراء کی نعتیہ شاعری پر تعارفی مضامین ہیں۔ ان میں حفیظ تائب، تابش دہلوی، مظفر وارثی، حنیف اسعدی، عاصی کرنالی، جعفر بلوچ، سید قمر زیدی اور صبیح رحمانی شامل ہیں۔ ان مضامین کے علاوہ مشہور شاعر حنیف اسعدی کے مختصر مختصر تبصرے ہیں جو انہوں نے مبارک مونگیری، قمر وارثی، مانی فاروقی اور اختر لکھنوی کے نعتیہ مجموعوں نیز راجا رشید محمود کی کتاب "پاکستان میں نعت" اور غلام مجتبیٰ احدی کی تالیف "راہ نجات" پر لکھے ہیں۔ یہ مضامین "حاصل مطالعہ" کے عنوان سے ہیں اور اس میں توصیف اور تنقید دونوں کا التزام ہے۔

مجموعی طور پر "نعت رنگ" یہ تنقیدی نمبر ایک سعی بلیغ ہے۔ یہ صبیح رحمانی کی تازہ کار طبیعت کی طرف سے ایک خوبصورت اور جاذب نظر تحفہ ہے اور نعتیہ ادب میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس شمارے کے مندرجات نہ صرف مدحت رسولؐ کے آداب ہمیں بتاتے ہیں بلکہ اس کے لوازم اور مقتضیات کی بھی پوری پوری نشان دہی کرتے ہیں۔ ان میں نعت گو شعراء نعتوں کے قارئین و سامعین اور نقادان فن سب کے لئے بہت کچھ ہے۔ ایک ایک نکتہ قابل غور اور لائق توجہ ہے۔ نعتیہ ادب کے سلسلے میں یہ یقیناً ایک اہم اور مفید کار خیر ہے۔ جزاک اللہ اس شمارہ کا مطالعہ ہر اس فرد کے لئے ضروری ہے جو نبی کریمؐ کی مدحت میں رطب اللسان رہنا چاہتا

ہے۔ اس کے ذریعہ سے صفحہ دل کے علاوہ ذہن اور شعور کی راہ میں بھی ایک ایک نگاہ پر مدحت کے چراغ جلائے گئے ہیں اور نعت کی روشنی پھیلائی گئی ہے۔ اب یہ جہاں تک پہنچے۔ حصہ نظم سے اسلم فرخی کے دو شعروں کے مطابق:

مدحت سرور کونینؐ تو کیا لکھی ہے
میں نے اپنے لئے بخشش کی دعا لکھی ہے

ورق جاں ہے ترے نور صفا سے روشن
صفحہ دل پہ ہر اک تیری ادا لکھی ہے

خود صبیح رحمانی کے الفاظ ہیں "نعت نگاری کی طرف رجوع عام کے اس اہم دور میں نعت کو رطب و یابس اور شعراء کے غیر محتاط رویوں سے محفوظ رکھنے کی پہلی سنجیدہ اور باقاعدہ کوشش ہے۔" ادارے کی طرف سے کہا گیا ہے۔ "امید ہے کہ اہل فکر و نظر اس صحت مند تنقیدی سلسلے کو سراہیں گے۔ مسئلہ ابلاغ کا ہے۔ تاہم خلوص کی زبان کا کوئی خاص لہجہ نہیں ہوتا۔ نعتیہ ادب میں توانا رجحانات کے فروغ، صحت مند روایات کی ترویج اور موضوع کی تقدیس کے خدوخال اجاگر کرنے کے لئے تنقید ناگزیز ہے۔ بایں ہمہ تحسین، تعبیر و تفہیم شعر خالصتا" ذوقی معاملہ ہے۔ اس لئے شعری پسندیدگی کے زاویئے مختلف ہوسکتے ہیں لیکن شریعت کے معیارات کی پاسداری ہر حال میں ضروری ہے۔ زبان بھی کچھ قواعد کی پابند ہوتی ہے۔ اس لئے یہ پہلو بھی توجہ طلب ہے۔"

ان الفاظ میں "نعت رنگ" کے اس تنقید نمبر کا خلاصہ بیان ہو جاتا ہے۔ میں مرتبین کی اس کاوش کی کامیابی اور مقبولیت کے لیے دعاگو ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہر ورق جاں کو نور صفا سے ہمیشہ روشن رکھے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

○

خاندان کو ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور نعت کے موضوع سے گہری محبت ہے.... اسی لیے میں اس خاندان کو "خانوادہ نعت" کہتا ہوں.... خانوادہ نعت میں ان کے دعا گوؤں، حوصلہ افزائی کرنے والوں، دوسرے تعاون کرنے والوں اور ماہنامہ "نعت" میں دلچسپی رکھنے والوں کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ میں مدیر نعت اور خانوادہ نعت کو ماہنامہ "نعت" کی آٹھویں سالگرہ پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور دست بہ دعا ہوں کہ وہ اس کام کو اور زیادہ معنوی وصوری خوب صورتیوں سے آراستہ کرتے چلے جائیں اور انہیں دین و دنیا کی ہر برکت میسر ہو۔

ماہنامہ "نعت" کا ہر شمار خاص نمبر ہوتا ہے اور نعت یا سیرت کے کسی نہ کسی خاص گوشے کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کے نمبروں نے نعت و سیرت کی تحقیق، تدوین اور تنقید کے بہت متنوع ابواب میں گراں قدر اضافے کیے ہیں۔

اس جریدے کے چار خاص الخاص نمبر بھی شائع ہوئے ہیں جو خصوصی اہمیت کے حامل ہیں

(۱) نومبر دسمبر ۱۹۹۲ء کا خاص الخاص نمبر "سفر سعادت، منزل محبت" کے عنوان سے ہے۔ یہ راجا رشید محمود کا سفر نامہ حجاز مقدس ہے، جسکی بے ساختگی بہت متاثر کرتی ہے۔ "دیار نور" کے عنوان سے ایک شمارہ راجا رشید محمود کی ۱۹۹۲ء کے حاضری حرمین شریفین کے لیے وقف ہوا۔ یہ اگست ۱۹۹۴ء کا شمارہ تھا۔ مدیر "نعت" تلاش نعت کے لیے دہلی بھی گئے اور اپنے اس سفر کے احوال مارچ ۱۹۹۲ء کے شمارے میں نعت کے سائے میں کے عنوان سے محفوظ کیے۔ اس شمارے میں بھارت کے کچھ نعت نگاروں کی نعتیہ تخلیقات بھی شامل ہوئیں۔

(۲) دوسرا خاص الخاص نمبر "تسخیر عالمین اور رحمۃ للعالمین" کے عنوان سے ہے، جو جولائی اگست ۱۹۹۳ء کو محیط ہے۔ یہ راجا رشید محمود کی رفیع و وقیع سیرتی تصنیف ہے، جسے سائنسی ارتقاء کے اس دور میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس کا پہلا باب "عالمین کا معنی و مفہوم" کے عنوان سے ہے، جبکہ دوسرا باب "تسخیر عوالم.... کس کے لیے کے موضوع پر ہے۔ اس باب میں نہایت معتبر حوالوں سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ "رب العالمین نے عالمین کے نظام کو ایک ترتیب اور نظم کے ساتھ چلانے کا اہتمام کیا تو اس ہستی کو، جس کے لیے اس نے سب کچھ پیدا کیا، رحمت للعالمین بنا دیا۔ تمام عالمین سب سے پہلے اور سب سے زیادہ رحمت للعالمین (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہی کے لیے مسخر کیے گئے" تیسرا باب "عناصر کی تعداد" سے متعلق ہے، جس میں علم ابجد، علم الاعداد کے ساتھ ساتھ سے قرآنی اور سائنسی معلومات سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ برآمد کیا گیا ہے کہ پائیدار عناصر کی تعداد ۹۲ ہے (جتنے اسم "محمد" کے عدد ہوتے ہیں) اور اس اسم مبارک کے اعراب پر منحصر ناپائیدار عناصر پہ علمائے مغرب کی تحقیق جاری ہے۔ اگلے ابواب میں (۱) عالم اجرام فلکی (۲) عالم سماوات (۳) عالم شمس (۴) عالم قمر (۵) عالم نجوم و کواکب (۶) عالم ملائکہ (۷) عالم جنات (۸) عالم نباتات (۹) عالم حیوانات (۱۰) عالم ارض اور کر (۱۱) دیگر عوالم کے بارے میں بیش بہا تحقیق پیش کی گئی ہے۔ اس طرح یہ کتاب اردو کے سیرتی ادب میں نہایت اعلیٰ اضافہ ہے اور اس کی نظیر نہیں ملتی۔

(۳) تیسرا خاص الخاص نمبر "خواتین کی نعت گوئی" کے عنوان سے ہے اگر ۴۴۸ صفحات پر محیط اس کے مقدمے میں "خواتین کی نعت گوئی" پر اب تک ہونے والے تحقیقی تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے اور اس کے بعد ۲۳۰ شاعرات کا تعارف اور نعتیہ کلام جمع کیا گیا ہے۔ گویا یہ نمبر اب تک اس موضوع پر حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ماہنامہ "نعت" کی یہ اشاعت خصوصی "جولائی ۱۹۹۵ء" میں شائع ہوئی۔

(۴) ۱۹۹۵ء ہی میں آخری شمارے کے طور پر جو چوتھا خاص الخاص نمبر آیا وہ "غیر مسلموں کی نعت" کے عنوان

سے ہے۔ اس موضوع پر کچھ اور لوگوں نے پہلے بھی کام کیے ہیں، جبکہ خود ماہنامہ نعت کے تین شمارے بھی اس سلسلے میں آچکے ہیں (شمارہ جات اگست ۱۹۸۸ء جون ۱۹۸۹ء جون ۱۹۹۰ جولائی ۱۹۹۲ء) لیکن اس اشاعت خصوصی میں ۲۱۶ غیر مسلم شعراء کا نعتیہ کلام اور تعارف شامل ہے اور یہ گراں قدر تحقیقی اور ناقابل فراموش تذکرہ ۴۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ عظیم الشان کارنامہ مدیر "نعت" کی ذاتی کاوش کا نتیجہ ہے۔

ماہنامہ "نعت" کے موضوعات کو صرف شاعری کی اس صنف تک محدود نہیں رکھا گیا، جسے اصطلاحاً "نعت" کہا جاتا ہے، بلکہ "تسخیر عالمین اور رحمتہ للعالمین" نمبر کے علاوہ درج ذیل موضوعات سیرت کے لیے شمارے مخصوص کیے گئے ہیں کہ سیرت طیبہ کو نعت میں اساسی حیثیت حاصل ہے:۔

۱۔ مدینتہ الرسول (مارچ، مئی ۱۹۸۸ء۔ جون، ۱۹۹۴ء) ۳

۲۔ میلاد النبیؐ (اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۸۸ء۔ اکتوبر ۱۹۹۰ء) ۴

۳۔ معراج النبیؐ (مارچ، اپریل ۱۹۸۹ء۔ دسمبر ۱۹۹۴ء) ۳

۴۔ درود و سلام (اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۸۹ء۔ مارچ، اپریل، مئی، نومبر، دسمبر ۱۹۹۰ء) ۸

۵۔ شہیدان ناموس رسالت (جنوری، فروری، مارچ، اپریل، مئی ۱۹۹۱ء) ۵

۶۔ سراپائے سرکارؐ (اکتوبر ۱۹۹۱ء۔ اکتوبر ۱۹۹۲ء) ۲

۷۔ حضور کا بچپن (دسمبر ۱۹۹۱ء) مضامین و منظومات ۱

۸۔ پیر کے دن کی اہمیت (اپریل، مئی، جون ۱۹۹۲ء) تصنیف شہناز کوثر ۳

۹۔ سیرت منظوم (ستمبر ۱۹۹۲ء) قطعات کی صورت میں سیرت اطہر از راجا رشید محمود (تقدیم بھی مصنف کی طرف سے ۱

۱۰۔ حضورؐ اور بچے (اپریل ۱۹۹۳ء) ۱

۱۱۔ حضورؐ کے سیاہ فام رفقاء (مئی ۱۹۹۳ء) تصنیف اظہر محمود ۱

۱۲۔ حضورؐ کی رشتہ دار خواتین (دسمبر ۱۹۹۳ء) ۱

۱۳۔ حضورؐ کی معاشی زندگی (اپریل ۱۹۹۴ء) ۱

۱۴۔ حضور کی وعادات کریمہ جنوری ۱۹۹۵ء ۱

کل شمارے ۳۵

"رسول نمبروں کا تعارف" کے عنوان سے ستمبر ۱۹۸۸ء فروری ۱۹۸۹ء۔ فروری ۱۹۹۰ء اور ستمبر ۱۹۹۳ء کے چار شمارے ان پر مستزاد ہیں۔

ماہنامہ "نعت" کے ذریعے نعت کی تحقیق و تدوین و تنقید اور مطالعات کے جو گوشے اب تک سامنے آئے ہیں وہ کچھ یوں ہیں۔

تحقیق نعت

۱۔ نعت کیا ہے (فروری ۱۹۸۸ء۔ اپریل مئی جون ۱۹۹۵ء) ۴

۲۔ اردو کے صاحب کتاب نعت گو (اپریل جون ۱۹۸۸ء۔ ستمبر ۱۹۸۹ء۔ جولائی ۱۹۹۰ء) ۴

۳۔ عربی ادب میں ذکر میلاد (ستمبر ۱۹۹۱ء) تصنیف پروفیسر ضیا المصطفیٰ قصوری ۱

۴۔ عربی نعت اور علامہ نبہانی (فروری ۱۹۹۳ء) ۱

۵۔ نعتیہ مسدس (جولائی ۱۹۹۱ء) اردو نعتیہ مسدس کے عنوان سے مدیر کا مضمون اور انتخاب ۱
۶۔ آزاد نعتیہ نظم (اگست ۱۹۹۲ء) حامد یزدانی کا جائزہ اور انتخاب ۱
۷۔ نعتیہ رباعیات (جنوری ۱۹۹۲ء) ۶ مضامین اور انتخاب ۱
۸۔ وارثیوں کی نعت (اگست ۱۹۹۰ء) ۲۵ وارثی شعراء کا تعارف و انتخاب ۱

کل شمارے ۱۴

تدوین نعت

(۱) نعت قدسی (جولائی ۱۹۸۸ء) "قدسی و نعت قدسی" کے عنوان سے مدیر کا مقالہ اور انتخاب ۱
(۲) فیضان رضا (اگست ۱۹۹۱ء) "نعت احمد رضا کے شعری محاسن" کے عنوان سے مدیر کا مضمون اور مولانا کی زمینوں میں کہی گئی نعتوں کا انتخاب ۱
(۳) لاکھوں سلام (جنوری مئی ۱۹۸۹ء) سلام رضا (متن) سلام اور سلام رضا (مضمون مدیر) سلام رضا پہ تضمینیں اور دوسری منظومات ۲
(۴) یا رسول اللہ (نومبر ۱۹۹۳ء) یا رسول اللہ کے عنوان اور ردیفوں والی نعتوں کا انتخاب مع تقدیم ۱
(۵) نور علی نور (نومبر ۱۹۹۴ء) تخلیق نور اور نور علی نور کے عنوان سے نعتیں۔ قصیدہ نور مولانا احمد رضا قصیدہ نور پہ اختر الحامدی کی نعتیں اور نور و روشنی کی ردیفوں سے لکی گئی نعتوں کا انتخاب ۱
(۶) نعت ہی نعت (اکتوبر ۱۹۹۳ء۔ فروری ۱۹۹۴ء۔ اکتوبر ۱۹۹۴ء۔ مارچ ستمبر ۱۹۹۵ء انتخاب ۵
(۷) تضمینیں (مارچ ۱۹۹۴ء) انتخاب
(۸) استغاثے (فروری ۱۹۹۵ء) انتخاب
(۹) نعتیہ قطعات (جنوری ۱۹۹۳ء) ذاتی تصنیف راجا رشید محمود

کل شمارے ۱۲

کچھ نعت نگاروں کی شخصیت و نعت کی مطالعات اور ان کا منتخب کلام

(۱) کلام ضیاء القادری (جولائی اگست ۱۹۸۹ء) ۲
(۲) حسن رضا بریلوی کی نعت (جنوری ۱۹۹۰ء) ۱
(۳) آزاد بیکانیری کی نعت (ستمبر ۱۹۹۰ء۔ فروری ۱۹۹۲ء) ۲
(۴) غریب سہارنپوری کی نعت (جون ۱۹۹۱ء) ۱
(۵) اقبال کی نعت (نومبر ۱۹۹۱ء) ۱
(۶) ستار وارثی کی نعت (مارچ ۱۹۹۳ء) ۱
(۷) زائر مدینہ بہزاد لکھنوی کی نعت (جون ۱۹۹۳ء) ۱
(۸) محمد حسین فقیر کی نعت (جنوری ۱۹۹۴ء) ۱
(۹) اختر الحامدی کی نعت (مئی ۱۹۹۴ء) ۱
(۱۰) شیوا بریلوی اور جمیل نظر کی نعت (جولائی ۱۹۹۴ء) ۱
(۱۱) بے چین رجپوری کی نعت (ستمبر ۱۹۹۴ء) ۱

باقی صفحہ نمبر ۲۲۲ پر

راجا رشید محمود (مدیر) اور خانوادۂ نعت کو
ماہنامہ "نعت" لاہور کی آٹھویں سالگرہ مبارک

حفیظ تائب

آج کے زمانے میں دینی اور اک خاص مزاج کا ماہوار رسالہ تن تنہا نکالنے کا تصور کوئی عام آدمی تو کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن راجا رشید محمود کوئی عام آدمی تو نہیں۔ وہ نظم و نثر پر یکساں قدرت رکھتے ہیں وہ ایک فعال باہمت مستعد اور سلیقہ مند آدمی ہیں وہ اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو مرکوز کرنے کا ہنر خوب جانتے ہیں۔ مگر ان کا کام بھی انتہائی مشکل تھا۔ وہ ماہنامہ "نعت" نکالنے کا عزم رکھتے تھے اور اسے تمام تر ذاتی وسائل تک محدود رکھنا چاہتے تھے' جبکہ ٹیکسٹ بک بورڈ میں پیشہ وارانہ مصروفیات کا بھاری بوجھ بھی ان کے سر پر تھا۔ پھر بھی علم و عمل سے آراستہ پرانہ اس شخص نے ماہنامہ "نعت" نکالا اور اسے جس شان' تمکنت' حسن' سلیقے اور باقاعدگی سے جاری رکھا' اسکی کوئی دوسری مثال میری نظر میں نہیں۔ یہ حقیقتاً "عشق رسولؐ کی کارفرمائی ہے اور بقول میر۔

کوہ کن کیا پہاڑ توڑے گا
عشق نے زور آزمائی کی

ماہنامہ "نعت" کا پہلا شمارہ جنوری ۱۹۸۸ء میں آیا تھا اور نومبر دسمبر ۱۹۹۵ء کا شمارہ خاص حسب روایت پہلی دسمبر ۱۹۹۵ء کو شائع ہو گیا تھا۔ اس طرح ماہنامہ "نعت" نے اشاعت کے آٹھ برس مکمل کر لیے ہیں اور صرف سال ہی مکمل نہیں کیے' جمالیات' آگہی اور تسلسل کا ایک معیار قائم کیا ہے۔

راجا رشید محمود کو ابتدا ہی سے اندازہ تھا کہ نعت کے موضوع پر کام کرنے والے لوگ کم کم ہیں اور ان میں سے تعاون کرنے کے قابل لوگ بہت ہی کم ہیں۔ چنانچہ انہوں نے گھر کی ٹیم بنانا شروع کر دی تھی جب انہوں نے پہلا پرچہ "حمد باری تعالیٰ" کے عنوان سے نکالا تھا تو اس وقت ان کے والد بزرگوار راجا غلام محمدؒ سلامت با کرامت تھے اور ان کا مضمون "حمدیہ شاعری میں ذاتی حوالہ" بھی پہلے شمارے میں شامل تھا۔ انہی کے زیر سایہ "خانوادہ نعت" بننا شروع ہوا۔ راجا رشید محمود کے خون خمیر میں تو ان کا فیض جاری و ساری تھا ان کی بڑی بیٹی شہناز کوثر بھی ابتداء ہی سے تعاون کرنے لگی چنانچہ پہلے شمارے ہی میں ان کا مضمون "حمد میں نعت کی صورتیں" شامل تھا' جبکہ بعد کے شمارے میں ان کے اٹھارہ مضامین اب تک شائع ہو چکے ہیں' جن میں سے بیشتر بہت وقیع ہیں۔ کچھ عرصہ سے ان کا نام ماہنامہ "نعت" کی ڈپٹی ایڈیٹر کی حیثیت میں رسالے کی پیشانی پر بھی شائع ہوتا ہے۔ ماہنامہ "نعت" سے مسلسل تعاون سے انہیں ذاتی فائدہ یہ پہنچا ہے کہ وہ کئی بہت اہم سیرت کی کتابوں کی مصنفہ ہیں... جن پر صدارتی ایوارڈ بھی مل چکے ہیں..... راجا رشید محمود کا بڑا بیٹا اظہر محمود ادارتی کام میں ان کا ہاتھ بٹاتا ہے تو چھوٹا بیٹا اختر محمود انتظامی امور سرانجام دیتا ہے۔ اظہر محمود کا نام اب رسالے پر بطور ڈپٹی ایڈیٹر درج ہوتا ہے تو اختر محمود کا بطور منیجر۔ اظہر محمود کی کتاب "حضورؐ کے سیاہ فام رفقا" کو وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان نے بیرونی ممالک' خاص طور سے افریقی ممالک میں تبلیغ دین کے لیے منتخب کیا ہے اور یہ اس کا بہت بڑا اعزاز ہے.... ان کی دوسری دو بیٹیاں شمیم اختر اور کوثر پروین بھی ماہنامہ "نعت" میں گہری دلچسپی لیتی ہیں اور ان کے تین تین مضامین بھی رسالے میں چھپ چکے ہیں.... راجا رشید محمود کی یہ غیر معمولی خوش بختی ہے کہ ان کی اہلیہ بھی "نعت" کے کام میں بھرپور تعاون کرنے کے ساتھ' کبھی نہ کبھی مضمون بھی پرچے کے لیے لکھتی ہیں..... اس

ہشام علی حافظ کی نعتیہ شاعری ۔۔۔۔ ایک تاثر

سید محمد ابوالخیر کشفی

الحمد اللہ رب العالمین وا لصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وامام المتقین محمد والہ و صحبہ اجمعین و من تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین

اس وقت صبح کے چار بجے ہیں۔ فجر کا وقت ابھی ڈیڑھ گھنٹے کے فاصلے پر ہے۔ کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے میں بستر سے اٹھ بیٹھا نہ جانے نیند کا طائر میری آنکھوں کے نشیمن سے ناراض کیوں ہوگیا۔ تجزیہ کیا تو خود پر یہ بات کھلی کہ ہشام علی حافظ کے نعتیہ دیوان "احبک.. احبک.. احبک۔ یا حبیبیؐ یا رسول اللہ" پر اپنے تاثرات قلم بند کرنے ہیں۔ پچھلے دنوں بیمار رہا اور اسی عالم میں اصل دیوان کا مطالعہ کیا' ترجمہ کو پڑھا اور دونوں کا تقابل کیا۔ اس کام میں تاخیر ہوئی۔ تاخیر کی وجہ صرف میری علالت نہیں تھی بلکہ حقیقی سبب یہ تھا کہ میں حقیقی اور سچے ادب' بالخصوص شاعری کو تیزی کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا۔ اکثر میں کتاب پڑھتے ہوئے مصنف کی آواز سنتا ہوں کہ مجھ سے آسان نہ گزرو' میری کتاب کی صفحات میں مجھے تلاش کرو اور مجھے دیکھو۔ یہی لفظ میرے حقیقی خدوخال ہیں۔ اچھی کتاب کے مطالعے کے دوران ایسے مقامات آتے ہیں کہ میں کتاب کو بند کر کے سوچنے لگتا ہوں' اور جہاں تک شاعری کا تعلق ہے اچھے شعر اور مصرے مجھے نہ جانے کن دنیاؤں اور فضاؤں میں پہنچا دیتے ہیں۔ اچھی شاعری ایک چہار سمتی مکالمہ ہوتی ہے۔ شاعر کا مکالمہ اپنی ذات کے ساتھ' اپنے رب کے ساتھ' اس کائنات کے ساتھ اور دوسرے انسانوں کے ساتھ۔

نعتیہ شاعری میرے نزدیک مشکل ترین صنف سخن ہے اور بالخصوص جب شاعر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب بھی ہوتا ہو۔ ذرا سی بے احتیاطی حبطِ اعمال کا سبب بن سکتی ہے۔ فارسی کے مشہور شاعر عرفی شیرازی نے کہا تھا کہ نعت گوئی تلوار کی دھار پر چلنے کی طرح ہے۔ میں دیر تک ہشام علی حافظ کے نعتیہ دیوان پر مواجہ شریف کے نقش کو دیکھتا رہا اور کتاب کے نام پر میری نظریں جمی رہیں۔ جب بھی میں نے اس کتاب کو اٹھایا میرے لب کتاب کے نام کو دہراتے رہے اور آنکھیں مواجہ شریف کو دیکھتی رہیں

احبکَ : احبکَ : احبکَ
یا حبیبیؐ یا رسول اللہؐ
مجھے تم سے محبت ہے: مجھے تم سے محبت ہے' مجھے تم سے محبت ہے
یا حبیبیؐ' یا رسول اللہؐ

یہ نام محض کتاب کا نام نہیں' بلکہ ایک سرگوشی ہے۔۔۔ سارے وجود کی سرگوشی۔۔۔ ایک فغانِ زیرِ لب ہے جو ہونٹوں کے دائرے سے باہر نہیں نکلتی۔ یہاں "یا" کے استعمال میں استمداد اور استعانت

نہیں بلکہ ایک امتی کا تخاطب ہے جو اپنے دل کی گہرائیوں میں اس ذات گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کو موجود پاتا ہے۔ وہ ذات جو اساس ایمان ہے اور آج بھی ہر امتی کے لئے حاضر بھی ہے اور غائب بھی۔ نظروں سے غائب مگر فکر و شعور و آگاہی میں سب سے توانا قوت کی طرح موجود۔

اور پھر اس نکتے پر تو غور کیجئے کہ شاعر وہ ہے جس نے مدینہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آنکھیں کھولیں' اپنا بچپن گزارا اور عمر کی کئی منزلیں طے کیں' جس کے سجدوں کو مسجد نبوی کے فرش نے مُہر محبت کی طرح قبول کیا اور جس کے آنسوؤں کی چمک نے فرش کو اور روشن کردیا' جس نے مدینہؐ منورہ کی کھجوروں سے شیریں سخنی حاصل کی اور وہاں کے پانی سے اپنے وجود کو سیراب کیا

"میں چھوٹا تھا
نادان' نا سمجھ تھا
جوارِ نبیؐ میں رہتا تھا
اس مٹی پر چلتا تھا
جس نے رسول اللہؐ کے قدموں کے بوسے لئے تھے
اس درخت کی کھجوریں کھاتا تھا
جس سے ابو بکرؓ و عمرؓ نے کھائی تھیں
اس چشمے کا پانی پیتا تھا
جس سے امام المتقین نے پیا تھا
میں رہ رہا تھا
اللہ کے محبوب ترین شہر میں"

یہ مصرعے اس مجموعے کی دوسری نظم سے لئے گئے ہیں۔ جس کا عنوان ہے

"لِی ابنِ مثلکَ۔۔۔ اسمہٗ محمد"

محمد لیئق اللہ خاں صاحب نے اس عنوان کا بہت اچھا ترجمہ کیا ہے

"تمہارا ہی ہم نام میرا بھی ایک بیٹا محمد ہے"

بیشک مدینہ منورہ اللہ کا محبوب ترین شہر ہے۔ فضائل مدینہ کا باب ہر معتبر مجموعہ احادیث میں موجود ہے اور فضائل مدینہ کی احادیث دکتور صالح بن حامد بن سعید الرفاعی نے بڑے عالمانہ انداز میں اپنی کتاب تحقیق میں جمع کردی ہیں۔ اردو میں بھی اس موضوع پر کئی کتابیں موجود ہیں۔ یہ شہر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم ہے' یہ وہ شہر ہے جس میں دجال داخل نہ ہو سکے گا' یہ وہ شہر ہے جس کی سکونت انسانوں کے لئے انعام الٰہی ہے۔ مدینہ "حسنہ" ہے' "قبۃ الاسلام" ہے' سیدۃ البلدان ہے' "طابہ" اور "طیبہ" ہے۔ فضائل مدینہ کے بیان کے لئے دفتر درکار ہے۔

ہشام علی حافظ کا مدینہ منورہ میں پیدا ہونا اور اس شہر سے ان کا ہمہ جہتی رشتہ اتفاق نہیں۔ اللہ کی اس کارگاہ عظیم میں کوئی چیز اتفاق نہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز اس کی مسلسل منصوبہ بندی کا ایک حصہ ہے۔ ہشام علی حافظ کا نام مدینہ کی نسبت سے میرے ذہن کی ایک الجھن اور اکساہٹ بن گیا۔ پھر اچانک میرے ذہن میں روشنی کا ایک جھماکا ہوا اور میں نے اپنے بیٹے سید ابو احمد عاکف سے پوچھا کہ کیا ہمارے کتب خانے میں مدینہ کی تاریخ پر کوئی انگریزی کتاب موجود ہے؟ عاکف سلمہ' نے کہا "جی ہاں" اور وہ علی حافظ کی کتاب لے آئے

Chapters from the History of Madina

اب سوال یہ تھا کہ ہشام علی حافظ اور علی حافظ کا حقیقی رشتہ کیا ہے؟
سوال کا جواب کتاب کے "تعارف میں مل گیا۔ ہشام مورخ مدینہ کے صاحب زادے ہیں۔ الولد سیر لابیہ۔

ویسے تو ہشام علی حافظ کا نعتیہ دیوان مختلف نظموں کا مجموعہ ہے، مگر میں اسے ایک طویل نظم سمجھتا ہوں۔ ممکن ہے کہ شاعر یا پڑھنے والے مجھ سے اتفاق نہ کریں لیکن مجھے تمام اجزا "جنہیں مجھ سے اتفاق نہ کرنے والے مختلف نظمیں قرار دیں گے" کے درمیان ایک وحدت نظر آئی ہے۔ مختلف پہلوؤں اور تناظر میں انہوں نے حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا خوانی کی ہے۔ ان سب اجزا کا معنوی ربط اس دیوان کو ایک طویل نظم بنا دیتا ہے اس میں ایک مورل "mural" یا بسیط دیواری تصویر کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ کاغذ اور الفاظ کی وسعتوں کا کوئی ٹھکانا ہے؟ شاعری تصویر بھی ہے، نغمہ بھی، تاریخ بھی ہے اور تخیل نامہ بھی۔

نظم کا پہلا حصہ "قصہ زواج الطاھرۃ بالامین" سب سے طویل ہے۔ اس میں صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے کتنے ہی نقوش سمٹ آئے ہیں، اور پھر سمندر کی موجوں کی طرح مختلف اجزا ایک دوسرے سے پیوست ہیں۔ رہی کتاب کی ترتیب، سو وہ شاعر کے ذوق، مزاج اور فنی تقاضوں کے مطابق ہے۔ وہ کبھی عہد حاضر میں لوٹ آتا ہے۔ سمندر کے کنارے ننھے محمد سے ملاقات، اپنی بیٹی کی پیاری تحریریں، عہد حاضر میں اسلام کی اجنبیت اور پھر شاعر خیر القرون کی طرف لوٹتا ہے۔ سرور کائناتؐ اور رسول آفاق صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر گرامی ہمارے لئے زمان ومکاں کو سمیٹ لیتا ہے۔ یہ صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کی کرامت اور اعجاز ہے۔

وزن، قافیہ، ردیف یہ شاعری کا خارج ہے۔ نظم معری، نظم آزاد اور اب نثری نظم اور اردو میں ہائکو اور واکا کی کامیابی سے یہ حقیقت ایک بار پھر ہمارے سامنے آتی ہے کہ شاعری کی اساس اور بنیاد تخیل ہے۔ اگر شاعری میں تخیل نہ ہو تو شاعری کاری گری کی سطح سے آگے نہیں بڑھتی۔ پھر شاعر کے لئے مشاہدہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جس نے اپنے رب کی آیات انسانی فطرت اور معاملات حیات وکائنات کو

گہرائیوں میں جا کر دیکھا ہو، اور جو نفس انسانی کی بوقلمونی سے واقف ہو وہی مملکت شعر کی شہریت حاصل کر سکتا ہے۔ مشاہدہ کے بعد مطالعہ آج شعر کا بنیادی عنصر ہے، بالخصوص نعتیہ اور تاریخی پس منظر سے تعلق رکھنے والی شاعری کے لئے یہ بات اور اہم ہو جاتی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ زبان پر قدرت شاعری کی ایک اور بنیادی شرط ہے۔ لفظ تو شاعر کا وسیلہ اظہار ہیں۔ مفاہیم و مطالب کے طلسم کدے کا دروازہ لفظ کی کلید سے کھلتا ہے۔

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے
جو لفظ کہ غالبؔ مرے اشعار میں آوے

نعتیہ شاعری کے لئے ان کے سوا کچھ اور شرائط ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ دل و نگاہ مسلمان ہوں اور دوسری شرط یہ کہ شاعر نے قرآن عظیم کا گہرا مطالعہ کیا ہو کیونکہ قرآن مجید ہی سے ہمیں قرآن ناطق صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کی آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ "شاہد، مبشر، بشیر، نذیر، صاحب خلق عظیم، صاحب کوثر، داعی الی اللہ، نور، سراج منیر، مزمل، مدثر اور ہادی یہ ان کے مقام عظیم کی چند منزلیں ہیں۔ ہشام علی حافظ بڑی حد تک ان سب شرائط پر پورے اترتے ہیں بالخصوص ان کے تخیل میں بڑی قوت ہے۔ وہ بہت سے نازک مقامات سے بڑی کامیابی سے گزرے ہیں، بالخصوص حضرت محمد رسول اللہؐ کی ولادت باسعادت کا ذکر، اس موقع پر حضرت آمنہ کی کیفیات، حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے جذبات کی عکاسی۔ کم ہی شاعر اور لکھنے والے ان مرحلوں سے بامراد اور کامیاب گزرتے ہیں۔ میں اختصار کے پیش نظر مثالوں سے گریز کر رہا ہوں مگر حضرت خدیجہؓ کے خواب کے بیان سے متعلق یہ چند سطریں ملاحظہ ہوں۔

خدیجہؓ نے دیکھا
درخشاں آفتاب
گھر کے صحن میں اترا ہوا ہے
سارے ماحول کو چکاچوند کئے ہوئے ہے
اس کی ضیا پاشیوں سے مشرق و مغرب
کی دنیا کا ذرہ ذرہ
صد طور بن رہا ہے۔

شاعری کا ترجمہ بہت مشکل بلکہ "ناممکن" عمل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ہر زبان کو ایسے مترجم مل ہی جاتے ہیں جو ترجمے کے ذریعہ اپنی زبان کی آب و تاب میں اضافہ کرتے ہیں۔ محمد لئیق اللہ خاں صاحب نے بڑی حد تک اس نعتیہ مجموعہ کے ترجمے کا حق ادا کر دیا ہے۔ کتاب کے بڑے حصے میں انہوں نے شاعرانہ آہنگ اور فضا کو برقرار رکھا ہے، لیکن میں یہ بات سمجھنے سے قاصر رہا ہوں کہ انہوں نے یا حبیبیؐ یا

رسول اللہؐ کو برقرار کیوں نہیں رکھا۔ یہ کلمات اردو زبان کا حصہ ہیں اور اس نظم کے صوتی آہنگ کا انحصار (بڑی حد تک) ان کلمات کی تکرار پر ہے۔ اسی طرح عربی نظم کے بعض اور ٹکڑے اردو ترجمے میں برقرار رکھے جاسکتے تھے۔

یا نبی اللہؐ یا رسول اللہؐ
افضل من الدنیا وما فیہا
یا حبیب اللہؐ یا محمدؐ
یا حبینا یا محمدؐ
فصلی وسلم علیک

ہماری نعتیہ شاعری میں ایسے عربی فقرے اور اظہار عام ہیں مجموعی طور پر ترجمہ اصل سے وفاداری کی عمدہ مثال اور اردو محاورے کے عین مطابق ہے اور مجھے یقین ہے کہ اردو دنیا اس نعتیہ مجموعے کا خیر مقدم کرے گی اور اس کے مطالعہ سے دلوں میں عشق محمدی کی مشعل فروزاں تر ہوگی۔

ہشام علی حافظ نے اپنی بیٹی آمنہ سے کہا ہے۔

میں وہ سارے لفظ تیری نذر کرتا ہوں
جو ترجمانی کرتے ہیں
پیار کی، محبت کی

میرے عزیز شاعر اور محترم اسلامی بھائی! آپ کے لئے میں آپ ہی کے الفاظ دہراتا ہوں۔ اللہ تعالٰی دونوں جہانوں میں آپ کو سرفراز فرمائے۔ آپ کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے میں دیارِ شب سے سواد فجر تک آگیا۔ لیجئے فجر کی پہلی اذان فضا میں بلند ہو رہی ہے۔ موذن اللہ کی وحدت اور محمدؐ نبوت کی گواہی دے رہا ہے اور اب وہ کہنے ہی والا ہے کہ الصلوٰۃ خیرٌ من النوم۔ اذانِ فجر کے بارے میں محمد اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

وہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندہ مومن کی اذاں سے پیدا

اب میں اپنی اس تحریر کو اس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالٰی آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آج رات آپ کی شاعری نے مجھے غفلت سے دور رکھا اور میں آپ کے دل کی دھڑکنیں سنتا رہا اور میں نے اپنے آپ کو روحانی طور پر ادب و احترام اور دیدہ نم کے ساتھ مواجہ شریف میں کھڑے ہوئے پایا۔

بقیہ ماہنامہ نعت کی آٹھویں سالگرہ

(۱۲) کافی کی نعت (اکتوبر ۱۹۹۵ء) ۱

کل شمارے ۱۴

ماہنامے "نعت" لاہور کے آٹھ سالہ ریکارڈ کے اجمالی جائزے سے نعت و سیرت پہ ہونے والے کام کی وسعت تو کسی حد تک سامنے آجائے گی، لیکن اس کے معیار و وقعت، تاریخی اہمیت اور سائنسی انداز تحقیق کا اندازہ کرنا مشکل ہو گا۔ مہلت ملی تو اس باب میں بھی کچھ لکھ کر اپنے اس دعویٰ کی دلیل مہیا کروں گا کہ ماہنامہ "نعت" نے نعت و سیرت کے نہایت شاندار اور جاندار کام کرتے ہوئے کچھ نئے امکانات بھی سجھائے ہیں

فی الوقت مدیر "نعت" کی ایک تحریر سے چند سطور نقل کرتا ہوں کہ ان کے رنگ نثر کی دلاویزی کا اندازہ ہو سکے، ان کی شاعرانہ اور محققانہ عظمت تو مسلم ہے ہی

نعت

معراج فہم و شعور ہے

کشف حقیقت جمال محمدیؐ ہے

دل کے بنجر کھیت میں جذبوں کی فصل پکتی ہے، تو نعت ہوتی ہے

یہ انسان کا محسن انسانیت کے حضور ہدیہ تشکر و امتنان ہے

یہ بندے کا اپنے آقا و مولاؐ کی بارگاہ میں ادب و احترام سے حاضر ہونا ہے

یہ احساس ممنونیت ہے

یہ احساس انسانیت ہے۔



نذیر قیصر.... ایک قابل قدر مسیحی نعت گو

پروفیسر محمد اقبال جاوید

بعض تقاضے انسان کے اندر موجود ہوتے ہیں مگر انسان کو ان کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ غیر محسوس کیفیت مدتوں چھائی رہتی ہے اور ناگہانی طور پر کسی اشارے یا کسی واقعے سے جاگ اٹھتی ہے اور واضح فکری اظہار کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کچھ ایسی صورت نذیر قیصر کو بھی پیش آئی جب عطاء الحق قاسمی نے اس کی ایک غزل کے تہہ منظر میں چھپی ہوئی نعتیہ کیفیت کا اسے احساس دلایا اور کہا کہ یہ شعر تو واقعۂ معراج کا عکس بردار معلوم ہوتا ہے ۔

ہوا کی لہر میں آہٹ ہے کس کے قدموں کی
کیا ہے کس نے سفر اختیار کس کے لئے

گو شعوری طور پر یہ غزل نعت کے اسلوب میں نہیں کہی گئی تھی مگر اس ایک اشارے نے لاشعور کو شعور اور شعور کو شعر بننے میں مہمیز کا کام دیا اور نذیر قیصر کا ذہن مدتوں سوچتا رہا کہ کہیں اللہ تعالی نے انہیں شاعرانہ صلاحیتیں۔ سخن کے تقدس کی اس معراج کے لئے تو ودیعت نہیں کیں۔ جس کا دوسرا نام "نعت" ہے' اسی سوچ کو جب توفیق ایزدی نصیب ہوئی تو ان کے قلم سے پابند اور آزاد ہیئت میں بہت سے ایسے شعرپارے نکلے جن میں نعت کی ایک شعوری کیفیت موجود ہے۔ اور حق یہ ہے کہ لکھوانے والے نے ان کے قلم کو توفیق فکر کو رعنائی اور الفاظ کو زیبائی خود عطا کی۔ اور یوں ہوا ان کے لئے موزن بنادی گئی۔ ورنہ کتنے ہی غزل گو ہیں کہ وہ اپنے بعض اشعار کو نعت بنا جاتے تو شاید وہ شعر ان کی بخشش کا بہانہ بن جاتے۔ مثال کے طور پر

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا ۔ کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال ۔ پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا
خامے نے پائی طبیعت سے مدد ۔ بادباں کے اٹھتے ہی لنگر کھلا
مدح سے ممدوح کی دیکھی شکوہ ۔ عرض سے یاں رتبہ جوہر کھلا

(غالب)

غالب کے یہ اشعار تو ان کے ایک قصیدے سے ماخوذ ہیں۔ ان کی ایک غزل کا یہ شعر دیکھئے

ہے خیال حسن میں حسن عمل کا سا خیال
خلد کا ایک در ہے میری گور کے اندر کھلا

یہ شعر تو بہر کیف نعت کا نہیں ہے مگر اس غزل کا مقطع تو فی الواقع نعت کا ہے۔

اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا

لوگ کہتے ہیں اسے تاریخ انسانی کے موڑ راستے جب جھوم اٹھتے ہیں تری رفتار سے

(احمد ندیم قاسمی)

خوشبو بتا رہی ہے کہ وہ راستے میں ہے موج ہوا کے ہاتھ میں اس کا سراغ ہے

(پروین شاکر)

خود وقت کو ملتا ہے سکوں ان کی گلی میں سنتے ہیں وہاں گردش ایام نہیں ہے

(سجاد باقر رضوی)

کاش ان شعروں کو بھی کوئی اشارہ مل جاتا جو غزل کو نعت بنانے میں معین و معاون ثابت ہوتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ احساس کی اس بیداری کی تہ میں بھی کوئی نہ کوئی نادیدہ قوت ضرور کام کر رہی ہوتی ہے۔ ایسے اشارے بھی کب انسانی بس میں ہیں۔ یہ بات ہی بڑے نصیب کی ہے اور یہ فیصلے بڑے ہی کرم کے ہیں۔ اسی کا نام رضائے خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہو تو تازیانے بھی بیکار جاتے ہیں۔ وہ چاہے تو پھول کی پنکھڑی بھی جگر میں آگ لگا جاتی ہے۔ نہ چاہے تو انسان خروش سلاسل میں سوتا رہے اور چاہے تو خندہ گل سے جاگ جائے۔ یہ مشیت ہی تو ہے جس کے تحت سراب کے سینے سے حباب اٹھتے ہیں خزف، حریف گہر بنتے اور صدف کی تنہا تاریکیوں کو موتیوں کی تابانی عطا ہوتی ہے۔ کچھ ایسی ہی بات ہے کہ نذیر قیصر کی تنہا تاریک راتیں، دیوار میں آویزاں اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پھوٹتی ہوئی روشنی سے ایک عرصہ مستنیر رہیں۔ اور پھر ایک شب یہ روشنی لفظوں کی صورت اختیار کر گئی، خوبصورت شعری آویزے، ان کے قلم کی نوک پر لو دیتے رہے۔ ان کا یہ شعر اسی نورانی کیفیت کے سہانے کیف کی طرف اشارہ کر رہا ہے

خوشبو اسم بنے اور اس کے آگے نور کا ہالہ آج کی رات اس ہالے کو میں تنہا دیکھنے والا

اسم محمد کی یہ خوشبو اور تابش ان کے نعتیہ مجموعے (اے ہوا مؤذن ہو) میں بحسنہ محفوظ ہے۔ انہوں نے ان نعت پاروں میں نہ کوئی اضافہ کیا ہے نہ ترمیم جو ہے وہ فطرت کی نوازش ہے۔ کسی کی عطا اور دین میں تصرف ہو بھی نہیں سکتا۔

اسے مولا کریم کے کرم ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کتابت شدہ اسمائے گرامی ملتے رہے کبھی صادقین کی معرفت گاہے زوار حسین کے وسیلے سے اور وہ انہیں اپنے گھر کی زینت اور نگاہوں کا نور بناتے رہے۔ یوں کوئی کسی خاص مقصد کے لئے اس لالے کی حنا بندی کرتا رہا اس حنا بندی کا اولین اظہار یوں ہوا

چراغ نور مصطفیٰ دلوں میں ہے وہ آفتاب کم نما دلوں میں ہے

زمین جس کے سائے کو ترس گئی　　اس اجنبی کا نقش پا دلوں میں ہے
لرز رہا ہے جس سے ساز حرف کن　　کبھی سنو کہ وہ صدا دلوں میں ہے

آفتاب کم نما" کی ترکیب غریب ونا موس ہے مگر ندرت آفرین ہے کہ اسی آفتاب کے "فیض سے ذرے ماہتاب اور قطرے، قلزم بنے' اور چونکہ وہ ذات اقدس وجو کائنات ہے۔ اسی لیے نزیر قیصراسی صدا سے' ساز حرف کن میں ارتعاش محسوس کرتے ہیں اور آرزو مند ہیں کہ کاش وہ صدا دلوں میں سرور اور نگاہوں میں نور بن کر سما جائے۔

جب قدرت حضرت عبدالمطلب کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھوا رہی ہے تو اہل مکہ اس نامانوس نام پر حیران رہ گئے تھے تب حضرت عبدالمطلب نے اس یقین کا اظہار کیا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس بچے کی تعریف میں ایک عالم رطب اللسان رہے ہمارا تعریف کرنا تو ہماری مجبوری ٹھہری، حضور صلی اللہ علیہ وسلم محمد بنتے ہی تب ہیں جب ان کی تعریف اغیار کی زبان سے ادا ہو۔ ایسا ہوتا آیا ہے۔ اور ہوتا رہے گا۔ دوسروں کی یہ توصیف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی احسان ہے نہ اسلام پر بلکہ یہ تو ثبوت ہے اس امر کا کہ واصف کی اپنی نگاہ سلامت، سوچ شفاف اور تحریر اجلی ہے گویا مادح رسول صلی اللہ علیہ وسلم دراصل اپنی ہی مدح کر رہا ہوتا ہے۔ سورج کو سورج کہہ کر پکارنا، سورج پر احسان تو نہیں ہوا کرتا، نذیر قیصر کے ان اشعار کا بیساختہ پن' ان کی اپنی فکری صالحیت کی دلیل ہے۔

لفظ کو داستان کس نے دی　　پتھروں کو زبان کس نے دی
راہ کے بے نشان ذروں کو　　رفعت آسمان کس نے دی
بے وجودوں کو عزم کس نے دیا　　بے وقاروں کو شان کس نے دی

دھرتی پر پھیلائے کس نے روشنیوں کے کھیت　　تیرے پاؤں کو چومنے والی پاک مقدس ریت
زینہ زینہ گھوم رہے ہیں منظر ذات صفات　　ہیروں جیسی آنکھیں جن کی شعلوں جیسے بات

آنکھ میں آنسو ہجر کا　　دل میں بارش نور کی
اسم کتاب' چراغ پر　　بجلی چمکی طور کی
ایک مسافر بے نوا　　دل میں لگن حضورؐ کی

دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لگن کا ابھرنا ایک نعمت ہے' اور اس نعمت کا نعت کی شکل میں اظہار' فرض عبدیت ہے' اسے ازلی اور ابدی حیثیت حاصل ہے' یہ ترانے گونجتے رہیں گے جب تک کائنات قائم ہے' جب تک پھول میں مہک' بلبل میں چہک' سبزے میں لہک' ستاروں میں دمک اور سورج میں چمک باقی ہے۔ یہ ترانے' عقیدت اور اطاعت کے کرشمے ہیں۔ اور یہ دونوں خوبیاں' انتہا کو چھو کر

بھی نا تمام ہی رہتی ہیں' زبان شایان شان بول کیلئے' قلم کما حقہ' اظہار کے لئے اور فکر مطلوب و مقصود زیبائی کے لئے کوشاں رہتی ہے اور بسا اوقات عجز بیان ہی کو بیان بنانا پڑتا ہے۔ کیونکہ اظہار کا کوئی سا پیرایہ بھی انوار نبوت سمیٹ نہیں سکتا' حق کا ادا ہونا' ناممکنات میں سے ہے' کیونکہ ذرہ' آفتاب عالمتاب کی ہر لحظہ پھیلتی ہوئی بے کراں کرنوں کو حسب ظرف ہی سمیٹ سکتا اور حسب استطاعت ہی بیان کر سکتا ہے' حسن کی تصویر کشی میں لفظ ہمیشہ عاجز ہی رہے ہیں۔ نگاہ خود ہی رخ تاباں پر بکھر جائے تو وہ الفاظ کو اظہار کا کوئی سا لہجہ بھی نہیں دے سکتی' نذر قیصر کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں'

"یہ قرض ازل سے ابد تک کا ہے جو ادا ہو کر بھی ادا نہیں ہوتا' اس قرض میں انسان حضرت جنید کے صحو کے عالم سے واپس آنے کے بعد بھی واپس نہیں آتا' وہ موجود ہو کر بھی غیر موجود رہتا ہے" اور اب ان کے تین شعر دیکھیے۔

حمد لکھوں کہ نعت کیا لکھوں   عکس ذات و صفات کیا لکھوں

لوح پر انگلیاں پگھلنے لگیں   آیت کائنات کیا لکھوں

حرف در حرف نور بکھرا ہے   میں سیاہی کے ساتھ کیا لکھوں

نذیر قیصر چاہتے ہیں کہ نعت' بکھری اور الجھی ہوئی انسانیت کے لیے اتفاق و شائستگی کا ایک پاکیزہ ذریعہ بن جائے شر مٹے اور خیر پھیلے' نفرت' محبت میں بدل جائے اور دل کی دوریاں' دور ہوں۔ جس طرح "اک عرب نے آدمی کا بول بالا کیا تھا" اسی طرح نعت' بھی آج کے بھٹکے اور بہکے ہوئے انسان کو باخدا انسان بنانے میں بہترین کردار ادا کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ وصف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرقہ وارانہ تعصب سے بچایا جائے۔ نذیر قیصر اس کتاب کے دیباچے میں' نعت گوئی کے جس مقصد کی طرف اشارہ کر رہے ہیں' وہ قلم کی اس دنیا کا نشان راہ بن سکتا ہے وہ کہتے ہیں کہ

"آج کی دنیا میں جہاں انسان ایک دوسرے سے کٹ کر دور پڑے مرجھا رہے ہیں۔ نعت کہنے کا سب سے بڑا مقصد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد نبوت کو اجاگر کرنا ہے۔ جس میں بنی نوع انسان کیلئے محبت' انصاف' آزادی اور عالمگیر اخوت کا پیغام ہے۔ آج نعت کہنے کا سب سے بڑا مقصد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رسمی عقیدت کے بجائے ان کے عالمی پیغام کو انسانوں تک پہنچانا ہے۔ اور تیزی سے مٹتے اور مرجھاتے ہوئے انسانوں کو تحفظ دینا ہے۔ میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آج کی تیسری دنیا کے انبوہ عظیم کے مظلوموں کی امامت اور قیادت عالم اسلام کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے ہمیں سب سے پہلے اسلام کے حقیقی تصور کو گرد و غبار سے باہر لانا ہوگا۔ اور ہمیں رنگ و نسل' قبیلے اور فرقوں کے رائج اسلام کے بجائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عالمی اسلام کو رائج کرنا ہوگا جو تمام انسانوں اور جہانوں کے لیے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور اقدس کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام میں رب کا تصور رب

المسلمین کا نہیں بلکہ رب العالمین کا ہے۔۔۔۔ قرآن مجید کے صفحات فرد کے بجائے اجتماع کو خیر کثیر کی بشارت دیتے ہیں...... ہمیں آج رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت کی پیروی میں انسانوں کو تحفظ اور سلامتی کی بشارت دینی ہے۔ ہمارا یہ عمل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت اور محبت کا عمل اظہار ہو گا...... اور یہی ہمارا نعت کہنا ہے" اب ان کی ایک آزاد نعت دیکھیے

قسم شاخ زیتون کی......
امن کے شہر کی
میری راتوں کے پیالے میں، دن
قطرہ قطرہ
لہو بن کے گرتا ہے
صبحوں کی دہلیز پر
سولیوں سے گلے مل کے روتی ہوائیں
تراراستہ دیکھتی ہیں
قسم شاخ زیتون کی
امن کے شہر کی
اور لہو میں بکھرتے پروں کی
سبز گنبد سے کوئی کرن بھیج دے
کوئی حرف سخن بھیج دے

سانس لیتی ہوئی صبحوں کی قسم
آئیں گے شاخوں میں گلاب
موسم درد گزر جائے گا
شبنمی ہاتھ اندھیرے کی گرہ کھولیں گے
آئینہ چہروں سے بھر جائے گا
چاند مہکے گا
ستاروں پر قدم رکھ کے
صبا گزرے گی
سبز گنبد سے کرن اترے گی

امن کے شہر اور سانس لیتی ہوئی صبحوں کو دلیل بنا کر، دلوں کے فاصلوں کو پاٹنے کی آرزو، نعت میں تازہ گوئی کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ اس دور کے دریدہ بدن اور مجروح دل تقاضا کرتے ہیں کہ انسانی

طرز عمل موج صبا کے مانند ہو کہ وہ صحن چمن میں یوں داخل ہوتی ہے کہ اس کے پاؤں کے نیچے آنے والے شبنم کے موتی ٹوٹنے نہیں پاتے' سبک خرامی اور دل آرامی کے یہ انداز' صرف اور صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نقوش پا کی تابانیوں سے مل سکتے ہیں' نذیر قیصر کہتے ہیں

قلم نے اسم اتارا ہے　　　کاغذ' حرف ستارا ہے
تیرا پہلا نقش قدم　　　صبح کا پہلا تارا ہے
آگ اور خون کی لہروں سے　　　میں نے تجھے پکارا ہے

چونکہ اس دور پر آشوب میں' اسلام کی پاکیزہ تعلیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شفاف کردار ہی انسانی اخوت کا ایک ذریعہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ غیر مسلم حضرات اپنی سلامتی' فکر کا ثبوت دیتے ہوئے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے فطری گاؤ کا نثر و نظم کی صورت میں اظہار کریں۔ ان کا یہ قلبی اور قلمی اعتراف' انسان کو انسان سے آگاہ کرے گا۔ اور یہ آگہی سکون و امن کے ایوان کھولتی چلی جائے گی۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے' ہمارا تو ایمان ہی اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک ہم جملہ انبیائے کرام کی اس دنیا میں تشریف آوری کے خوبصورت مقصد کو بہ صمیم قلب تسلیم نہ کریں۔ فطرت اس ضرورت کا خود بخود اہتمام کرتی رہی' کیونکہ اخوت کی جہانگیری اور محبت کی فراوانی مقصود فطرت ہے' اور "اے ہوا موذن ہو" اسی فطری سلسلے کی ایک خوبصورت کڑی ہے۔

اس مجموعہ نعت میں بعض مقامات پر زیتون اور شاخ زیتون کی قسم کھا کر' زخم زخم اور لہو لہو' انسانیت کے لیے' سبز گنبد سے امان چاہی گئی ہے یہ قرآن مجید میں واقعات کے تسلسل کو سمجھانے کے لیے مختلف قسمیں موجود ہیں جن میں زیتون کی قسم کو بھی بطور دلیل لایا گیا ہے قرآن پاک کی دلیل اپنے اندر معنوی حسن رکھتی ہے۔ زیتون غذا بھی ہے اور دوا بھی۔ "زیتون کے لفظ میں ایک اور لطیف اشارہ ہے کہ جب زیتون سے روغن نکال لیا جاتا ہے تو اس سے دوسرے فوائد کے علاوہ چراغ بھی روشن ہو سکتا ہے اور وہ اپنے ارد گرد تمام چیزوں کو منور کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ روح جو قفس عنصری میں مقید ہے اگر بقدر طاقت بشری اس کو بھی علائق مادیہ سے پاک وصاف کر لیا جائے تو پھر اس سے بھی بہت سی تاریک روحیں منور اور ظلماتی قلوب روشن ہو سکتے ہیں" نذیر قیصر کی اس نعت میں زیتون کے علاوہ صحرا' صحرا کی پہلی بارش' ابر اور رعد کو بھی بطور قسم استعمال کیا گیا ہے

قسم زیتون کی
صحرا کی
صحرا میں اترتی پہلی بارش کی
ترے قدموں سے اڑتی دھول کا پیاسا

مرادل ہے
قسم ہے ابر کی
اور رعد کی تسبیح کی
جب شب کی انگشت شہادت
روشنی میں ڈوب کر ابرے
فلک مکتوب کی صورت
دنوں، سالوں، مہینوں میں بکھر جائیں
ترے اسرار سینوں میں بکھر جائیں

ایک نعت میں وہ سانس لیتی ہوئی صبحوں کی قسم کھاتے ہیں اور قرآن پاک کہتا ہے والصبح اذاتنفس (۱۸ر۸۱)

درج بالا نعت میں "رعد کی تسبیح بھی نص قرآنی ہی سے مستعار ہے تیرھویں سورہ کی تیرھویں آیت میں "ویسبح والرعد بحمدہ آیا ہے

ان کا ایک شعر ہے۔

وہی منزلوں کا سراغ ہے، وہی طاق شب میں چراغ ہے
وہی ریگزر وہی قافلہ وہی لوح لوح قلم قلم

اور اب قرآن پاک کی آیت کا ترجمہ دیکھئے۔"اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے اور چراغ ایک قندیل میں ہے۔ اور قندیل گویا موتی کا سا چمکتا تارا ہے اسمیں مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے یعنی زیتون کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف اس کا تیل خواہ آگ اسے نہ بھی چھوئے جلنے کو تیار ہے۔ روشنی پر روشنی "۳۵ر ۲۴ ایک مقام پر انہوں نے امن کے شہر کی قسم بھی کھائی ہے یہ تمام دلائل قرآن کے ساتھ نذیر قیصر کے مطالعاتی لگاؤ کا ثبوت ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرکز جمال و کمال ہیں اور ان کے محبوبؐ کا جلوہ بھی صبح ازل کی ضو اور شام ابد کی لو ہے۔ قدیم صحائف اپنی تمام تر تحریف کے باوجود، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پر نور یادوں سے منور ہیں ہر نبی نے انہیں ایک ہادی منتظر کے طور پر پیش کیا ہے۔ انسان اس کائنات کی رونق اور رعنائی ہے اسی کے لئے یہ بزم آراستہ کی گئی ہے چاند تاروں کو ضیا، انسان ہی کے لئے دی گئی ہے یہ انسانیت کے حسن کا خلاصہ انبیاء ہیں، انبیاء کا عطر اور جوہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپؐ زندگی کے خواب کی ایک حسین تعبیر ہیں۔ آپؐ کے روپ میں مشیت نے حسن کی تکمیل فرمائی ہے اور آپؐ مصور حقیقی کا آخری شاہکار ہیں۔

نذیر قیصر آپؐ کے مقام نبوت اور شان نبوت کو یوں سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں

کاغذ، قلم، دوات بھی تو معنی بھی، آیات بھی تو
لمبی سبز کھجوروں میں چاند کی پہلی رات بھی تو
شبنم شبنم صفحوں میں کرنوں کی برسات بھی تو
موسم موسم رنگوں میں خوشبو کی سوغات بھی تو
صبح و شام مسافت میں دور بھی تو اور ساتھ بھی تو
سوتی، جاگتی آنکھوں میں دن بھی تو اور رات بھی تو

دن سے پہلے سورج آئے، رات سے پہلے شام صبحیں ترے نقش قدم ہیں، خوشبو ترا قیام

آسمان، آسمان قدم اس کے معجزے خاک پر رقم اس کے
لہر بکھری ہے یم بہ یم اس کی تارے اترے ہیں خم بہ خم اس کے
صفحہ صفحہ بشارتیں اس کی حرف جاری قلم قلم اس کے

سکوت صبح میں تیری صدا بھی شامل ہے تری صدا میں ہجوم دعا بھی شامل ہے
ابھرتی لو کو، ہر اک برگ نو کو چومتا ہوں نجوم و گل میں ترا نقش پا بھی شامل ہے
مرے زمانوں کے موسم میں تری خوشبو سے گئے زمانوں کا وہ سلسلہ بھی شامل ہے

اس مجموعہ نعت کا نام "اے ہوا موذن ہو" انتہائی معنی خیز ہے۔ ہوا واقعی موذن ہے۔ حق یہ ہے کہ اس کی لہریں کسی ایک لمحے کے لیے بھی اذان کی آواز سے خالی نہیں رہتیں۔ سائنسی اور جغرافیائی نقطہ نظر سے کہیں دن کہیں رات اور اوقات عالم مختلف ہیں کرہ ارض میں ہر لمحہ کہیں نہ کہیں نماز کا وقت ہوتا ہے گویا ایک سیکنڈ بھی ایسا نہیں گزرتا کہ جب کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی مسلمان اذان نہ دے رہا ہو۔ یوں ایک ساعت کے لیے بھی اذان کا سلسلہ نہ رکتا ہے نہ ٹوٹتا ہے کلمے سے کلمہ گونج سے گونج اور لے سے لے ملتی چلی جاتی ہے یوں اللہ کی کبریائی اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑائی کے بلند بانگ اعلان کے اوقات عالم کا لحہ لحہ لرزتا اور گونجتا ہے اور یہی پیہم گونج ورفعنا لک ذکرک کی صداقت کا ابدی ثبوت ہے۔ اب نذیر قیصر کی ایک نعت دیکھیے کہ ان کا قلم کیسے اس صداقت کا اعلان کر رہا ہے کہ ہوا ہر لحظہ موذن ہے اور ایک ایک لمحہ ذکر خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نور و نکہت سمیٹ رہا ہے اور سمیٹتا رہے گا یہاں تک کہ کائنات کی بساط لپٹ اور سمٹ جائے گی۔ حق یہ ہے کہ اس کائنات کے قیام و دوام کا انحصار اسی ذکر کی پائندگی پر ہے۔

ہوا موذن ہے
بام و در میں چراغ اونچے کرو
کہ سینوں سے رات اترے

سیاہوں میں بندھے لبوں سے
ستارہ صبح کی بات اترے
افق بریدہ فلک ہواؤں کا منتظر ہے
لہو لہو پاؤں۔ جلتی آنکھیں
پکارتی ہیں۔
وہ ہم سفر ہے
وہ رہنما ہے
سنو!
سفر میں وہی "صدا" ہے

نذیر قیصر کی ان نعتوں سے ایک دلکشا تازگی کا احساس ہوتا ہے ذہن فرحت اور ذوق آسودگی سے بہرہ ور ہوتا ہے یہ نعتیں اپنے اندر ایک ایسی استعاراتی شان لیے ہوئے ہیں جسے اظہار و بیان کی جمالیاتی آبرو کا نام دیا جاسکتا ہے اشاراتی انداز میں کی جانے والی بات بلاغت آفرین ہوتی ہے اس سے تاثر ابھرتا ہے بات کھل کر کی جائے تو بسا اوقات بے لطف ہو جاتی ہے اور اشاروں کی آبرو رہ جاتی ہے جبکہ لفظ صدا بن کر رسوا ہو جاتے ہیں بالخصوص نعت میں کنایاتی انداز اختیار کرنا' اسی کے بس میں ہے جس کا قلم اظہار پر قادر اور جس کا فکر صحت مندی کا حامل ہو۔ اظہار میں توانائی اور سوچ میں سچائی نہ ہو تو اشارے بھی تماشہ بن جاتے ہیں۔ نذیر قیصر اشاروں میں وہ باتیں کر جاتے ہیں جن کی وضاحت کے لیے دفتر مطلوب ہیں

اے ہوا مئوذن ہو — سر شاخ روشن ہو
کوئی بوند لہر بنے — کوئی بحر دامن ہو
تیری شال ابر بنے — کوئی دھوپ درپن ہو
تیرے ہاتھ مشعل ہوں — مرا حجرہ تن ہو

چوموں پاؤں وہ ہجرت والے — ہجرت والے برکت والے
کونپل کونپل، شبنم شبنم — لمحے بھیج زیارت والے
جلتے شہروں پر پھیلا دے — بادل اپنی رحمت والے
میرے صفحوں پر بھی لکھ دے — حرف وہ نور و نکہت والے
میرے زخموں پر بھی رکھ دے — اپنے ہاتھ شفاعت والے

صفحہ شب خالی تھا تیرے ہاتھوں نے — حرف ستارہ لکھا اور اچھال دیا

کھل نہ سکا جو ارض و سما کی آنکھوں پر　　　　تو نے وہ منظر دامن میں ڈال دیا

شعر میں تاثر تغزل سے آتا ہے اور ایمائیت، تغزل کی روح ہے تغزل دل میں سرور و کیف بن کر اترتا ہے تغزل، ادا کے حسن اور اظہار کی ندرت سے بالو پر لیتا ہے اداؤں ہی سے نگاہوں دل شکار ہوتے ہیں بات کرنے کی بھی ادا ہوتی ہے اور یہی ادا نکہت گل کو بھی صدا بنا دیتی ہے، حسن ادا کے لیے ایسے برجستہ، موزوں اور ریشمی لفظ مطلوب ہیں جن سے ذہن خود بخود تصویریں بناتا چلا جائے۔ اسی سے معنوی قوت نکھرتی ہے اور ذوق سلیم، مدتوں مسحور لذت رہتا ہے تغزل اظہار و بیان کی وہ صلاحیت ہے جس سے جذباتی حقائق کا تنوع سمٹ کر، ذہن اور دل دونوں کو ایک ہی ادا میں رضا مند کر جاتا ہے یہ تغزل کا حسن ہے جس نے نذیر قیصر کی بعض نعتوں میں وہ کیفیت پیدا کر دی ہے کہ انہیں پڑھ کہ دل جھومتا اور روح سرخوشی محسوس کرتی ہے ان کے اشعار میں موسیقیت کا سحر ہے جسے وہ لفظی تکرار سے ابھارتے اور نکھارتے چلے جاتے ہیں۔

حرف میرے ہیں صدا اس کی ہے　　　　ان دریچوں میں ضیا اس کی ہے
میرے صفحوں میں میرے لفظوں میں　　　　پھول اس کے ہیں صبا اس کی ہے
میں شکستہ ہوں خطا میری تھی　　　　میں سلامت ہوں رضا اس کی ہے
میں فقط طاق حرم ہوں قیصر　　　　شمیں اس کی ہیں ہوا اس کی ہے

ثنا لکھوں تو ثنا میں کمال فن اترے　　　　ترا جمال ورق پر کرن کرن اترے
میں چوم لوں جو کسی ساعت گریزاں کو　　　　میرے بدن سے زبانوں کا پیرہن اترے

وہی حرف حرف، صدا صدا، وہی لوح لوح قلم قلم
کہیں جرس گل، کہیں نقش پا وہی لوح لوح قلم قلم
وہی ہست ہے وہی بود ہے وہی رنگ و بو کی نمود ہے
وہی عکس ہے وہی آئینہ وہی لوح لوح قلم قلم
وہی یم بہ یم وہی جو بہ جو وہی لہر لہر کی جستجو
وہی بادبان، وہی ہوا وہی لوح لوح قلم قلم
وہی پھول ہے وہی ابر ہے وہی امتحان میں صبر ہے
وہی شام جبر میں حوصلہ وہی لوح لوح قلم قلم

نذیر قیصر نے روایتی اسلوب سے ہٹ کر اظہار کی جدید ہیئتوں کو اپنایا ہے یہ وقت کا تقاضا ہے نعت کا روایتی انداز، ماضی بعید کے مولود ناموں معراج ناموں اور نور ناموں کی شکل میں شاعری کا حصہ ہے حمد و نعت بطور تبرک، آغاز کلام میں استعمال ہوتی تھی۔ یہ چیزیں شاعری کا حصہ تو ہیں مگر شاعری کا حسن نہیں ان میں جذب و شوق تو تھا مگر ایمائیت کی نشتریت نہیں تھی۔ یہ توصیف اخروی کا سرمایہ تو تھی مگر زندگی

آمیزاور زندگی آموز نہ تھی یا دوسرے لفظوں میں انقلابی رنگ و آہنگ سے خالی تھی، نعت کو مقصدیت کی عظمت حالی اور اقبال نے عطا کی اسے ایک انقلاب آفرین جہت اور ایک کیف افزا انداز بخشا۔ ان کی کوششوں سے نعت اخلاقی تقدیس اور فکری تہذیب کا ایک ذریعہ بنی۔ انسانیت کی تعبیر، تطہیر اور تعمیر کے لیے انہوں نے ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جس ڈھنگ سے استعمال کیا اس سے خود اردو شاعری کو ایک آبرو مندانہ وقعت ملی۔ اس آبرو کو قائم رکھنے میں آج حالی اور اقبال ہی کا تتبع ہو رہا ہے اور اس آبرو میں کسی معنوی اور مقصدی اضافے کے لیے کسی دوسرے حالی اور اقبال کی ضرورت ہے جو دور دور تک دکھائی نہیں دیتا اس لیے وقتی تقاضا یہ ہے کہ گفتہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کماحقہ آگاہ ہو کر جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دل میں بسا کر اور قلم کو ادب کے قرینے سکھا کر اظہار کی جدید ہیئتوں کو اپنایا جائے یوں نعت گوئی حالی اور اقبال سے ہم آہنگ رہتے ہوئے وسعت پذیر ہوگی۔ نذیر قیصر نے اسی ضرورت کے تحت آزاد نظم کی صورت میں بہت سی نعتیں کہیں ہیں مثال کے طور پر۔

دنیا چاند ستارے ڈھونڈے
تو نے ریت چنی
پہلی صبح نے در کھولا
جب تیری چاپ سنی

....

راوی ہو یا میگھنا
دجلہ ہو یا نیل
مجھ کو راہ دکھائے
اس کے.....
ہاتھوں کی قندیل

....

ایک ہاتھ پر سورج رکھا
ایک ہاتھ پر چاند

تیرے پاؤں کی دھول کے آگے
دونوں پڑ گئے ماند

میں نذیر قیصر کی نعت گوئی میں دانش مندی کی وہ جھلک دیکھ رہا ہوں جو مقصدی نعت گوئی کے لیے اساسی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے ساتھ تو ان کی نعت سرائی میں ایک ایسی طلب اور چاہت بھی ہے جو چاہنے کے باوجود لفظوں میں بیان نہیں ہو رہی ۔

گنبد سبز پہ تاروں کا ہجوم   اور سرِ باب دعا دل میرا
صبح کے ساتھ جھکا شاخِ گلاب   شاخ کے ساتھ جھکا دل میرا
جن زمانوں میں تری خوشبو تھی   ان زمانوں کی ہوا دل میرا

اک حرف لبوں پہ رک گیا ہے   اس حرف کو کائنات کر دے
پیاسی ہیں شجر شجر کی شاخیں   بادل کو ہوا کے ساتھ کر دے

نعت گوئی ایک نازک اور مشکل سخن ہے اسے اپناتے ہوئے دین و دانش اور شعر و سخن کی بہترین صلاحیتیں رکھنے کے باوجود قلم لرزتے رہے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ توصیف حد سے بڑھ جائے یا تحریر شایانِ شان ترجمانی سے قاصر رہے۔ اس لیے میری دعا ہے کہ مولا کریم نذیر قیصر کے حسن نیت خلوص اظہار قلبی محبت اور فکری صالحیت کو قبول فرمائے لغزشوں کو معاف فرمائے (گو وہ غیر مسلم ہوتے ہوئے اس کے مکلف بھی نہیں ہیں) اور حق یہ ہے کہ اس بارگاہ بندہ نواز میں کمیت سے کہیں زیادہ کیفیت بار پاتی ہے اور کیا عجب ہے کہ نذیر قیصر کا یہ مختصر مجموعہ' نعت گوئی کی دنیا میں نئی جہتوں کا علمبردار اور خود ان کی اپنی زندگی میں انقلابی تبدیلیوں کا پیش خیمہ ثابت ہو کیونکہ میں ان کے قلم میں اپنی اس آرزو کا نمو بھی دیکھ رہا ہوں اور اس کی نمود بھی۔

مدحت

صبا اکبر آبادی

کس نور کی شمع جل رہی ہے سائے سے بھی لو نکل رہی ہے
ابھرے گا ابھی حرا سے سورج اب کفر کی رات ڈھل رہی ہے
تنہا میں چلا ہوں کب مدینے تقدیر بھی ساتھ چل رہی ہے
سجدے ہیں دیارِ مصطفےٰؐ میں اب حسرتِ دل نکل رہی ہے
گفتار میں ہے وہ داعیؐ حق کانوں میں بہار پل رہی ہے
ہے کتنی کشش رہِ نبیؐ میں خود زندگی رخ بدل رہی ہے
اب تو مجھے لے چلو مدینے آئی ہوئی موت ٹل رہی ہے
محشر میں وہ رحمتِ فراواں کوثر کی طرح اُبل رہی ہے
کر لے گی خود اپنے پاؤں زخمی دنیا میں ہمیں کیا کچل رہی ہے
سب جائیں مدینے ہم نہ جائیں واماندگی ہاتھ مل رہی ہے
صحرائے عرب ہے بحرِ رحمت اس ریت میں ناؤ چل رہی ہے
بے اذنِ حضورؐ کیسے مانگوں ہونٹوں پہ دعا مچل رہی ہے

اب ہوش میں آ چکے صباؔ ہم
دیوانگی رُخ بدل رہی ہے

تضمین بر نعت قدسیؒ

تابشؔ دہلوی

ذکرِ اوصاف ترا، مُوجب راحت طلبی
مفتخر ذات پہ تیری ہوئی عالی نسبی
مقتدا نبیوں کا تو سارے جہانوں کا نبیؐ
مرحبا سید مکی مدنی العربیؐ

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی!

تابِ دیدار نہ دل کو ہے نہ آنکھوں میں ہے دم
دیدہ و دل ہوں تری حسن کے کیونکر محرم
تیری ایک ایک تجلی کا ہے اپنا عالم
من بیدل بہ جمال تو عجب حیرانم

اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بو العجبی!

نہ کوئی گوشہ راحت نہ سکوں کا کوئی در
کس قدر تنگ ہے پہنائی عالم مجھ پر
میں کہاں جاؤں ترے باب کرم سے اٹھ کر
چشم رحمت بکشا، سوئے منِ انداز نظر

اے قریشی لقبؐ و ہاشمیؐ و مطلبیؐ!

دشتِ امکاں میں بہت تلخ ہیں اپنے اوقات
خستہ پائی میں ہے درپیش جہانِ ظلمت
جلد سے جلد ملے پیاس کی شدت سے نجات
ماہمہ تشنہ لبانیم و توئی آبِ حیات

لطف فرما کہ زحد میگذرد تشنہ لبی!

ساتھ جبریلؑ ہیں اور عالم قدسی کا گشت
بزمِ امکاں میں نہیں کوئی بھی تجھ سا خوش بخت
فرش سے عرش تلک فاصلہ سارا ایک جست
شب معراج عروج تو زافلاک گذشت

بمقامے کہ رسیدی، نہ رسد ہیچ نبی!

کرب جاں میں نہیں آتی ہے کسی طور کمی
مندمل چاہئے تابش کا بھی زخمِ ہستی
روح تسکین کی طالب ہے ابھی اور ابھی
سیدیؐ انت حبیبیؐ و طبیب قلبیؐ

آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

نیر مدنی مرحوم

انوار فروشِ دو عالم ہے اک شمعِ جمیلِ بزمِ اُحد
یا صبحِ ازل کے چہرے سے اٹھی ہے نقابِ شامِ ابد
اللہ رے اثر اس دنیا میں اک امی لقب کی آمد کا
ہیں سر بگریباں اہلِ زباں حیران و پریشاں علم و خرد
محدود نظر تیری جانب دیکھے بھی تو کیونکر دیکھ سکے
اتمام ہوئی ہے آکے تری ہستی میں جمالِ ذات کی حد
لاریب درود پاک ترا باطل کے لئے پیغامِ فنا
لاریب کہ تیری ہستی ہے ظلمت کے جگر پر نور کی زد
وہ لوگ بھی صادق کہتے تھے ان کی بھی نگاہوں میں تھے امیں
جو راہ میں کانٹے بوتے تھے رکھتے تھے جو دل میں آپ سے کد
اب حد سے فزوں ہے آپ کا غم، مایوسیٔ پیہم طرفہ ستم
سرکارِ دو عالمؐ چشمِ کرم، مختارِ دو عالم میری مدد
دیدار کے پیاسے اہلِ یقیں شبنم بھی حزیں نیّر بھی حزیں
اے ساقیِ صہبا خانۂ دیں اے شاہدِ بزمِ نازِ احد

حنیف اسعدی

مکان پہ دیکھا، سر لامکاں لکھا دیکھا　　وہ اسمِ پاک کبھی نزدِ جاں لکھا دیکھا
میں کیا بتاؤں کہ کیا منزل و مقام تھا وہ　　خدا کے ساتھ محمدؐ جہاں لکھا دیکھا
وہ ایک نام جو کون و مکاں کا محور ہے　　میانِ دائرہ جسم و جاں لکھا دیکھا
کتابِ زیست کے ہر باب میں ہے ذکر ان کا　　انہیںؐ کا نام سرِ داستاں لکھا دیکھا
کچھ اپنے خانۂ دل کا سا کارخانہ تھا　　بخطِ نور جہاں آستاں لکھا دیکھا
نظر کو فکر تھی انؐ کو کہاں تلاش کرے　　تو ہر مقام پہ دونوں جہاں لکھا دیکھا
ابھی کہ نیتِ مدح و ثنا ہی کی تھی حنیف　　قلم نے لوح پہ عجزِ بیاں لکھا دیکھا

نعیم تقوی

بروئے آیہ قرآں وہ بولتا بھی نہیں
کمال نطق ہے ایسا عن الھدیٰ بھی نہیں

ترے حبیبؐ کے قرباں اے رب لوح و قلم
لکھوں میں نعت نبیؐ اتنا حوصلہ بھی نہیں

تصرفات نیں پرکار وقت و سمت بھی ہے
تعینات کے مرکز سے وہ جدا بھی نہیں

شعاع نور تموج ادائے جذب و کشش
یہ کائنات بجز عکس نقش پا بھی نہیں

بنام صاحب معراج بڑھ خلاؤں میں
ہزار فاصلے ہوں کوئی فاصلہ بھی نہیں

ہے برقیوں پہ تصرف شکست جوہر سے
اے نور اولیںؐ جوہر ابھی کھلا بھی نہیں

نعیم تقوی ہے اس عبد کا خاص بندہ
کہ جس کی طرح کوئی بندہ خدا بھی نہیں

○

عاصی کرنالی

نعت و مدحت کی فضاؤں میں مرا شہپر کھلا
کس قدر بے بال و پر ہوں آج یہ مجھ پر کھلا

آپ جب آئے تو چمکی قسمت کون و مکاں
آپ نے دیکھا تو اس آئینے کا جوہر کھلا

کیا تکلم تھا کہ جس سے پائی ذہنوں نے کشود
کیا تبسم تھا کہ گویا روشنی کا در کھلا

آپؐ آئے جسم و جاں میں روشنی آتی گئی
دل کھلا، سینہ کھلا، آنکھیں کھلیں، منظر کھلا

پائے شر میں آپ نے زنجیرِ محکم ڈال دی
پھر رہا تھا ہر طرف شیطان کا لشکر کھلا

روزِ محشر آگئی کام اک نگاہِ کارساز
رہ گیا میرے سیہ اعمال کا دفتر کھلا

فرشِ صفہ پر رکھی تھی جس کی بنیاد آپؐ نے
وہ دبستاں جابجا، وہ مدرسہ گھر گھر کھلا

نعت نے عاصی، مجلّا کردیا افکار کو
ایک روشندان میرے ذہن کے اندر کھلا

سحر انصاری

جمالِ رحمتِ عالمؐ کسی کے دل میں آجائے
تو دل کیفِ حضوری کی نئی منزل میں آجائے

گدا بن کر درِ اقدس پہ جا بیٹھوں تو اچھا ہے
نہ جانے کیمیا کب کاسۂ سائل میں آجائے

کسی نے اس سے پہلے معجزہ ایسا نہیں دیکھا
کہ شق ہونے کی خواہش خود مہ کامل میں آجائے

عجب اعجاز ہے مدثّر و یسین و طٰہٰ کا
نئی تاثیر ہستی بزمِ آب و گِل میں آجائے

عدو کو منقلب کردے رخِ انور کی تابانی
بجائے تیغ، شاخِ گُل کفِ قاتل میں آجائے

کشاکش ہائے ہستی میں سکوں ملتا نہ ہو جس کو
دورد و ذکر و وجدو حال کی محفل میں آجائے

اثر ذکرِ محمدؐ کا سحر ہوتا ہے یوں جیسے
کوئی گم گشتہ کشتی دامنِ ساحل میں آجائے

جاذب قریشی

مثالی آئینے ہیں آئینے خورشید رحمت کے
کہ سارے عکس اجالوں کے سب چہرے محبت کے

غبارِ جاں کو اجلے موسموں کے رنگ پہنائے
محمدؐ نے ستارے ہی بدل ڈالے عداوت کے

سرِغار حرا وہ ایک چہرہ اس طرح چمکا
کہ اپنے پاؤں پر خود گر پڑے آزر جہالت کے

وہ جس نے عرش پر لوح و قلم کی پرورش کی ہے
محمدؐ اک علامت ہیں اسی زندہ حکایت کے

خدا اور آدمی دونوں انہیں آواز دیتے تھے
زمیں سے آسماں تک تھے سفر ان کی سماعت کے

حدِامکان یزداں تک وہی اول وہی آخر
کہ خال و خد کہیں دیکھے نہیں ان کی شباہت کے

خیال و خواب کے طاقوں میں رہتا ہے، چراغاں سا
عجب موسم ہیں کعبے سے مدینے کی مسافت کے

سفر کی شام ہے تنہائی کا صحرا ہے اور میں ہوں
میری آنکھوں میں لیکن خواب ہیں خورشید رحمت کے

مجھے اس شہر کے رستوں میں کھو جانے کی خواہش ہے
کہ ہیں گمنامیوں کے درمیاں امکان شہرت کے

دعائیں دینے والے ہاتھ زخمی بھی ہوئے لیکن
کسی کو خود کبھی بھیجے نہیں لمحے شکایت کے

سفر کی دھوپ میں جب پیاس کا صحرا دہکتا ہے
تو پھر بادل برس جاتے ہیں مجھ پر ان کی رحمت کے

راجا رشید محمودؔ

جس کی نظروں میں زرِ پائے پیمبرؐ چمکے — سامنے اس کے نہ گنجینۂ گوہر چمکے
بخت ذرے کے جو یاور ہوں، عرب تک پہنچے — خاکِ طیبہ سے لگے، مہر سے بڑھ کر چمکے
روبرو گنبد خضرا کے پہنچ جاؤں اگر — مجھ زیاں کار کا بھی نقشِ مقدر چمکے
ذہن میں دشتِ مدینہ کا تصور آیا — پھول الفت کے مری شاخِ نظر پر چمکے
جب بھی آیا ہے کوئی زائرِ طیبہ واپس — کتنے تارے مری پلکوں کے افق پر چمکے
ذکر اُنؐ کا ہے تو ہر لب کا مقدر بن جائے — یاد اُنؐ کی ہے تو سینوں میں اتر کر چمکے
اس کو اللہ ولی کہہ کے مراتب بخشے — اُنؐ کی سیرت جو کسی شخص کے اندر چمکے

○

بشیر حسین ناظمؔ

اے صاحبِ اخلاق عظیمہ و انیقہ — روشن ہیں تری نعت سے آثارِ عتیقہ
دل تیری ولاؤں کی فضاؤں میں ہے شاداں — ہے تیری ولاء بخشش و غفراں کا وثیقہ
دیتا ہے خدا تیرے توسل سے سبھی کچھ — ہے تیرا توسل ہی توسل کا سلیقہ
آفات و بلیات و مصائب کا مُداوا — تسلیم ہے آقاؐ تری سنت ہے عقیقہ
غارت گر ایمان ہے اِزموں سے تعارف — اِیقان کی تزئین ہے بس تیرا طریقہ
رہتا ہے ترے وصف سے معمور زمانہ — مامور تری نعت پہ ایک ایک دقیقہ
ہم نارِ جہنم سے بچے، تیرے کرم سے — خاموش ہوا آگ کا حضرۂ عمیقہ
کیسے کرے ادراک، تری شانِ عُلیٰ کا — احساسِ شعورِ بشر و عقلِ لیقہ
اے شانِ قناعت ہو کرم بہر تموّل — امت ہے شکارِ مرضِ دردِ شقیقہ
زاہد کو مبارک ہو جناں، میرے لئے تو — ہے طیبہ بہ سوگند حرم، خُلدؔ حدیقہ
خوش کام ہوئی نعت تری نگہ کرم سے — منظور نہ تھے گرچہ قوانیٔ دقیقہ

اے مصدرِ الطاف و مراحم سرِ محشر
ناظمؔ کا بھرم ہیں تری عاداتِ شفیقہ

○

ریاضؔ حسین چوہدری

کلکِ ثناء کو نور کی موجوں میں رکھ دیا
یعنی گدازِ عشق کو ہونٹوں میں رکھ دیا
میرے خدائے منصبِ نعتِ نبیؐ کے ساتھ
صلِ علیٰ کا نور نگاہوں میں رکھ دیا
دے کر غبارِ شہرِ تمنا کی آرزو
کس نے چراغِ ہجر کا آنکھوں میں رکھ دیا
بادِ صبا نے وردِ درود و ثناء کے بعد
اسمِ رسولؐ ادھ کھلی کلیوں میں رکھ دیا
کتنا کرم کیا ہے خدائے رحیم نے
انؐ کی ثناء کو ڈوبتی سانسوں میں رکھ دیا
آقا حضورؐ اہلِ ہوس نے قدم قدم
میرا ہر ایک خواب خیالوں میں رکھ دیا
سرکارؐ ناصحانِ قدامت پسند نے
حرفِ وفا پرانی کتابوں میں رکھ دیا
آقاؐ فقیہ شہر نے آئینۂ حیات
اڑتی ہے جن پہ دھول انھی رستوں میں رکھ دیا
عشاقِ مصطفیٰؐ نے بڑے ذوق و شوق سے
ذکرِ حضورؐ جھومتے لمحوں میں رکھ دیا
کتنے عجیب لوگ ہیں ہم رہبرِ عظیم
منزل کا ہر نشان سرابوں میں رکھ دیا
روزِ الست آنکھ جو کھولی شعور نے
قدرت نے ایک نور سا ہاتھوں میں رکھ دیا
میں نے بڑے خلوص سے چوما اسے ریاضؔ
اور پھر قلم حضورؐ کے قدموں میں رکھ دیا

انور شعورؔ

کب مانتے ہیں کوئی ہدایت حضور کی
پھر بھی ہمارا خواب شفاعت حضورؐ کی

ظاہر میں تھا تضاد نہ باطن میں تھا تضاد
پیش نظر ہے خلوت و جلوت حضورؐ کی

اپنے کو آدمی کے سوا کچھ نہیں کہا
یہ عجز و انکسار ہے عظمت حضورؐ کی

شاہ عرب کے پیٹ پہ پتھر بندے ہوئے
دیکھے تو کوئی طرز معیشت حضورؐ کی

چاروں طرف سے بادِ مخالف کا سامنا
ہے سخت مشکلات میں امت حضورؐ کی

اسلام کو تو بانٹ چکے مسلکوں میں ہم
قرآن رہ گیا ہے امانت حضورؐ کی

ہوں گے ضرور حاضرِ دربار ہم شعورؔ
ہر امتی کا حق ہے زیارت حضورؐ کی

○

احسان کاکوروی

یہ عرض آپؐ سے ہے اور بڑے ادب سے ہے
حضورؐ مجھ کو بھی آنے کا شوق کب سے ہے

حضورؐ آپؐ تو واقف ہیں اس حقیقت سے
یہ اضطراب میرے دل میں کس سبب سے ہے

لگا سکے گا مری کون عظمتوں کا سراغ
کہ دھڑکنوں کا تعلق شہِ عربؐ سے ہے

دل و نظر کو نہ میزانِ عقل میں تولو
دل و نظر کا تعلق حبیبِ ربؐ سے ہے

وہ ایک پیاس جو معراجِ تشنگی ٹھہری
کسی کی آنکھ سے ظاہر کسی کے لب سے ہے

حضورؐ اذنِ حضوری ضرور بخشیں گے
حضورؐ اسکا مگر انتظار کب سے ہے

نفس نفس میں ہے صدیوں کا اشتیاق احسانؔ
نگاہ سوئے مدینہ نہ جانے کب سے ہے

حسن اختر جلیل

ان کی مدحت میں ادا ہو جو سخن اچھا ہے
شاعری نعت میں ڈھل جائے تو فن اچھا ہے
طائر روح! وہیں چل کے ٹھکانا کرنا
باغ جنت سے مدینے کا چمن اچھا ہے
دل بے تاب! وہاں کس کو جمال گفتار
اس ادب گہ میں خموشی کا چلن اچھا ہے
مرہم خاک مدینہ نے عجب کام کیا
دوستو! آج مرا زخم کہن اچھا ہے
خاک اس دشت کی لو ہاتھ پہ اور خود جانچو
یہ زمیں اچھی ہے یا خلد عدن اچھا ہے
دل تو رہتا ہے اسی شہر میں برسوں سے جلیل
کھینچ لے مجھ کو بھی گر دل کی لگن اچھا ہے

سعید بدر

چار سو ارزاں ہوا ہے اہل ایماں کا لہو
حشر سا ہے جا بجا قریہ بہ قریہ' کوبہ کو
آج کل ہے پوری امت دردوغم میں مبتلا
خون مسلم سے ہوا رنگیں جہان رنگ وبو
نام لیوا آپؐ کے ہیں ہر جگہ زیر عتاب
قاہر و غالب ہوئے ہیں اہل ایماں پر عدو
دست بستہ آپؐ کی خدمت میں ہے یہ عرض غم
لٹ نہ جائے آپؐ سے وابستگاں کی آبرو
بدر ہے عاصی سہی کچھ بھی سہی رب کریم
نام لیوا ہیں ترے' حاضر ہیں تیرے رو برو
ہے گلستان نبیؐ پر چھاگئی افسردگی
ہے دعائے بدر یارب! مرحمت فرما! نمو

سید ابوالحسنات حقیؔ (کانپور)

انجام جس کا خوب اس آغاز پر سلام — گونجی جو شش جہت میں اس آواز پر سلام
وہ جس کا اسم پاک دلوں کی کشود ہے — اس نام پہ درود اس اعجاز پر سلام
لوح و قلم ازل سے ہیں جس کے نشانے پر — اس سرو ناز اس قدر انداز پر سلام
میرا وجود میرا حوالہ ہے ان کی ذات — میں کجکلاہ جس سے ہوں اس ناز پہ سلام
اس کے غلام قیصر و کسریٰ پہ خنداں زن — آئین خسروری کے اس انداز پر سلام
دریتیم کے لب و رخسار پر درود — یہ دل گداز جس سے ہے اس راز پر سلام
آمد سے جن کی کھل اٹھے چہرے گلاب سے — انسانیت کے چارہ و دمساز پر سلام

سید نعیمؔ حامد علی (مدینہ منورہ)

تڑپ اٹھی ہے دل میں آج نعتِ مصطفیٰ ﷺ کہئے — مگر یہ فکر ہے حرفِ ثنا کیسے تو کیا کہئے
ادب یہ ہے کہ اپنی عاجزی کا ماجرا کہئے — ہمہ گویانِ نعتِ مصطفیٰ ﷺ کو مرحبا کہئے
شفاعت کی طلب میں مطلع راحت فزا کہئے — شفیع المذنبینؐ کو مذنبوں کا آسرا کہئے
دلیل رتبۂ عالی ہے سبحان الذی اسریٰ — مرے آقاؐ کو ہر اوج و شرف کی انتہا کہئے
عبادت کس قدر آسان کردی میرے مولا نے — یہ فرما کر نبیؐ پر ہر گھڑی صلِ علیٰ کہئے

نعیمؔ انعام ہے مجھ پر کیا ساکن مدینے کا
خدا کی دین ہے اس کے سوا اب اور کیا کہئے

ابرار کرتپوری (نئی دہلی)

مہک سے ذکر کی ہر شعر پھول ہو جائے ۔۔۔ ادب کے ساتھ ثنائے رسولؐ ہو جائے
وہ جس سے مدحتِ شانِ رسولؐ ہو جائے ۔۔۔ بس اس پہ رحمتِ حق کا نزول ہو جائے
میں ان کو یاد رکھوں جب بہت عقیدت سے ۔۔۔ شبانِ ذکر محمدؐ کو طُول ہو جائے
مجھے غلام سمجھ لیں اگر کبھی ان کا ۔۔۔ تمام عمر کی محنت وصول ہو جائے
ہیں وہ کمالِ بشر ان کا ضو فشاں کردار ۔۔۔ ادا ادا میں بشر کی حُلول ہو جائے
عطا ہو مجھ کو مدینے میں حاضری کا شرف ۔۔۔ مری دعا یہ خدایا قبول ہو جائے

اسے ہو اذنِ حضوری ہے آپؐ کا ابرارؔ
معاف بہر خدا اس کی بھول ہو جائے

زیب غوری (کانپور)

اس قدر ہوش اسے چاہنے والے رکھنا ۔۔۔ دیکھنا اس کو کچھ پردے بھی ڈالے رکھنا
وہ حرم تھا وہاں گنجائش مستی تھی بہت ۔۔۔ یہ مدینہ ہے یہاں خود کو سنبھالے رکھنا
اُس پہ ججتی تھی بہت شانِ کریمی اس کی ۔۔۔ ہونٹوں پہ حرف دعا پاؤں میں چھالے رکھنا
اُس کے قدموں میں گرے ریت کی دیوار سے وہ ۔۔۔ سہل تھا جن پہ پہاڑوں کو سنبھالے رکھنا
وہ پشیمانوں پہ جولانیٔ رحمت اس کی ۔۔۔ درگزر کے کسی پہلو کو نکالے رکھنا
خرقہ پوشی میں بھی وہ سطوتِ شاہی تھی عجب ۔۔۔ تاجِ زریں، نہ کوئی شال دو شالے رکھنا
اُس نے مٹی سے تعلق نہیں توڑا اپنا ۔۔۔ سونے چاندی کے کٹورے نہ پیالے رکھنا
اُس سے سیراب ہوا خشک زمینوں کا جگر ۔۔۔ اس کا وہ دشت میں دریاؤں کو پالے رکھنا
پھولوں نے فیضِ رسانی کی ادا پہچانی ۔۔۔ اُس سے سیکھا ہے چراغوں نے اجالے رکھنا
کام آجائیں یہی اشکِ ندامت شاید ۔۔۔ یہ گہر دل کے کسی کونے میں ڈالے رکھنا

عرش سی پاک زمینوں پہ قدم رکھو گے
زیبؔ یہ سوئے ادب ہے اسے ٹالے رکھنا

مصورؔ لکھنوی (لکھنؤ)

ہیں کتنی جامع و محکم رسولؐ کی باتیں　　سنائے جا مرے ہمدم رسولؐ کی باتیں
بھلائے دیتی ہیں ہر غم رسول کی باتیں　　ہیں دل کے زخموں کا مرہم رسولؐ کی باتیں
خدا کے بعد رسولؐ خدا کا درجہ ہے　　خدا کے بعد مقدم رسولؐ کی باتیں
تمام فیض کا دریا رسولؐ کی ہستی　　تمام رحمت عالم رسولؐ کی باتیں
ہے اک کلام خدا جس سے دل نہیں بھرتا　　پھر اس کے بعد مکرم رسولؐ کی باتیں
خدا اگر ہمیں توفیق دے تو اے یارو　　تمام عمر کریں ہم رسولؐ کی باتیں

مصورؔ ان پہ درودوں کے پھول برسائیں
جہاں کہیں بھی سنیں ہم رسولؐ کی باتیں

○

شفیق الدین شارقؔ

قُل ھو اللہ احد تک پہنچے　　لوگ جب انؐ کی سند تک پہنچے
روشنی حُسن ازل سے لے کر　　انؐ کے ہر نام ابد تک پہنچے
پیکرِ خاک میں ڈھل کر بھی وہ نور　　اپنی معراج کی حد تک پہنچے
انؐ کو بخشا گیا جو خُلقِ عظیم　　کون اس قامت و قد تک پہنچے
شفقت و لطف و کرم کے اثرات　　نیک تو نیک ہے، بد تک پہنچے
آستاں اہلِ جنوں کا ہی نہیں　　کہ وہاں اہلِ خرد تک پہنچے
اس کے اسباب کا عالم مت پوچھ　　غیب سے جس کی رسد تک پہنچے
انؐ کے در تک جو اٹھا کر لے جائے　　وہ ہوا میرے جسد تک پہنچے
جو سلام انؐ کے لئے میں بھیجوں　　میری ماں اور اب وجد تک پہنچے
کون ہے سایۂ رحمت کے سوا　　جو مرے ساتھ لحد تک پہنچے

کیوں نہ ہوں وہؐ متوجہ شارقؔ
شعر جب نعت کی حد تک پہنچے

عزیز احسن

مدح کب تک شہ کونین شنیدہ لکھوں
کاش وہ وقت بھی آئے کہ میں دیدہ لکھوں

دولتِ درد عطا ہو مرے آقاؐ مجھ کو
آپ کی نعت میں باقلب تپیدہ لکھوں

کاش وہ چشم کرم میری طرف بھی ہو جائے
میں بھی حسانؓ کے لہجے میں قصیدہ...... لکھوں

چادرِ زیست پہ عصیاں کے اگر داغ نہ ہوں
یا نبیؐ آپ کے اوصاف حمیدہ لکھوں

فہمِ قرآن کی توفیق میسر ہو اگر
میں بھی سرکارِ دو عالمؐ کا قصیدہ لکھوں

مدحت ختمِ رُسلؐ مشغلہ بن جائے عزیزؔ
جب لکھوں لذتِ دیدار چشیدہ لکھوں

سید آل احمد رضوی

مطلعِ انوارِ حق، کہفُ الوراء کی روشنی — تجلۂ جاں کی جِلا ماہِ حراؐ کی روشنی
اے خوشا صلِّ علیٰ بدر الدجیٰ کی روشنی — دونوں عالم کی ضیا شمس الضحیٰ کی روشنی
چہرۂ انور سے تاباں شش جہاتِ کائنات — بدر و انجم ہیں نبیؐ کے خاکِ پا کی روشنی
قلب پر برسے مرے عرفان کا جھالا مدام — فرق پر ہو سایہ افگن اِرتضاء کی روشنی
قصرِ ایماں ہو درخشاں، ضوئے ذکرِ نور سے — قصرِ استغناء کرے تاباں، رضا کی روشنی
اِجتباء و اِرتضاء و اِصطفاء کے عرش پر — مجتبیٰ و مرتضیٰ و مصطفیٰ کی روشنی
کوفہ والے تو دغا کی ظلمتوں میں کھوگئے — کربلا والوں نے پھیلائی وفا کی روشنی
ہے شبستانِ اِباؐ تاریک سے تاریک تر — راحت و آرامِ جاں حرفِ بلیٰ کی روشنی
آلِ احمد ہے ثنائے مصطفیٰ میں پیش پیش — لے کے آئی ہے ادھر اس کو وِلا کی روشنی

لیاقت علی عاصم

وہی صدیوں سے تغیر کا سفر ہے کہ جو تھا
وہی آپؐ اور وہی آپؐ کا در ہے کہ جو تھا
پھر کوئی آیا ہے مل کر شہہ ہمدرداں سے
پھر وہی سلسلہ خیر و خبر ہے کہ جو تھا
پھر وہی خلقت انصاف طلب ہے کہ جو تھی
پھر وہی آستاں انصاف کا گھر ہے کہ جو تھا
پھر وہیں لوٹ کے آیا ہوں جہاں تھا پہلے
پھر مجھے بھیڑ میں کھو جانے کا ڈر ہے کہ جو تھا
جز خدا اور کسی پر نہیں اٹھتیں نظریں
آپؐ کا حکم مرے پیش نظر ہے کہ جو تھا
ہو اشارہ تو یہ مجبور بھی شامل ہوجائے
قافلہ اب بھی سرراہ گزر ہے کہ جو تھا
پھر وہی ذکر وہی خلوت جاں ہے عاصم
پھر وہی یاد وہی دیدہ تر ہے کہ جو تھا

کوثر علی

دور کر دیتی ہیں مہجور کی دوری نعتیں — جب بھی رویا ہوں تو لکھی ہیں حضوری نعتیں
مجھ سے تاریک نہ تھے اور کسی کے احوال — اس لیے مجھ کو میسر ہوئیں نوری نعتیں
میرے لب پر ہے ثنا قندِ مکرر کی طرح — ان پہ قرآن میں نازل ہوئیں پوری نعتیں
مجھ پہ اک کیف مسلسل کا سماں ہوتا ہے — اور ہوتے ہیں جو لکھتے ہیں شعوری نعتیں
اپنی بخشش کیلئے جب بھی پریشان ہوا — آئیں جذبوں میں بھری لب پہ وفوری نعتیں
دل کے ارمان نکالوں گا بروزِ محشر — میں سمجھتا ہوں یہ نعتیں ہیں عبوری نعتیں
میں نہیں ایک، دو عالم کی فضا وجد میں ہے — مجھ پہ اتری ہیں بہ الحانِ زبوری نعتیں
مجھ کو معلوم ہے سب، فرد عمل میں کیا ہے — میں گنہگار ہوں مجھ کو ہیں ضروری نعتیں

دل کے جذبات سمیٹے نہیں سمٹے کوثرؔ
لوحِ قرطاس پہ اتری ہیں — ادھوری نعتیں

اذنِ سفر

آسماں رنگوں کی آمیزش بدلتا جارہا ہے
پہاڑوں کے بہت سے سلسلوں کے بیچ لمبے راستے پر
ہوا نے ہلکی بارش سے وہ چھڑکاؤ کیا ہے
کہ ذہن و دل ابھی سے
خوشبوئے خاکِ مدینہ سے معطر ہو گئے ہیں
ابھی تو وہ مقام آیا نہیں ہے
جہاں میرے نبیؐ کا جسمِ اطہر
سراپا نور و نکہت بن کے صدیوں سے ابھی تک
دو عالم پر کرم فرما رہا ہے
ابھی وہ وقت بھی آیا نہیں جب
درِ خیر الوریٰؐ پر میں جبیں سائی کو جاؤں' حاضری دوں
خوشا اس راستے پر ہو گیا میرا سفر ممکن
جہاں ہجرت بصد اعجاز اپنا واقعہ ہر آنے والے کو سناتی ہے
میں اس اعزاز پر نازاں ہوں اور مجھ کو یقیں ہے
سفر کا یہ مبارک دن مری خوش قسمتی آغاز کرنے کو
مجھے اس راستے پر لے چلا ہے
جہاں سے زندگی اپنی بشارت آپ پاتی ہے
جہاں سے روشنی اپنے لئے امکان لاتی ہے

وضاحت نسیم

نفیس القادری

جمال آپؐ کا لالہ زاروں میں چمکا بہاروں کا جلوہ' بہاروں میں چمکا
مدینے میں روحِ تجلی جو چمکی تو حسنِ ازل خاکساروں میں چمکا
برستی ہے لفظوں میں شرحِ جمالی عجب نور قرآں کے پاروں میں چمکا
تمام انبیاء چمکے نور خداؐ سے رخِ شاہ جب شاہکاروں میں چمکا
مری کشتی دل بھنور میں جو آئی کوئی موجِ طوفاں کے دھاروں میں چمکا
منور ہوئیں چاند تاروں کی آنکھیں کوئی جگنوں ایسا غباروں میں چمکا
سرحشر کس شاہِ والا کی شہ سے گنہگار پرہیز گاروں میں چمکا

نفیسؔ ایسا آئینہ حق نے بنایا
رخِ پنجتن چار یاروں میں چمکا

○

قمر عباس قمر

ο

ذرہ خاک سے پھر وہ مہ واختر بن جائے
تیرے الطاف سے جو تیرا گداگر بن جائے

ہنر نعت کا اعجاز کہ مجھ سا بے کس
کاسہ حرف اٹھائے تو سخنور بن جائے

آپؐ کی چسم کرم بار کی حدت کے طفیل
سینہ پتھر کا ہو تو موم کا پیکر بن جائے

طالب مدحت سرکارؐ کا اعزاز ہو یہ
قطرہ حرف سے لفظوں کا سمندر بن جائے

طائر اذن سفر میرے گھر آجائے قمر
مجھ خطا کار کا بھی بگڑا مقدر بن جائے

معراج حسن عامر

مری خواہش کہ میرا بھی ہو کوئی گھر مدینے میں
میں صبح و شام دیکھوں خلد کا منظر مدینے میں
وہ گھر تھا یا زمیں پر عرش کی دہلیز تھی کوئی
محمد مصطفیٰ ٹھہرے تھے جس کے گھر مدینے میں
محمدؐ کے حوالے سے خدا تک ہے پہنچ ممکن
ہوا ہے سرخرو وہ سر جھکا جو سر مدینے میں
بغیر ان کی محبت کے یہ ہستی رائیگاں ہوگی
حقیقت میں کھلا یہ راز بھی ہم پر مدینے میں
وہاں ہی دھوپ میں سایہ وہاں صحرا بھی دریا ہے
مثال آئینہ روشن ہوئے پتھر مدینے میں
اتر جاتا ہے سینے میں ہر اک لمحہ سکوں بنکر
ہر اک موسم میں دیکھا ہے دھنک منظر مدینے میں
حقیقت میں خدا کا گھر نظر آتا ہے کعبہ میں

شاہنواز مرزا نواز

مرے سامنے ہے روضہ یہ کرم ہے اس نظر کا
نہ صعوبتیں سفر کی نہ سوال بال و پر کا
مجھے خوف کچھ نہیں ہے کسی راہ پُرخطر کا
مرے راہبر بھی وہ ہیں میں گدا ہوں جن کے در کا
مرا طائر تخیل مجھے لے چلا مدینے
کوئی مجھ سے لطف پوچھے مرے اس حسیں سفر کا
کبھی میں جو ان کو سوچوں تو وہ ہو بہو نظر آئیں
یہ عجیب رابطہ ہے مرے قلب سے نظر کا
مری ہر دعا میں شامل ہے وسیلہ محمدؐ
یہی مغز ہے دعا کا یہی راز ہے اثر کا
ہوا خلق جن کے دم سے یہ جہان رنگ و نکہت
وہی دلکشی ہیں شب کی وہ نور ہیں سحر کا
میں نوازؔ ان کے در سے وہ جمال لے کے آیا
جو مقام ہے سخن کا جو کمال ہے ہنر کا

نعتیہ ہائیکو

معراجِ سرکارؐ
وقت نے رک کر دیکھی ہے
انساں کی رفتار

روشن راتیں کر
انؐ کی یاد کے دیپ جلا
انؐ کی باتیں کر

کچھ تشکیک نہیں
کس کے دامن میں انؐ کے
در کی بھیک نہیں

انؐ کی عطا کے ہیں
میرے دامن میں جتنے
حرف ثنا کے ہیں

(صبیح رحمانی)

کیسی غیر یقینی
تیرے ذکر سے پھوٹ رہی ہے
خوشبو بھینی بھینی

دو جگ کے سلطان
تو نے کیسا درس دیا ہے
خلقت سب حیران

صدیوں کے اندھیارے
تو نے آکر دور کیے ہیں
رب کے راج دلارے

تیرا صبر انوکھا
پیٹ پہ پتھر اور مزدوری
تجھ کو ایسے دیکھا

(محمد یعقوب غزنوی)

اسمكَ مرسوم في وجداني

نقش ہے وجدان پر میرے

القلبُ يبكي۔
والعينُ تدمعْ۔
والذكرياتُ تدمي۔
والأفكارُ تجرحْ۔
والكل مآله النسيانْ

* * *

لكنكَ أنتْ۔
أنت وحدكَ۔
الغائبُ والحاضر۔
الغائبُ في ضميري۔
الغائب في اعماق قلبي۔
وأنتَ الحاضرُ في يقظتي۔

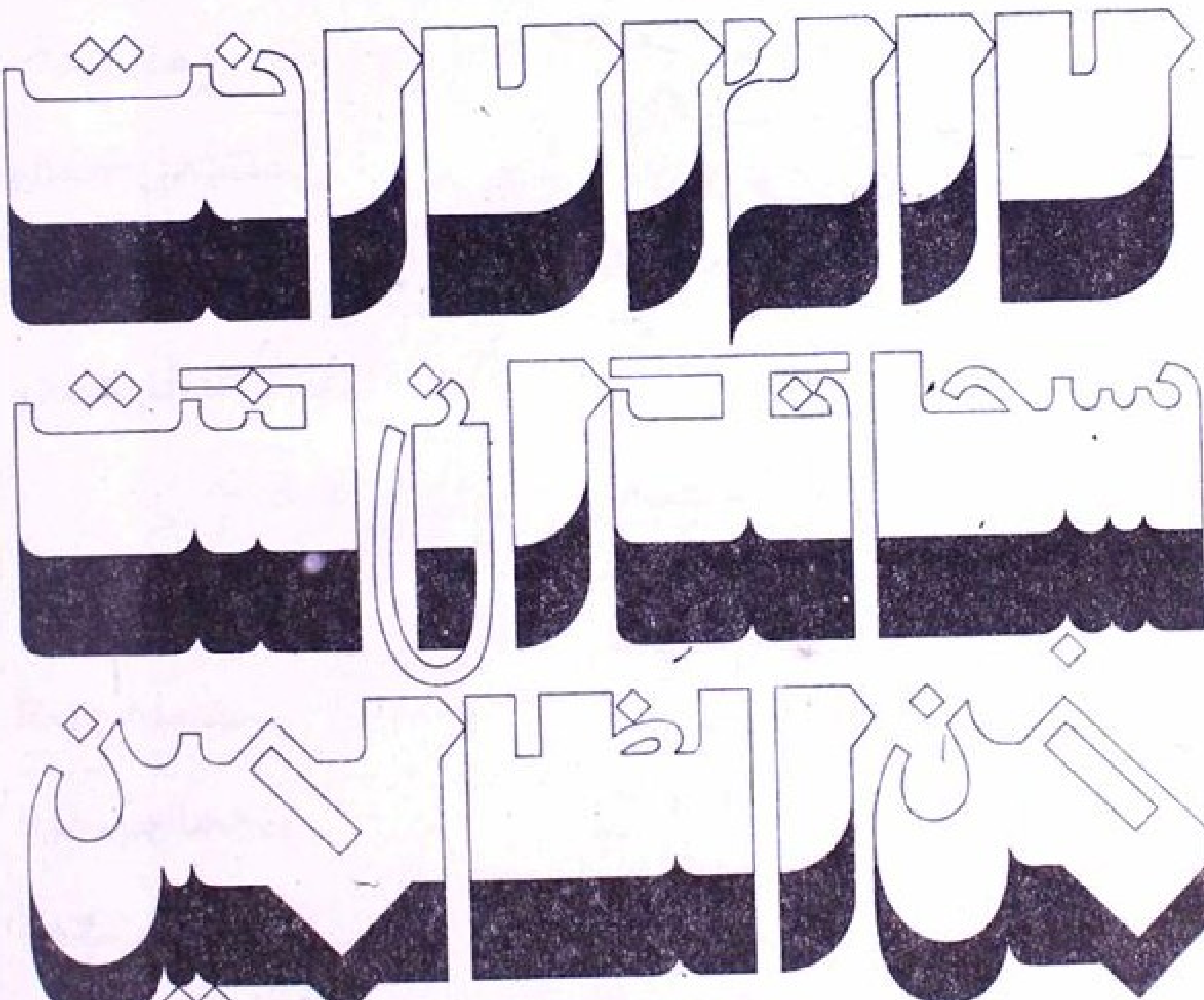
تمہارا نامِ نامی نقش ہے وجدان پر میرے
مرا قلب حزیں آنسو بہاتا ہے
مری آنکھوں کے آنسو یاد کی وادی میں رقصاں ہیں
مری فکر و نظر کے زخم (قندیل محبت ہیں)
مجھے معلوم ہے ان سب کی قسمت ہے فنا ہونا

* * *

(مگر)
تو واحد ہے (خدا کی بارگاہِ جلوہ ساماں میں)
تو غائب بھی ہے حاضر بھی
تو غائب ہے ضمیرِ عبد عاجز میں
تو غائب ہے مرے قلبِ حزیں کی گہری وادی میں
مری بیداریوں میں تو ہی حاضر ہے
مری آنکھوں کی بیداری تجھی سے ہے
مری عقل و شعور و آگاہی بیدار ہیں تجھ سے
تو میری ذات میں حاضر
میرے وجدان میں حاضر
تو غائب بھی ہے حاضر بھی

ہشام علی حافظ کی عربی نعتیہ نظم کے ابتدائیہ کا ترجمہ

مترجم سید محمد ابوالخیر کشفی



محبت کی گواہی

بلقیس شاہین

ہمارے محترم و مکرم بزرگ حامد حسن بلگرامی صاحب نے ایک واقعہ تحریر کیا ہے کہ ایک بزرگ عالم کیف و سرور میں عربی کا ایک مصرع ترنم سے پڑھ رہے تھے (جس کا ترجمہ یہ ہے)

"کہ وہ کون شخص ہے جو برائیوں سے پاک ہے اور جس کے لئے خوبی ہی خوبی ہے"

ابھی تکرار جاری تھی کہ انہوں نے کسی کہنے والے کو کہتے سنا جو دکھائی نہ دیتا تھا کہ "وہ ہستی ہادی برحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جن کے پاس جبرئیل وحی لے کر آتے تھے"

ذہن میں یہ واقعہ اکثر جگمگا اٹھتا ہے اللہ اکبر دیدہ و نا دیدہ ایسی گواہیاں ہمیں اکثر اپنی اس مادی زندگی میں ملتی رہتی ہیں لیکن ہائے ری غفلت ہم میں سے کتنے ہیں جو ادراک رکھتے ہیں۔

مجھے یہ سطریں یوں تحریر کرنی پڑیں کہ عزیزم صبیح رحمانی نے فرمائش کی کہ تائب صاحب پر کچھ لکھ دوں میں ہنس پڑی شاعری پر تنقید نثر کا جائزہ فکشن کا مطالعہ ادب کی رفتار' رجحان زوال یا وسعت پر فکر پھر اس کے نتائج پر بحث و مذاکرے ہماری طالب علمانہ زندگی کے تقاضے سہی لیکن حفیظ تائب صاحب پر "تاثراتی تحریر" میں نے کہا کیوں بڑھاپے میں "چھوٹا منہ بڑی بات" کا مجرم بنانا چاہتے ہو۔

جو لوگ "بڑی نسبتوں" سے ملتے ہیں ان کے متعلق قلم اٹھانا میرے لئے بے حد مشکل ہوتا ہے۔ حفیظ بھائی بھی مجھ کو دنیا کی سب سے "بڑی انسانی نسبت" کے حوالے سے ملے ہیں میں وہ وسعت بیاں کہاں سے لاؤں جو بات پوری کر سکوں میں تو ان کا نہ گام جانوں نہ دھام جب ذہن کی دھنک میں ان کا رنگ تلاش کرتی ہوں تو یاد آتا ہے کہ میں پنڈی کے آل پاکستان مقابلہ فیڈرل پبلک اسکولز نعت خوانی میں کراچی کی نمائندہ لڑکیوں کے ساتھ گئی ہوئی تھی مقابلہ ہوا ختم ہو گیا اس میں پہلا انعام میری بڑی بیٹی عاکفہ کشفی کو ملا میری ایک جاننے والی کراچی سے گئی ہوئی تھیں پوچھنے لگیں ججوں میں کوئی جاننے والا تھا کیا؟ میں نے پوچھا کیوں؟

کہنے لگیں! ایسے مقابلوں میں اکثر ایسے انعامات باہر نہیں جاتے یہ کہتے ہوئے ان کے چہرے پہ جو مسکراہٹ تھی اس کو سمجھتے ہوئے میں دکھی ہو رہی تھی۔

میں نے ان سے کہا میں تو یہاں کسی سے بھی واقف نہیں مجھے نہیں معلوم منصفین کون تھے۔ اتنے میں اس کالج کی ایک استاد میرے نزدیک سے گزریں میں نے انہیں روک کر پوچھا انہوں نے دو نام بتائے جن میں سے ایک نام حفیظ تائب صاحب کا تھا میں نے دونوں نام سن کر ان خاتون کو دیکھا......

میں ان دونوں حضرات سے واقف نہیں لیکن اتنا جانتی ہوں کہ حفیظ تائب نعت گوئی کا اس زمانے

میں ایک معتبر حوالہ ہیں۔

میرے چہرے پہ جانے کیا بات تھی ان کو میری بات کا یقین آگیا حفیظ تائب صاحب کی شکل و صورت سے میں اور میرے میاں دونوں نا آشنا تھے اور اللہ بھلا کرے پاکستان ٹیلی ویژن کا یہ رسم روشناسی اس نے کرائی ہوا یوں کہ میں اپنے گھر میں اکثر کام کاج سے فارغ ہو کر نیچے باورچی خانے سے ملحق کمرے میں بیٹھ کر ان سب لوگوں کی مصروفیاں ختم ہونے کا انتظار کرتی تھیں کیونکہ سونے کے کمرے اوپر تھے اور T.V نیچے ہی رکھا تھا۔ دن تاریخ تو مجھے یاد نہیں بس اتنا یاد ہے کہ ربیع الاول کا مبارک مہینہ تھا اور لاہور سے نعتیہ مشاعرہ آرہا تھا۔ مشاعرے کا اعلان ہوتے ہی میں نے اُمِ ابہیاؔ سے کہا ابو کو بلاؤ کہنا نعتیہ مشاعرہ آرہا ہے وہ بھی آکر بیٹھ گئے۔

شریک شعرا کو باری باری دیکھتے ہوئے ایک شخص پر میں نے انگلی رکھی یہ کون صاحب ہیں؟

انہوں نے کہا میں نہیں پہچانتا!

میں نے کہا نعتیہ مشاعرہ میں شرکت کا حق صرف یہ ادا کر رہے ہیں!

میرے میاں نے تعجب سے مجھ کو دیکھا۔

میں نے کہا میں دوسروں پر تنقید نہیں کر رہی ان کی تعریف کر رہی ہوں کیونکہ یوں لگ رہا ہے کہ دوسرے شعرا صرف مشاعرے میں شریک ہوئے ہیں لیکن ان صاحب کا بیٹھنا ان کے گردن اور کندھوں کا جھکاؤ۔ ان کی نظر و نشست سب گواہی دے رہی ہے کہ یہ نعتیہ مشاعرہ میں آئے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد پتہ چلا کہ یہ حضرت حفیظ تائب ہیں۔ اللہ اکبر.....اس دن پہلی مرتبہ حفیظ بھائی کی شکل دیکھی!........

اس کے بعد حفیظ بھائی کا کلام تو ہم تک پہنچتا رہا کبھی سلیم کوثر کے ذریعہ کبھی مختلف رسائل کے واسطے سے کبھی مسرور بھائی کے "حلقہ" کے نواسنجوں کے ذریعے ہمارا یعنی ہم دونوں میاں بیوی کا سلام ان تک نہ پہنچا۔

o

عجیب بات یہ ہوتی رہی کہ جو ہمارا دل چاہتا رہا وہ حفیظ بھائی کہتے رہے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ ہم سب کے "مجتبا" یعنی جمیل نقوی صاحب اللہ انہیں اچھا رکھے آئے ہوئے تھے میں ان سے کہہ رہی تھی۔ کہ آپ نے اتنی اچھی نعتیں لکھی ہیں کوئی نعت ایسی لکھ دیجئے کہ زمانے کی تصویر کھنچ جائے یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے یہ سب "انہیں" پتہ ہے لیکن ہم بھی تو کچھ کہہ سنائیں۔ اور جمیل نقوی صاحب نے تو فرمائش پوری نہ کی وہ اپنے والد محترم کی خدمت میں ایسے مصروف ہوئے کہ انشاء اللہ عاقبت سنوار لی۔

لیکن حفیظ بھائی کی نعت پڑھ کے یوں لگا کہ دل کی بات زباں پر آگئی.......پھر اہل دل کی محفلوں میں اور تنہائیوں میں اس نعت نے کیا کیا رنگ دکھائے اور کن کیفیات سے دوچار کیا۔ کیا لکھوں کہ سفینہ چاہے۔

وہ نعت یہ تھی۔

دے تبسم کی خیرات ماحول کو ہم کو درکار ہے روشنی یا نبیؐ
ایک شیریں جھلک ایک نوریں ڈلک تلخ و تاریک ہے زندگی یا نبیؐ

کام ہم نے رکھا صرف اذکار سے تیری تعلیم اپنائی اغیار نے
حشر میں منہ دکھائیں گے کیسے تجھے ہم سے ناکردہ کار امتی یا نبیؐ

روح ویراں ہے آنکھ حیران ہے ایک بحران تھا ایک بحران ہے
گلشنوں شہروں قریوں پہ ہے پرفشاں ایک گھمبیر افسردگی یا نبیؐ

سچ مرے دور میں جرم ہے عیب ہے، جھوٹ فن عظیم آج لاریب ہے
ایک اعزاز ہے جہل و بے رہ روی ایک آزار ہے آگہی یا نبیؐ

راز داں اس جہاں میں بناؤں کسے روح کے زخم جاکر دکھاؤں کسے
غیر کے سامنے کیوں تماشا بنوں کیوں کروں دوستوں کو دکھی یا نبیؐ

زیست کے تپتے صحرا پہ شاہ عرب ترے اکرام کا ابر برسے گا کب
کب ہری ہو گی شاخ تمنا مری کب مٹے گی مری تشنگی یا نبیؐ

یا نبیؐ اب تو آشوب حالات نے تیری یادوں کے چہرے بھی دھندلا دیئے
دیکھ لے تیرے تائب کی نغمہ گری بنتی جاتی ہے نوحہ گری یا نبیؐ

اللہ انہیں جزائے خیر دے اور وہ یونہی دلوں کی ترجمانی کرتے رہیں..... پھر یوں ہوا کہ ایک دن ٹیلی فون آیا کہ ع۔ س مسلم صاحب کراچی آئے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ عمرے سے واپسی کے بعد کچھ شعرا حضرات بھی ہیں اور وہ سب ہمارے میاں سے ملنا چاہتے ہیں اور جب معلوم ہوا کہ ان سب میں حفیظ بھائی بھی شامل ہوں گے تو ہم سب گھر والوں کو بے حد خوشی ہوئی۔ بس یہ لگتا تھا کہ نہ جانے کب کا بچھڑا کوئی عزیز آرہا ہے میں اور میرے میاں تو اپنے ان "بڑے ذہنی رشتوں" کے استحکام پہ نازاں و شاداں ہوتے ہی ہیں لیکن اللہ کا بڑا کرم ہے کہ ہمارے بچوں پر بھی ان شخصیات کا جو اللہ اور اس کے

رسول کی نسبت سے ہماری زندگیوں کا حصہ ہیں عجیب غریب اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

حفیظ بھائی کی آمد بھی میرے بچوں کے لئے عید جیسی ہی تھی۔ یہ لوگ دیارِ رسولؐ سے آئے تھے۔ حفیظ بھائی نے چہرے کا نور یافت اور حزن کا سنگم بنا ہوا تھا۔ یہ لوگ روانہ ہونے والے تھے جانے سے پہلے میرے میاں حفیظ بھائی کو زنان خانے میں لے آئے اس سے پہلے کبھی انہوں نے شعری نشستوں کے بعد کبھی ایسی حرکت نہیں کی تھی لیکن ہم سب کو بے حد خوشی ہوئی کہ ہم سب کے ذہنی رشتوں کی استواری کا کشفی صاحب کو احساس تھا اور یہ خود بھی بہت خوش تھے سب لوگ نعتوں کی برکتیں پھیلا کر اپنے شہروں کو روانہ ہوئے اور ہم لوگ مدتوں اس ہنگامی ۔بمعنی (ایمرجنسی) اور مختصر نشست کو یاد کرتے رہے زندگی کی روشنی دھوپ چھاؤں میں ڈھلتی ماہ وسال کے فاصلے طے کرتی رہی میں حساب کتاب میں ویسے بھی کمزور ہوں یا دوسرے لفظوں میں "بے حساب کی" دونوں معنوں میں خواہاں ہوں۔

اسی لئے اللہ میاں سے بھی دعا "بغیر حساب" کی مانگتی ہوں "حسابا یسیرا" کی نہیں۔ کتنا وقت گذرا یاد نہیں بس اتنا یاد ہے ایک دن سلیم آیا تو اس کے چہرے کی وہ طمانیت جو حوصلے بڑھا دیتی ہے۔ غائب تھی ایک عجیب بے قراری اس کے پورے وجود سے چھلکی پڑ رہی تھی۔ خیریت؟

نہیں کشفی صاحب نہیں۔ سنا ہے حفیظ صاحب کی طبیعت خراب ہے میں تو تفصیل بھی نہیں معلوم کر سکا بس بے قرار ہو کر آپ کی طرف آگیا دعا کیجئے بس خوب دعا کیجئے!

یوں لگا جیسے کسی نے دل مٹھی میں لے لیا ہوا!

کشفی صاحب کو خود کو سنبھالنے میں چند لمحے لگے پھر انہوں نے سلیم کوثر کے کندھے پہ تھپکی دی اللہ فضل کرے گا......

ہو جس کی "کتاب زیست کا عنواں محمدؐ عربی"
تو پھر اس کے لیے...."نوید لطف فراواں محمدؐ عربی"

انشاء اللہ انشاء اللہ۔ اس کا رحم اس کا فضل ہو گا...... انشاءاللہ اس طرح دعاؤں کی جھولی پھیلائے ہم سب زندگی کے ریلے میں بہتے رہے اللہ کا کرم ہوتا وہ رحمتوں کے مہینے میں ہم گناہ گاروں پر رحمت کی برسات کرتا رہا ایک رمضان میں دیار نبی میں اطلاع ملی کے اور خوش نصیبوں کی طرح حفیظ بھائی بھی مدینے میں ہیں کشفی صاحب کی ان لوگوں سے ملاقات مسجد نبوی میں ہو جاتی رات عشاء و تراویح کے بعد جب ہم لوگ لوٹ کر واپس آتے تو میں ضرور پوچھا کرتی کس کس کے لئے دعا کی کس کس کا سلام پہنچایا...... کون کون ملا......؟

اس طرح مجھ کو تمام دن کی روداد معلوم ہو جاتی تھی مسجد نبوی کی باتیں کرتے مسجد سے علیحدگی کا وقت بھی غنیمت گذر جاتا تھا ویسے بھی میں حسرت سے سوال کرتی اور رشک سے جواب سنتی کہ یہ مرد حضرات کتنے خوش نصیب ہیں انہیں "منبر رسولؐ" "محراب رسول" "تمام اسطوانوں" اور "مواجہ شریف" میں ہر وقت حاضری کا موقع ملتا ہے ایک ہم "خواتین" ہیں جنہیں "اسطوانہ عائشہ" (جس پر

شاید عورتوں کا حق زیادہ ہے) تک پہ نوافل پڑھنے سے محروم کر دیا گیا ہے۔

ویسے بھی پہلے مسجد میں جو عورتیں حصہ دار تھیں اب کُل مدینہ حرم نبوی میں شامل ہونے کے بعد "مضافاتِ مدینہ" میں نمازیں ادا کرتی ہیں کیونکہ عورتوں کے دونوں حصے اصل مسجد سے بالکل الگ ہیں صرف زیارت کے وقت مسجد قدم اور روضہ مبارک کی زیارت ہوتی ہے وہ بھی ریاض الجنتہ کے آخری ستونوں کے پیچھے یہ بھی غنیمت ہے کہ صفہ کی اجازت مل جاتی ہے ورنہ کبھی کبھی تو اس پر بھی پابندی دیکھی ہے۔ بہرحال یہ سب باتیں بھی رشک کے سبب لکھ دیں ورنہ اس شہر میں اس مسجد میں حاضری ہی بڑی بات لگتی ہے۔

۱۴۱۳ ہجری کا ماہ صیام تھا۔ یہ تاریخ اس لئے یاد رہ گئی کہ میری ڈائری پر حفیظ بھائی کے ہاتھ سے یہ تاریخ لکھی ہوئی ہے۔

اصل میں بات یہ ہے کہ میں ان (کشفی صاحب) سے بڑی حسرت سے کہا کرتی تھی کہ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ میں روضہ رسول کے سامنے کبھی ایک مصرع ہی ایسا کہہ سکوں جو قبول ہو جائے لیکن نہ جانے کیا بات ہے مجھے تو آپؐ کے روضہ شریف پر دوسروں کی جو نعتیں بہت اچھی لگتی ہیں سلام جو ہم لوگ اکثر و بیشتر عالم بے خودی میں گنگنایا کرتے ہیں کچھ بھی تو یاد نہیں آتا بس درود یا دعاؤں کی کتابوں میں جو سلام درج ہیں وہی پڑھ پاتی ہوں بلکہ اگر اور خواتین ہمارے ہاں کا میلاد پڑھتی ہیں نعتیں پڑھتی ہیں تو جی چاہتا ہے کہ ان سے کہوں یہ بے قراری کا اظہار اپنے ملک اپنے شہروں اپنے گھروں میں کرو یہاں تو درود صلوٰۃ کا ورد رکھو اور اکثر کہہ گذرتی ہوں پھر پچھتاتی بھی ہوں کہ میں کون بے قراروں کو ان کے اظہار سے روکنے والی پھر خیال آتا ہے کہ نعتیں پڑھنے سے دس گناہ معاف نہیں ہوں گے دس نیکیاں نہیں لکھی جائیں گی جب اتنے فاصلے طے کر کے آئی ہو تو خزانے لے کر لوٹو پھر سوچتی ہوں کہ کیا معلوم کبھی ایک مصرع کی کیا قیمت ہو؟....... کسی ایک سلام کا کیا جواب ہو؟....... اسی کشمکش میں یہ ہاتھ اللہ کے سامنے پھیل جاتے ہیں کہ اے غالب آقا۔ جو بات تری رضا کے مطابق اسے کرنے دے اور جو تری مرضی کے خلاف ہو اس سے روک دے اور ہمارے عجز کو قبول کر اور ہماری طرف سے اپنے محبوب کے احسان کا بدلہ تو عطا فرما میرے آقا تو ضامن ہو جا....... انؐ کے ہی طفیل ان کے ہی واسطے....... لیجئے بات تاریخ کی ہو رہی تھی....... ہاں تو میری یہ کیفیت کشفی صاحب کو یاد تھی۔ انہوں نے میری ڈائری میں حفیظ بھائی سے کچھ لکھنے کی فرمائش کر دی۔ میرے لئے حفیظ بھائی نے درود تحریر کیا پھر ایک نعت تحریر کی "اے حبیب خداؐ" یہ تحریر میرے لئے تو درخواست بن گئی...... یوں لگا کہ بے زبانوں کو زباں مل گئی...... اللہ حفیظ بھائی کو اجر عظیم عطا فرمائے اس کے علاوہ بھی دو نعتیں تحریر کیں ایک تو ح ہے در دولت پہ گدا سرکاؐ توجہ فرمائیں اور دوسری "سرچشمہ عطا در خیر الوریٰ کی خیر" اللہ تعالیٰ اپنے فضل بے پایاں سے ان کے لئے سرکارؐ کی توجہ اور اپنے خزانہ خیر کو ارزاں رکھے کہ انہوں نے واقعی اس اظہار سے جان کے خرابے کو رشک حدیقہ بنانے کی راہیں روشن کی جو احساس انجانے لبادوں میں ملفوف تھا

اسے علم کا ادراک دے کر مثل کی طرح روشن کر دیا......اور صرف یہی ہی نہیں کہ میرے بھائی نے ذہنی اور روحانی برکتوں میں ہم کو شریک کیا بلکہ اس قیام میں مادی طور پر بھی ہمارا یوں خیال رکھا کہ ہم جو وہاں جا کر ایک نئی دنیا کے پاس ہوتے ہیں زندگی کو نئے سانچوں میں پاتے ہیں خود کو بھی بھول بھول جاتے ہیں ان کو خود کو یاد کرنا سکھا دیا۔ کہ یہ بھی اس شہر کے رہنے کے آداب میں ہے...... کشفی صاحب بیمار تھے۔ بخار وہ بھی اس شہر میں جہاں بخار کی حدت بھی بشارت دیتی رہتی ہے کہ گناہ جھڑ رہے ہیں۔ وہاں کی بیماری جو آخرت کے خزانوں کی نوید ہوتی ہے نہ جانے کب (کشفی صاحب) ان کے منہ سے نکلا ہو گا کہ میری دوا ختم ہو گئی اور یہاں کے لئے میں دوا لانا بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ اور یہ خود کہہ کر بھول گئے لیکن ایک بھائی کی بات دوسرے بھائی نے گرہ میں باندھ لی......رات عشاء کے بعد آرام سے پہلے دروازے پر دستک ہوئی یہ باہر نکلے کچھ دیر بعد واپس آئے تو چہرے کا تاثر آنکھوں کی نمی۔ میں نے پوچھا خیریت' کہنے لگے محبت کی چوٹ ہے۔ بھلا دیکھو خود کتنے تھکے ہوئے ہوں گے میں تو کہہ کر بھول گیا۔ حفیظ بھائی نہ جانے کہاں سے ڈھونڈ کر میرے لئے دوا لائے ہیں۔ اس شہر محبت میں ان باتوں کا صلہ کیا اور عاجزوں کے پاس ویسے بھی دعا کے سوا کیا؟ اور اب تو یہ عالم ہے کہ ہر سفر میں ان ہمسفروں کی یاد آتی ہے اور اللہ ملا دیتا ہے۔ خداوند کریم یوں ہی ہم سب کو اس شہر میں ملاتا رہے آمین...... اور میں نے ابتدا میں جو لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی گواہیاں ہمیں اپنی اس مادی زندگی میں ملتی رہتی ہیں حفیظ بھائی کی حضورؐ سے محبت اس کا اظہار.......اور ہمارا سب کا اس نسبت سے ملنا بھی ایک "گواہی" ہی ہے۔ محبت کی گواہی

گوشۂ ڈاکٹر سید آفتاب احمد نقوی

گوشۂ آفتاب احمد نقوی

آفتاب ڈوب گیا لیکن اس کا نور باقی ہے۔ پھول مرجھا گیا لیکن مہک کو کون مٹا سکتا ہے ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی اپنی ذات میں ایک مکمل ارادہ تھے۔ ایک ایسا ارادہ جس کی مساعی جمیلہ سے پوری اردو دنیا میں نعتیہ ادب کے ذوق کا زبردست احیا ہوا۔ ان کی خدمات نے اہل علم وفن سے خراج تحسین وصول کرکے اردو ادب اور بالخصوص نعتیہ ادب میں زندہ رہنے والے نقش قائم کئے اور ایسا منصب اعلیٰ پایا کہ آئندہ نعتیہ ادب کا کوئی محقق یا تذکرہ نگار انہیں نظرانداز نہ کرسکے گا۔ اور یہ زندگی کوئی معمولی زندگی نہیں ہے۔

"نعت رنگ" کا یہ گوشہ آفتاب احمد نقوی بظاہر بہت مختصر ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ "نعتیہ ادب" کے حوالے سے یہ گوشہ تاریخ کا ایک انمٹ باب ثابت ہوگا۔

اس گوشے میں ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کی اندوہناک ہلاکت پر ان کے ہم عصر شعراء اور ممتاز اہل قلم نے جو تعزیت نامے رقم کئے ہیں وہ نہ صرف ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کے فکروفن اور شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ اس بات کا ثبوت بھی پیش کرتے ہیں کہ بحیثیت انسان ڈاکٹر صاحب کتنے عظیم، کتنے ہر دلعزیز اور کتنے بلند مقام و مرتبے کے حامل تھے یہ گوشہ اس حقیقت کو بھی واضح کرتا ہے کہ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے اپنی صلاحیتوں اور خدمات کے سبب اپنی زندگی میں بھی عروج پایا اور مرنے کے بعد بھی وہ بام عروج پر نظر آرہے ہیں "میں بعد مرگ بھی بزم وفا میں زندہ ہوں"

صبیح رحمانی

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی ایک نظر میں

اصل نام .... آفتاب احمد نقوی
ولدیت .... یعقوب احمد نقوی مرحوم
سن ولادت .... ۹ ستمبر ۱۹۵۱ء
جائے ولادت .... محمد والی چک نمبر ۱۱۱ نزد سانگلہ ہل تحصیل و ضلع شیخوپورہ
انتقال .... ۲۸ اکتوبر ۱۹۹۵ء لاہور

(جی ٹی روڈ لاہور پر صبح ساڑھے نو بجے کے قریب دو نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے فائرنگ کر کے شہید کردیا۔ ان کے ہمراہ ان کے دوست مقبول احمد کاوش بھی تھے وہ بھی اس فائرنگ سے جاں بحق ہو گئے۔)

مطبوعات

- تفسیر حدیث .... ببلوگرافی
- اسلامیات (دو حصے) .... ببلوگرافی
- سیرت نگاری (اردو، پنجابی، فارسی، عربی) .... ببلوگرافی

(یہ تینوں کتابچے نیشنل بک کونسل آف پاکستان کے زیر اہتمام شائع ہوئے)

- بحیثیت مدیر گورنمنٹ کالج سیالکوٹ کے ادبی مجلّہ "کاوش" کا ہجری نمبر ۸۱/۱۹۸۰ء
- بحیثیت مدیر گورنمنٹ کالج وزیر آباد کے ادبی مجلّہ "چناب" کا مولانا ظفر علی خان نمبر ۱۹۸۴ء
- بحیثیت مدیر اعلیٰ گورنمنٹ کالج شاہدرہ لاہور کے ادبی مجلّہ "اوج" کا قرارداد پاکستان گولڈن جوبلی نمبر ۱۹۹۰ء
- بحیثیت مدیر اعلیٰ گورنمنٹ کالج شاہدرہ لاہور کے ادبی مجلّہ کا نعت نمبر (دو حصوں میں) ۹۳-۱۹۹۲ء

زیر طبع : پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ "پنجابی نعت گوئی"

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی..... عطاالحق قاسمی

گزشتہ ہفتے جب میری اہلیہ نے ڈاکٹر آفتاب نقوی اور مقبول کاوش کے لرزہ خیز قتل کی خبر اخبار میں پڑھی تو اس نے کہا "آپ ۱۹۷۰ء میں امریکہ کی شہریت چھوڑ کر واپس پاکستان آگئے تھے، اگر ممکن ہو تو اب بچوں کی خاطر دوبارہ امریکہ کی شہریت حاصل کرنے کی کوشش کریں"۔

"وہ کیوں"؟...... میں نے پوچھا۔

"اس لیے کہ جہاں اسکالروں اور سو فیصد امن پسند شہریوں کی زندگیاں بھی محفوظ نہ رہیں، وہاں سے ہجرت کر جانا ہی بہتر ہے۔"

میں نے اپنی اہلیہ کی زبانی اس طرح کی بات پوری ازدواجی زندگی میں پہلی مرتبہ سنی اور میں نے سوچا کہ دشمن اپنی حکمت عملی میں پوری طرح کامیاب ہے، وہ پاکستانیوں کو پاکستان کے مستقبل سے مایوس کرنا چاہتا ہے اور جب کوئی قوم اپنے مستقبل سے مایوس ہو جاتی ہے تو پھر اسے فتح کرنے کے لیے ہتھیار اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

میں ڈاکٹر آفتاب نقوی اور مقبول کاوش دونوں کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ مقبول کاوش ایک اچھے شاعر اور نہایت شریف النفس انسان تھے۔ ڈاکٹر آفتاب نقوی سے میرے دُہرے تہرے رشتے ہیں۔ وہ میرے عزیز اور نوائے وقت کے ادبی ایڈیشن کے انچارج عمران نقوی کے بڑے بھائی تھے۔ پاکستان اور اسلام سے ان کی والہانہ وابستگی کے حوالے سے میرے دل میں ان کے لیے بہت احترام ہے اور پھر ہم ایک ہی یونیورسٹی کی فیض یافتہ تھے۔ وہ اگرچہ مجھ سے جونیئر تھے ل علمی فضیلت میں وہ سب پر بازی لے گئے۔

انہوں نے نعت میں پی ایچ ڈی کی اور پھر اپنی تمام دلچسپیوں اور سرگرمیوں کا محور نعت ہی کو بنا لیا۔ انہوں نے "اوج" کا نعت نمبر نکالا جو کئی ہزار صفحات پر محیط تھا اور غالباً اس موضوع پر اس سے بڑا کام آج تک نہیں ہوا۔ چ جب انہیں اس عظیم کام پر صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا تو ہر طرف سے حق بہ حقدار رسید کی آوازیں سنائی دیں۔ اگرچہ مسلکی لحاظ ہے ان کا تعلق بریلوی مکتبہ سے تھا لیکن وہ انتہائی مرنجاں مرنج انسان تھے۔ فرقہ واریت ان کے قریب سے بھی نہیں گزری تھی۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان کے جنازے میں دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، شیعہ سبھی شامل تھے۔ اور ان کی طبعی شرافت سے آشنا دوست دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ یہی معاملہ بچارے مقبول کاوش کا تھا۔ وہ ڈاکٹر صاحب سے ملنے ان کے گھر گئے دونوں نے ناشتہ اکٹھے کیا اس کے بعد ڈاکٹر آفتاب نقوی نے اپنے کالج جانے کے لیے موٹر

سائیکل اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی تو وہ اسٹارٹ نہ ہوا۔ مقبول کاوش نے انہیں اپنے موٹر سائیکل پر بٹھایا ابھی وہ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ موٹر سائیکل ہی پر سوار دو نقاب پوشوں نے ان کا راستہ روکا اور پورے اطمینان سے بھرے بازار میں تھانے سے چند قدم کے فاصلے پر ان کے دماغ میں باری باری گولیاں اتاریں اس کے بعد ایک ایک گولی ان کے دل پر داغی اور سیٹیاں بجاتے ہوئے اپنی کسی اگلی منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔ ڈاکٹر آفتاب نقوی اور مقبول کاوش اپنے موجودہ مقام تک کتنی مشکلوں سے پہنچے تھے، ظالموں نے کتنی آسانی سے قوم کو ان کے علم و فضل سے محروم کردیا اور ان کے کنبوں کو بے سہارا کردیا تعمیر کتنی مشکل اور تخریب کس قدر آسان ہوتی ہے؟

پروفیسر ڈاکٹر آفتاب نقوی صرف علم و فضل ہی کے حوالے سے نمایاں حیثیت کے حامل نہیں تھے بلکہ ایک سیلف میڈ انسان کی حیثیت سے بھی ان کی زندگی دلوں کو حوصلہ دینے والی تھی۔ انہوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز معمولی نوکری سے کیا مگر علم سے محبت ان کو نئی منزلوں کی طرف رواں دواں کرتی چلی گئی اور پھر ایک وقت آیا کہ وہ پروفیسر بنے۔ ڈاکٹر بنے اور ایک محقق اور نقاد کے طور پر سامنے آئے۔ مجھے ڈاکٹر صاحب کی جو بات سب سے زیادہ پسند تھی کہ علمی تبحر کے باوجود ان کی شخصیت میں وہ یبوست موجود نہیں تھی جو بعض "اہل علم" کا خاصہ سمجھی جاتی ہے۔ ان کے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ کھیلتی تھی، بے تکلف دوستوں کی محفل میں جملے کہتے اور سہتے تھے۔ طبیعت میں استقامت بہت تھی جس کام کا بیڑا اٹھاتے اسی پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیتے۔ میں نے ایک دن انہیں فون کیا اور کہا کہ میں "معاصر" کا ایک ضخیم نمبر کشمیر کے غازیوں اور شہیدوں کے لیے وقف کرنا چاہتا ہوں مگر یہ کام مجھ اکیلے کے بس کا نہیں، میں چاہتا ہوں کہ اس نمبر کے لیے آپ "شریک مدیر" کے طور پر میرے ساتھ آئیں۔ میرا خیال تھا کہ وہ شاید اپنی مصروفیات اور گوناگوں علمی کاموں کا عذر پیش کریں گے۔ مگر انہوں نے یہ سب کچھ بتلائے بغیر میرے ساتھ بھرپور تعاون کا وعدہ کیا اور اپنی شہادت سے چند روز قبل مجھے فون کرکے بتایا کہ انہوں نے کشمیر کے حوالے سے کام کا آغاز کردیا ہے چنانچہ اب کوئی میٹنگ ہونی چاہیے۔ تاکہ ہم کوئی ٹھوس لائحہ عمل مرتب کرسکیں۔

ان کے ساتھ میری میٹنگ چند روز قبل ہوئی جب وہ سفید کفن اوڑھے لیٹے تھے، چہرے پر اطمینان اور سکون کی وہی کیفیت تھی جو ان کی زندگی میں نظر آتی تھی۔ مسافر، سفر پر روانہ ہو رہا ہو اور زاد سفر ساتھ ہو تو وہ اسی طرح مطمئن ہوتا ہے۔ قاتل اپنے انجام کو پہنچتے ہیں اور مقتول اپنی منزل تک رسائی حاصل کرتے ہیں وہ جو بے گناہ قتل ہوتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ اپنے جوار رحمت میں جگہ دیتا ہے اور وہ جو قاتل ہوتے ہیں انہیں زمینوں اور آسمانوں میں کہیں بھی پناہ نہیں ملتی۔

جب میں نے ڈاکٹر آفتاب نقوی اور مقبول کاوش کے قتل کی خبر سنی تو مجھے اچانک پہلی بار احساس ہوا کہ قتل کو گناہ کبیرہ میں کیوں شامل کیا گیا ہے؟ شاید اس لیے کہ مقتول وہ نہیں ہوتا جسے قتل کیا گیا ہوتا ہے۔ بلکہ "مقتول" تو ورثا اور لواحقین ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر آفتاب نقوی کے چھ بچے ہیں۔ مقتول کاوش بھی

اسی طرح عیال دار ہوں گے۔ اب ان کنبوں کا کفیل کوئی نہیں رہا۔ ریاست کا کام اپنے شہریوں کے جان و مال اور عزت و حرمت کی حفاظت کرنا ہے۔ اگر وہ اپنے کسی شہری کے ضمن میں اپنا یہ فرض ادا نہیں کر پاتی تو اس کا کم سے کم فرض یہ ہے کہ وہ اس کے کنبے کو مالی پریشانیوں سے نجات دلائے تاکہ لواحقین خود کو زندہ درگو نہ سمجھیں۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ سردار عارف نکئی سے گزارش ہے کہ وہ اس ضمن میں اپنا فرض ادا کریں۔ مقتولین تو اس ملک کے شہری ہی نہیں عالم فاضل شہری تھے اور یوں سردار صاحب کی ذمہ داری میں دوگنا تگنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قاتلوں کی فوری گرفتاری اور ورثاء کو معقول معاوضہ دینے کے ضمن میں وہ اپنی ذمہ داریاں کتنی جلدی ادا کرتے ہیں؟

ایک آنسو آفتاب نقوی کے المناک حادثہ موت پر

میرزا ادیب

ایک شخص سراپا خوش خلق، سراپا شگفتگی، اس شخص کو جو سڑک پر آغشتہ بخون دیکھا گیا ہو گا ہو تو کس کا دل فرد اغم سے ڈوب نہیں گیا ہو گا۔ کس کی آنکھوں تلے اندھیرا نہیں چھا گیا ہو گا اور کس کے حواس پر بجلی نہیں گر گئی ہو گئی؟

ڈاکٹر آفتاب نقوی سے مل کر زندگی سے محبت ہو جاتی تھی، زندہ رہنے کا حوصلہ بڑھ جاتا تھا مگر یہ کیا کہ اس زندگی آموز شخص کو چند لمحوں کے اندر خود زندگی ہی سے محروم کر دیا گیا۔

وہ اپنے ایک پیارے دوست کے ساتھ میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہوئے بارونق سڑک پر جا رہے تھے۔ ابھی ان کی منزل مقصود...... درس گاہ...... کچھ دور تھی کہ یکایک ظالم ہاتھ متحرک ہوئے اور دو غلطیدہ بخون لاشے زمین پر گر پڑے۔ ڈاکٹر آفتاب نقوی اور ان کے محبوب دوست اپنے لہو سے سڑک کو لالہ زار بنا رہے تھے۔

ڈاکٹر آفتاب نقوی یقین نہیں آتا کہ اتنی جلدی چلے گئے ہیں اتنی جلدی صرف چند لحون کے اندر دیکھتے ہی دیکھتے ابھی آنکھوں کے سامنے موجود اور ابھی غائب۔ ان کا حادثہ قتل یاد آتا ہے تو بے اختیار مجھے مجید امجد کی ایک نظم کے یہ شعر ذہن میں تازہ ہو جاتے ہیں۔ یہ نظم مجید امجد نے اپنے ایک دوست سید حسین نقوی کے بارے میں لکھی تھی۔

ابھی ابھی انہیں کنجوں میں اس کے سائے تھے\
ابھی ابھی تو وہ تھا ان بر آمدوں میں یہاں\
کوئی یقین کرے گا اک ایسی عظمت بھی

کبھی تھی حصہ دنیا، کبھی تھی جزو جہاں\
ہمیں نے دیکھا ہے اس کو ہمیں خبر ہے وہ شخص\
دلوں کی روشنیاں تھا دلوں کی زندگیاں\
ہمیں خبر ہے بڑے حلم و آبرو والے\
ترا مقام کسی اور کو نصیب کہاں؟

دو شعلے چمکے اور زندگی کے خوبصورت خواب جھلس کر راکھ ہو گئے۔

یہ خواب محبت و آشتی کے خواب تھے
یہ خواب زندگی کی عظمت کے خواب تھے

ڈاکٹر آفتاب نقوی ہر ایک سے جھک کر ملتے تھے۔ اپنے کارناموں پر انہیں کوئی غرور نہیں تھا۔

انہوں نے زندگی بھر کام کیا تھا' جدوجہد کی تھی' تگ ودو کی تھی' کتابیں لکھی تھیں' اپنی ذاتی کوشش سے پہلی سے دسویں جماعت تک اسکول قائم کیا تھا جس کا سارا نظم ونسق انہوں نے خود سنبھال رکھا تھا۔

کوئی پوچھتا آپ اتنا کام کیسے کر لیتے ہیں' جواب میں صرف یہی کہتے!

"فریضہ تو انسان کو بہرحال پورا کرنا ہی ہوتا ہے"۔

ڈاکٹر نقوی کا سب سے اہم کارنامہ "اوج" کا ضخیم "نعت نمبر" ہے جو دو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

اوج گورنمنٹ کالج شاہدرہ کا رسالہ ہے جس کے ترتیب وتدوین کے امور ڈاکٹر نقوی کے سپرد تھے۔

اس نعت نمبر کے لیے انہوں نے شبانہ روز کام کیا تھا۔ شاعروں کے انٹرویو کئے تھے' ان سے نعتیں حاصل کی تھیں' یہ نعتیں صرف اردو کی نہیں' عربی' فارسی کی' پھر یہی نہیں مختلف زبانوں میں جو نعتیں لکھی گئی ہیں ان کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

اس طویل جائزے میں جرمن زبان میں نعت' فرانسیسی زبان میں نعت' انگریزی زبان میں نعت کے علاوہ پاکستان کی علاقائی زبانوں میں جو نعتیہ کلام لکھا گیا ہے وہ بھی شامل ہے۔

"اوج" کا نعت نمبر حقیقتاً ایک نعتیہ انسائیکلوپیڈیا ہے۔

یہ کتنی بھیانک تاریک رات ہے جس میں ایسی سیاہ کاریاں ہو رہی ہیں۔

جس میں انسانی شرافت کے پاسبانوں کا لہو بہایا جا رہا ہے۔

جس میں انسانیت کے خوبصورت خوابوں کے گلابوں کو انتہائی بے دردی سے نوچا جا رہا ہے۔

جس میں خونخوار درندے امن وامان کے دامن کو تار تار کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں رات کتنی بھی تاریک ہو۔ اس کی سحر ہو جاتی ہے۔

تو پھر ایسی خون آشام رات کی سحر کب ہوگی' کب افق پر سحر کی پہلی کرن چمکے گی'

کب'
آخر کب؟

آہ! ڈاکٹر آفتاب نقوی

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

۲۸ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو لاہور میں ایک ایسا المیہ پیش ایا جو اہل درد کے لیے قیامت سے کم نہ تھا۔ ایک لرزہ خیز اور بہیمانہ واردات جس نے پتھردلوں کو بھی رلا دیا۔ انسانوں کا شکار کرنے والے منحوس و بدبخت ہاتھ دو بے گناہ اور معصوم انسانوں کو خاک و خون میں لت پت کر گئے۔

انسانوں کے اس بھرے جنگل میں جسے کبھی داتا کی نگری کہتے تھے اسی شہر کی ایک پر ہجوم سڑک پر جو انسانی تنکوں کو لے کر چوبیس گھنٹے یوں رواں دواں رہتی ہے جیسے کسی خوفناک جنگل کے گھنے درختوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی پر شور ندی اپنے ساتھ تنکوں اور ٹہنیوں کو بہاتی ہوئی کسی کی پروا کئے بغیر بہتی چلی جاتی ہے۔

۲۸ اکتوبر کی یہ صبح ایک ایسا ہی غم ناک منظر لے کر آئی۔ دو درندہ صفت انسان نما نوع انسانیت کے شکاری ڈاکٹر آفتاب نقوی اور ان کے ہمراہی شاعر مقبول کاوش کو لاہور کی پر ہجوم سڑک پر خاک و خون میں تڑپتا چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ علم و عرفان اور ادب و ہنر کے دو چمکتے ہوئے ستارے خاک میں پنہاں ہو گئے۔

اتنی عظیم ہستیاں اور انمول جانیں یوں ظلم و بربریت کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں یہ تو کبھی سوچا ہی نہ تھا مگر یقین تو ابھی تک نہیں آرہا اپنے گھر اور کالج کے درمیان صرف ایک فرلانگ کے پر ہجوم راستے میں ڈاکٹر آفتا نقوی جیسا آفتاب علم و ادب یوں غروب ہو سکتا ہے دل نہیں مانتا' تعلیم کے مقدس پیشے کو جزو ایمان اور شیوہ پیغمبری سمجھ کر علم و ادب کی شمعیں روشن کرنے والوں کے ساتھ بھی یہ سلوک ہو سکتا ہے۔ ایک ناقابل یقین بات ہے مگر یہ سچ ہے کہ علم و ادب کی موتی بکھیرنے والی زبان ہمیشہ کے لیے قاتل کی ایک گولی نے خاموش کردی ہے اور علم پرور' ادب نواز اور انسان دوست ہنستا مسکراتا آفتاب نقوی انسانوں کا شکار کرنے والے دو مجہول نسب درندہ صفت ہم سے چھین کر لے گئے۔ اب ڈاکٹر آفتاب نقوی اس دنیا میں نہیں رہے!

مرحوم و مغفور ڈاکٹر آفتاب نقوی سے راقم کی شناسائی بہت پرانی ہے۔ وہ میرے کالج کے طالب علم رہے ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے پنجابی کی نعتیہ شاعری پر بڑا وقیع اور پر مغز تحقیقی مقالہ تحریر کیا یوں نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا مرغوب ترین موضوع بن گیا۔ اپنے کالج کے میگزین کا نعت نمبر ان کے بلند ذوق' انتھک محبت اور نعت نبویؐ سے ان کے والہانہ شغف کا ثبوت ہے۔

حسن انتخاب جمال، ترتیب اور کمال تنوع کے باعث یہ نعت نمبر نہ صرف یہ کہ نعتیہ شاعری کے ایک معتبر ماخذ کی حیثیت سے زندہ رہے گا بلکہ اسے ادبیات عالیہ کا بھی ایک حسین مرقع سمجھا جائے گا۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی نے کسی کی بہت تعریف کی تو آپ نے دریافت فرمایا تھا کہ کیا تم نے اس سے کبھی لین دین کیا؟ جواب دیا گیا نہیں' آپ نے پوچھا تو کیا کبھی شریک سفر رہے؟ عرض کیا گیا نہیں' تو آپ نے فرمایا پھر تو اس کے بارے میں کیا جان سکتا ہے' راہ پیا جانے یا واہ پیا (آدمی کا پتہ یا تو شریک سفر ہونے سے چلتا ہے یا اس کے ساتھ معاملہ کرنے سے) راقم کو ڈاکٹر نقوی سے دونوں باتوں کا موقع ملا وہ لین دین کے کھرے اور بہترین شریک سفر تھے۔

میری ان سے آخری ملاقات گزشتہ ماہ ہوئی تھی۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی کے قائم کردہ ایک سکول (سادات ماڈل سکول) کے سرپرست اعلیٰ تھے۔ اسی سکول کی ایک سالانہ تقریب کی صدارت کے لیے مجھے بلایا گیا تھا۔ سوئے اتفاق سے بجلی نہیں تھی' گرمی بھی خاصی تھی' پسینے اور حبس کی آزمائش سے گزرنا پڑ رہا تھا۔ پروگرام بہت لمبا چوڑا تھا مگر ڈاکٹر آفتاب نقوی سے انسانوں کی یہ آزمائش برداشت نہ ہو سکی اور پروگرام کو بہت مختصر کرنے کا حکم دیا۔ میں نے انہیں تقریر کرتے ہوئے کم ہی دیکھا تھا۔ اس موقع پر ان کی گفتگو سے ان کے غیر معمولی احساسات اور موثر انداز کا علم ہوا۔ میں جب روانہ ہوا تو بہت دور تک الوداع کہنے آئے۔ بصد اصرار اور بڑی کوشش سے انہیں روکا مگر ان کی وضع داری کے سامنے ایک نہ چلی' اس وقت مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ ان سے آخری ملاقات ثابت ہوگی۔

اخبارات میں تو ان کے چھ بچوں کا ذکر ہوا ہے مگر وہ اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کے باپ بھی تھے جو بچپن میں یتیم رہ گئے تھے۔ ان کی پرورش اور سرپرستی بھی انہوں نے کی' ابھی تک سب بھائی اپنے اسی بے مثال بھائی کے ساتھ اور اس کے سہارے زندگی گزار رہے تھے۔ یوں ایک بہت بڑا کنبہ شفقت و ہمدردی کے سہارے سے محروم ہو گیا۔ سب بھائی یوں اداس غمگین اور آہیں بھرتے نظر آ رہے تھے جیسے وہ ایک بار پھر یتیم ہو گئے ہوں۔

موت برحق ہے بلکہ ایک ایسا حق جس سے کوئی بھی محروم نہیں رکھا گیا۔ لیکن بعض انسانوں کی موت اس قدر عجیب لگتی ہے کہ جیسے انہیں مرنا نہیں چاہئے تھا۔

ڈاکٹر نقوی کی موت بھی ایسا ہی المناک حادثہ وہ اگر نہ مرتے تو اچھا ہوتا بلکہ بہت ہی اچھا ہوتا۔ مگر مجہول نسب قاتلوں کو اس کا کیا پتہ تھا۔ انہیں کیا خبر کہ وہ ایک پردہ نشین بیوی سے اس کا شوہر اور معصوم بچوں سے ان کا باپ ہی نہیں چھین رہے بلکہ وہ ایک اچھے بھائی' ایک اچھے دوست' ایک اعلیٰ انسان بلکہ ایک مخلص مسلمان کی جان لے رہے ہیں۔ ایک اچھے استاد کے دماغ پر گولیاں برسا رہے ہیں۔ ایک عالم کو خاک و خون میں روند رہے ہیں۔ علم و ادب کے ایک روشن ستارے کو شہرت کی بلندیوں سے اتار کر خاک میں ملا رہے ہیں!

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی ایک بلند پایہ محقق تھے۔ ایسے محقق دنیا بھر میں سب سے پیچھے رہنے والی ہماری اس ناخواندہ قوم میں کہاں ہیں؟ وہ ایک بہترین ماہر تعلیم تھے۔ تعلیمی طور پر پسماندہ ملک کو ایسے ہی ماہرین تعلیم کی اشد ضرورت ہے۔ وہ ایک بلند ذوق ادیب تھے جن کے ادبی کارنامے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اور سب سے بڑھ کر وہ ایک بہترین اور مشفق استاد تھے تمام دنیا سے پیچھے رہنے والی اس قوم کے پاس ایسے استاد کہاں ہیں؟ وہ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ انہوں نے تھوڑی سی مدت میں بے شمار علمی و تحقیقی مقالات لکھے تھے۔ اپنی بے پناہ صلاحیت اور انتھک محنت سے انہوں نے علمی و ادبی دنیا میں بڑی مختصر سی مدت میں نام پیدا کر لیا تھا۔ ڈاکٹر نقوی بے شمار خوبیوں کے مالک تھے مگر وہ بہت جلد ہم سے بچھڑ گئے سب کو روتا اور آہیں بھرتا ہوا چھوڑ کر چل دیئے۔

"خوب درخشید و لے شعلہ مستعجل بود!"

○

شہید پروفیسر ڈاکٹر سید آفتاب احمد نقوی

سرتا قدم وہ حسن عمل کا نصاب تھا
باغ ثنا کا اک تروتازہ گلاب تھا
لکھا گیا ہے کلک مصور سے "اوج" میں
وہ آفتاب عشق رسالت مآب تھا

ریاض حسین چودھری

ڈاکٹر آفتاب نقوی کی یاد میں

حافظ لدھیانوی

ڈاکٹر آفتاب نقوی سے میرا تعارف ان کے خط کے ذریعے ہوا جب وہ اپنے کالج کے میگزین "اوج" کے نعت نمبر کی تیاریوں میں مصروف تھے انہوں نے نعت کے بارے میں اور میری نعتیہ شاعری کے بارے میں ایک سوالنامہ مجھے ارسال کیا میں نے ان کے سوالنامہ کا جواب ارسال کر دیا۔ ڈاکٹر آفتاب نقوی سے یہ میرا پہلا قلمی اور ادبی تعارف تھا۔ ڈاکٹر آفتاب نقوی نے بڑی محنت اور روز و شب کی کاوش سے "اوج" کا نعت نمبر مرتب کیا۔ اس نمبر میں انہوں نے مختلف زبانوں کی نعتیہ شاعری شائع کی، یہ مقدس کام، انتہائی لگن ذوق وشوق اور ان کے دینی شغف کا آئینہ دار ہے۔ اس نمبر سے ان کے دینی مزاج، طبعی میلانات، ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی اور روحانی وابستگی کا پتہ چلتا ہے "اوج" کا یہ نعتیہ نمبر عاشقان رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی ایسی مقدس دستاویز ہے جو شفاعت کا وسیلہ اور آخرت کا زاد راہ ہے، یہ ایک ایسا گلدستہ ہے جس میں نعت کے رنگا رنگ پھول قرینے اور سلیقے سے سجائے گئے ہیں جس سے قاری اپنی روح میں مدینہ منورہ کی پاک فضائیں اور حرم نبویؐ کے انوار بسا تا چلا جاتا ہے۔

عزیز محترم عمران نقوی ڈاکٹر آفتاب نقوی کے بھائی اور صاحب طرز نعت نگار مکرمی محمد امین نقوی کے بھانجے ہیں۔ ادب کی زبان میں یہ کہا جا سکتا ہے۔ ایں خانہ ہمہ آفتاب است، عمران نقوی روزنامہ "نوائے وقت" میں ہفتہ وار ادبی شمارہ مرتب کرتے ہیں، ادبی شخصیات کے انٹرویو، اس انداز سے لیتے ہیں جس سے ادب کے نئے گوشے اور اس شخصیت کے بہت سے ادبی پہلو اجاگر ہو جاتے ہیں۔

راقم الحروف مکرمی محمد اکرم چوہدری ڈائریکٹر ریڈیو اسٹیشن لاہور کے دولت کدے پر ٹھہرا ہوا تھا۔ میں نے عزیزم عمران نقوی کو اپنے لاہور آنے کی اطلاع دی اور جائے قیام کے بارے میں فون پر بتایا، شام کو ڈاکٹر آفتاب نقوی اور عمران نقوی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ یہ ڈاکٹر آفتاب نقوی سے پہلی با المشافہ ملاقات تھی۔ ڈاکٹر آفتاب نقوی کی ملاقات سے ادبی احباب میں ایک اور مخلص، علم دوست اور دینی رجحان رکھنے والے دوست کا اضافہ ہوا۔

ڈاکٹر آفتاب نقوی کی اگر قلمی تصویر کھینچی جائے تو کچھ اسطرح ہو گی

ایک منکر مزاج شخص، دھیمے لہجے میں گفتگو کرنے والا، ادب سے گہرا تعلق رکھنے والا، علم و عمل کا پیکر، بردبار شخص، بزرگوں کا نیاز مند، دینی رجحانات کا مالک، ناموس مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا شیدائی۔ سادات کی روحانی وراثت کا وارث، چھوٹوں کے لیے سراپا شفقت، اساتذہ میں محترم، شاگردوں میں

مکرم.... اگر ان اوصاف کو جمع کیا جائے تو ڈاکٹر آفتاب نقوی کا پیکر بنتا ہے۔ جو احباب کا محبوب پیکر ہے
ڈاکٹر آفتاب نقوی پنجابی ادب میں سب سے پہلے ڈاکٹریٹ کرنے والے تھے۔ ڈاکٹر آفتاب نقوی کا کوئی نعرہ نہ تھا۔ وہ تو ادب کا ایک خاموش کارکن تھا۔ اس کا کسی ادبی گروہ یا کسی ادبی "فرقے" سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ کسی انجمن ستائش باہمی کا رکن نہ تھا۔ اس نے اپنی شہرت کے لیے کسی "ازم" کا سہارا نہ لیا وہ ادب کی خدمت "نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرواہ" کے اصول پر کرتا رہا۔
ان دونوں ادب پرور برادران کا ملاقات کے لیے آنا ہی ان کے خلوص کا مظہر، انکی محبت کا نشان انکے باطن کی پاکیزگی کا ثبوت تھا۔
ڈاکٹر آفتاب نقوی کی ہم گیر شخصیت اور ہر دلعزیز ہونے کا اندازہ ان کی شہادت کے بعد ہوا۔ ان کی شہادت بھی علمی مرکز کی طرف جاتے ہوئے ہوئی۔ شہادت کی خبر پاکستان کے گوشے گوشے میں پہنچ گئی۔ ابلاغ کے تمام ذرائع نے یہ الم ناک خبر حزن و ملال کے جذبات کے ساتھ دی، تعلیمی اداروں نے اپنے اپنے تعلیمی ادارے بند کر دیئے کالجوں میں ان کے بہیمانہ قتل کے خلاف ہڑتالیں کیں، اجتماعی جلوس نکالے گئے، تعزیتی قراردادیں پاس ہوئیں۔ اخبارات میں قاتلوں کو قرار واقعی سزا دینے کے مطالبات ہوئے مگر حکومت کی طرف سے کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا گیا۔ حکومت کی اس سلسلے میں بے حسی نے پاکستان کے ادیبوں اور شاعروں کو حیران کر رکھا ہے
ڈاکٹر آفتاب نقوی کے بارے میں مختلف ادبی انجمنوں نے حکومت سے پرزور اپیل کی ہے کہ ڈاکٹر مرحوم کے پس ماندگان کی مستقل مالی امداد کی جائے مگر حکومتی ادبی ادارے خاموش ہیں۔ انہوں نے اس سلسلے میں کوئی بیان نہیں دیا۔ یہ عجیب بات ہے جہاں نمود و نمائش کا موقع ہو وہاں یہ حکومتی ادبی ادارے اپنے وسائل سے بھی بڑھ کر خرچ کرنے میں تامل نہیں کرتے اور بے دریغ روپیہ خرچ کر ڈالتے ہیں چاہے ادب کو کوئی فائدہ پہنچے یا نہ پہنچے مگر ایک ادیب شاعر کے خاندان کو فاقہ مستی سے بچانے کے لیے کوئی ٹھوس اقدام نہیں اٹھاتے۔
تقریباً" ہر ادیب کی مالی حیثیت ایک جیسی ہوتی ہے جس کا مظاہرہ آئے دن ہوتا رہتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسکی ادبی کاوشیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ ڈاکٹر آفتاب نقوی مرحوم نے بھی ادبی سرمایہ چھوڑا ہوگا۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ ڈاکٹر آفتاب نقوی کے ادبی سرمایہ کو بلا تاخیر شائع کرنے کا اہتمام کرے۔
ڈاکٹر آفتاب نقوی صاحب طرز انشا پرداز تھے، نقوش کے کسی نمبر میں انہوں نے میرے حمدیہ مجموعے "ذوالجلال والاکرام" پر بصیرت افروز تبصرہ کیا۔ ان کی تحریر سے ان کے اسلوب اور طرز نگارش کا پتہ چلتا ہے، ایسی اور کئی تحریریں ہونگی جن کو منظر عام پر لانا چاہیے۔
ڈاکٹر آفتاب نقوی سے تفصیلی ملاقات سیرت کانفرنس کے موقع پر اسلام آباد میں ہوئی جہاں ان کو اوج کے نعت نمبر پر ایوارڈ دیا گیا۔ ہم ایک ہی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ میرے کمرے میں میرے

ساتھ عزیزم صبیح رحمانی تھا۔ صبیح رحمانی مودب نوجوان ہے۔ اسکی نعت گوئی اور نعت خوانی کا اپنا اندازے، وہ نعت پڑھتے ہوئے سراپا نیاز ہو جاتا ہے۔ صبیح رحمانی ڈاکٹر آفتاب کے کمرے میں بلند آواز میں رات گئے تک باتیں کرتا رہا۔ آخر مجھے کہنا پڑا کہ اب باتیں بند کردیں سارے دن کا تھکا ماندہ ہوں۔ اور بیداری برداشت نہیں کر سکتا مجھے آرام کرنے دیں۔ صبیح روحانی کے ساتھ ڈاکٹر آفتاب نقوی بھی میرے کمرے میں آگئے میں نے قدرے ناراضی کے انداز میں کہا ڈاکٹر صاحب مجھے آرام کی ضرورت ہے ڈاکٹر صاحب نے جس انداز میں معذرت کی اس سے انکی شخصیت کا ایک خوبصورت پہلو نمایاں ہوگیا۔ ان کی بردباری اور بزرگوں سے ادب کا رنگ ظاہر ہو گیا۔

مجھے اللہ تعالیٰ کے کرم سے پر خلوص احباب میسر آئے، بے لوث محبت کرنے والے ملے یہ احباب میری زندگی کا سرمایہ ہیں۔ یہ دوست میری پہچان بن گئے، ان کی یادوں، انکے ادبی کارناموں کو میں نے تین شخصی خاکوں کے مجموعوں کی زینت بنایا۔ "متاع گم گشتہ" میں دس مرحوم شعراء کے شخصی خاکے ہیں، "متاع بے بہا" میں دس پاکان بارگاہ کے مجالس کے تاثرات ہیں۔ "متاع عزیز" میں گیارہ ادیبوں، شاعروں اور خطیبوں کا ذکر ہے۔ اگر یہ ادبی کتابیں باقی رہیں تو عصر حاضر کی مشہور ادبی شخصیات کی زندگیوں کے حالات و واقعات آئندہ نسلوں تک پہنچتے رہیں گے اور انکی ادبی اور روحانی کمالات سے محظوظ ہو نگے، مجھے پاکستان اور ہندوستان کے ادیبوں شاعروں نقادوں اور محققوں کی محبت نصیب رہی۔ ان سے استفادہ کرتا رہا ان میں سے اکثر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ یہ ادیب اور شاعر اپنی طبعی عمر گزار کر راہی ملک بقاء ہوئے۔ مگر بعض ادبی دوست ایسے بھی تھے جو آنا "فانا" آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ ان میں ڈاکٹر آفتاب نقوی بھی ہیں۔ یہ ادب کا آفتاب روز روشن میں غروب ہو گیا۔ چلتا پھرتا ادبی پیکر پیوند زمین ہو گیا۔ اس ناگہانی حادثے نے جو دل و دماغ پر اثر کیا اسکو قلم تحریر کرنے سے قاصر ہے۔ دو تین روز تک بستر سے نہ اٹھ سکا، وہ چہرہ جو زندگی کا حسن تھا اب سینے کا داغ بن گیا۔ فراق گورکھپوری کا شعر یاد آ گیا۔۔

اب یاد رفتگاں کی بھی ہمت نہیں رہی
یاروں نے کتنی دور بسائی ہیں بستیاں

ڈاکٹر سید آفتاب احمد نقوی شہید کے لیے چند آہیں۔ چند آنسو

حفیظ نائب

۲۸ اکتوبر ۱۹۹۵ء کا دن کتنا تاریک دن تھا' جب کسی ظالم ہاتھ نے آفتاب نعت کو بجھا دیا۔ آفتاب نعت کا لقب تو شہید آفتاب نے مجھے دیا تھا لیکن اب یہ لقب خود اسی کے لیے موزوں لگ رہا ہے۔

سفاک قاتلوں کو کیا خبر ہوگی کہ انہوں نے کتنا قیمتی گوہر گم کردیا اور اس کے کتنے قدر دانوں کو خاک بسر کیا..... ہمارے وطن عزیز میں تو پہلے ہی ایسے جواہر کم کم ہیں۔ فضا تو پہلے ہی تاریک ہو رہی ہے...... انہیں کیا معلوم ہوگا کہ اس کا ساتھی مقبول کاوش بھی ایک روشن چراغ تھا جو گل کردیا گیا۔

شہید آفتاب کے دماغ و دل میں گولیاں اتارنے والے کو کیا معلوم ہوگا کہ اس نے اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذکر کا پرچم بلند کرنے والے فرد کو صفحہ ہستی سے مٹا کر کس کس کو تکلیف پہنچائی ہے..... ہمارے ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرمایا ہوا ہے کہ جس نے ایک شخص کو قتل کیا' اس نے پوری انسانیت کو قتل کردیا'...... پھر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کوئی عام شخص تو نہ تھا۔ وہ تو سید سادات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا چشم و چراغ تھا۔ وہ تو اپنے جد امجد اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ہر طبقے میں عام کررہا تھا۔ اس کی پاکستان اور اسلام سے محبت ہر تعلق سے بلند و بالا تھی...... وہ نعت سرکارؐ کا ایسا خدمت گزار تھا' جس میں تعصب نام کو نہ تھا...... وہ تو سراپا محبت تھا.... پھر اس کو کس جرم کی سزا دی گئی؟

شہید آفتاب نقوی تو بے شمار لوگوں کا سہارا تھا...... اپنے پانچ یتیم بھائی بہنوں اور پورے خاندان کے لیے چھتنار درخت کی مانند تھا۔ کتنے ہی دوستوں' ساتھیوں' رفیقوں اور ضرورت مندوں کا ہمدرد و غمگسار و مددگار تھا...... لیکن اب اس کے چھ معصوم بچے باپ کی صورت و شفقت کو ترسیں گے۔ اس کی بیوی اور بچوں کو ابدی محرومیوں سے ہمکنار کرنے والے لوگ قیامت کے روز کسی مہربان کو کیا منہ دکھا سکیں گے۔

اس کی زندگی جہاد اندر جہاد تھی۔ اس نے ایف۔ اے کرنے کے فوراً بعد کلرک کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی۔ پھر اردو فاضل 'بی۔ اے' ایم۔ اے اردو ایم۔ اے پنجابی اور ایل ایل بی کرتے کرتے ادبی سفر کا آغاز بھی کیا۔ جلد ہی اسے اردو میں لیکچرار شپ مل گئی اس کی ۱۹ گریڈ میں ترقی کا اعلان اس کی وفات کے بعد ہوا اور ابھی اس کی عمر چوالیس برس تھی۔

اس نے کالج میگزینوں کو نہایت مفید کاموں کے لیے استعمال کرنے کی خوب طرح ڈالی اور اسے

خوش اسلوبی سے نبھایا سب سے پہلے جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ کی میگزین "کاوش" کا "ہجری نمبر" نکالا۔ پھر مولانا ظفر علی خان گورنمنٹ کالج وزیر آباد کا "مولانا ظفر علی خان نمبر" ترتیب دے کر شائع کروایا۔ جب وہ گورنمنٹ کالج شاہدرہ میں آیا تو پہلے "اوج" کا "قرار داد پاکستان گولڈن جوبلی نمبر" نکالا ور پھر اسی مجلہ کا اتنا عظم و ضخیم نعت نمبر نکال کر اپنی ذہنی و قلبی شناخت پیش کرتے ہوئے تحقیق، تدوین اور حسن ترتیب کا نیا ریکارڈ قائم کیا۔

اس نے سیرت نگاری پر کتاب لکھی اور تفسیر و حدیث اور اسلامیات کی .بیلیو گرافیاں بھی تیار کیں۔ نعت و سیرت پر کئی یادگار مضامین و مقالات بھی اس کے قلم سے نکلے۔ اس سے پہلے پنجابی نعت پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھتے ہوئے وہ نعت میں ڈوب گیا تھا۔ اور اسی سرشاری کے عالم میں "اوج" کا یادگار نعت نمبر بھی نکالا گیا......وہ ابھی بہت کچھ کرنا چاہتا تھا.....ابھی اسے "اوج" کا ایک اور نعت نمبر نکالنا تھا جس کے بارے میں اسے مختلف مشورے موصول ہوئے تھے....ایک "حمد نمبر" کے خاکے پہ بھی مجھ سے تبادلہ خیالات کر چکا تھا۔

اس نے نعت کی تحقیق و فروغ کے سلسلے میں کئی ملکی سفر بھی کیے۔ کراچی کے ایک سفر میں میں بھی دس روز ان کے ہمرکاب رہا۔ میں نے سفر، حضر اور رفاقت کار میں اسے بے مثال رفیق پایا۔

آفتاب بھائی! تو تو اپنے ممدوح کریم کے قدموں میں جا بیٹھا ہوگا......تو اتنا مخلص تھا کہ نعت کے خدمت گزاروں کو وہاں بھی نہیں بھولا ہوگا.....اپنے جسمانی و روحانی خانوادوں کے لیے رحمتیں طلب کر رہا ہوگا......ہم تمہارے لیے کیا کریں...... تمہیں تو کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی تمہیں رتبہ شہادت مبارک ہو۔

ہاں سید کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے بارگاہ حمدیت میں عرض کرنا کہ پاکستان کو قریہ عشق پیمبرؐ بنانے والوں کو ہر تعصب سے محفوظ رکھے۔ تیرا جسمانی اور روحانی خانوادہ ترے مشن کا علمبردار بنے اور تمام دنیا میں اسم محمدؐ کا اجالا پھیل جائے کہ تیری روح جنت الفردوس میں گل تر کی طرح ہمیشہ تر و تازہ رہے۔

میں نے "اوج" کے نعت نمبر کی ایک تقریب پذیرائی میں مختصر تاثر پڑھا تھا۔ وہ بھی "نعت رنگ" کی نذر ہے۔

○

آفتاب...... میرا ساتھی

پروفیسر رانا اصغر علی

آج ۲۸ اکتوبر ۱۹۹۵ ہے دل بجھا بجھا سا ہے طبیعت بے چین و بے کیف سی ہے۔ ہر سو ویرانی ویرانی سی ہے۔ بھری دنیا میں جی اچاٹ ہے۔ نا معلوم کیا وجہ ہے۔ اسی بے چینی میں کالج سے گھر لوٹا اور نماز ظہر کے لئے تیار ہو رہا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ پروفیسر رشید احمد انگوی کا فون ہے۔ رانا صاحب! ایک عظیم حادثہ ہو گیا۔ میرے بھائی ہم لٹ گئے۔ انگوی صاحب! خیریت تو ہے بھائی خیریت نہیں محترم ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کو شہید کر دیا گیا ہے انا اللہ علیہ راجعون اس ناگہانی خبر پر میں کھڑا نہ رہ سکا۔ کھڑا بھی کیسے رہتا؟ ۱۹۷۸ سے لے کر ۱۹۹۵ تک جس شخص نے ہر گرم و سرد میں میرا ساتھ دیا۔ میرے مشکل وقت میں میرا مددگار۔ میری ہر غلطی پر مجھے ٹوکا اور میرے نفس کی ہر تعدی پر اس نے مجھے روکا جو میرا بہترین مشیر تھا جو میرا اعلیٰ سفیر تھا وہ اچانک مجھ سے جدا ہو گیا۔

لاہور سے آنے والے فون نے بھی چپ سادھ لی تھی اسے بھی میری حالت غیر کا احساس ہو گیا تھا۔ اسے بار بار جھنجھوڑا اور پوچھا بولو آفتاب کو کیا ہو گیا ہے وہ عین دوپہر میں کیوں ڈھل گیا ہے اس نے نہ بولنا تھا اور نہ بولا۔ ریسیور کو رکھ دینے کے بعد دوبارہ ہمت کر کے انگوی صاحب سے سلسلہ کلام جوڑا تو معلوم ہوا۔ میرا آفتاب صبح بڑی تمازت اور تابانی کے ساتھ گھر کی منڈھیر پر طلوع ہوا۔ درخشاں اور شاداں گھر کی چوکھٹ سے نمودار ہوا۔ کالج کی طرف جاتے ہوئے راستے میں جس سے ملا گل ریز گفتگو سے مسکراہیں بکھیرتا ہوا جی ٹی روڈ پر آیا۔ اس جی ٹی روڈ پر جہاں انسانوں کا اژدھام رہتا ہے۔ اس جی ٹی روڈ پر جہاں ٹریفک کا رش رہتا ہے۔ اس جی ٹی روڈ پر جہاں وقوعہ سے چند گز کے فاصلے پر شاہدرہ پولیس اسٹیشن ہے یہاں دو درندہ صفت وحشیوں سے عین چاشت کے وقت میرے آفتاب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گہنا دیا۔ پہلا فائر سر کی پشت پر لگا اور اس جبین کو جسے ۱۹۹۴ میں حرم کعبہ اور حجر اسود کو مس کرنے کا موقع ملا اس جبین کو جو مقام ابراہیم پر کئی بار جھکی' کو چھیرتا ہوا نکل گیا۔ دوسرا فائر آفتاب کو جب کہ وہ گرے ہوئے تھے دل پر مارا گیا اس دل کا نشانہ بنایا گیا جو یاد اللہ سے کبھی غافل نہ ہوا۔ سفاک قاتل بار بار کی فائرنگ سے یقین کر لینا چاہتے تھے کہ آفتاب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا ہے۔ لیکن یہ درندہ صفت قاتل اس سے بے خبر تھے کہ بھلا آفتاب بھی کبھی مرا ہے وہ ہمیشہ دمکتا رہے گا...... وہ ایسے افراد میں سے نہیں تھا جو حادثاتی طور پر دنیا میں آئے ہیں اور ایک مدت تک دنیا سے استفادہ کر کے داعی اجل کو لبیک کہہ جاتے ہیں بلکہ وہ تو ایسے افراد میں سے تھا جو دنیا میں ایک بامقصد زندگی گزارتے آتے ہیں اور جب اس دار فانی سے رخصت ہوتے ہیں تو یہ کہتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں کہ۔

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤنگا..... میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤنگا۔ پروفیسر ڈاکٹر سید آفتاب احمد نقوی سادات خاندانی سے متعلق تھے۔ جب سے انہوں نے شعور کی آنکھ کھولی اپنی زندگی کو خلافت الہیہ کے قیام کے لئے موقف کر دیا تھا۔ ان کے ہونٹ جب کھلتے ان کا قلم جب رواں ہوتا تو حمد باری تعالٰی اور نعت رسول مقبول اشعار میں ڈھل کر ورطہ تحریر میں آجاتی تھی۔ برصغیر پاک وہند کے یہ پہلے شاعر تھے جنہوں نے پنجابی نعت میں پی ایچ ڈی کی گورنمنٹ کالج راوی روڈ شاہدرہ کے "مجلہ اوج" کا دو جلدوں پر مشتمل نعت نمبر جو کئی زبانوں میں نعت رسول مقبول کا مجموعہ ہے ڈاکٹر مرحوم کی حب رسول کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے۔ حکومت پاکستان نے اس محبت کے صلہ میں انہیں صدارتی ایوارڈ سے نوازا۔ محترم ڈاکٹر مرحوم نے یہ رقم اپنی ذات پر خرچ کرنے کی بجائے گورنمنٹ کالج شاہدرہ کے طلبہ کے بہبود فنڈ میں جمع کروادی۔ نعت نمبر نکالنے سے قبل ڈاکٹر سید آفتاب نقوی مرحوم نے اسی مجلے کا ایک اور موقر نمبر "قرارداد پاکستان نمبر" کے حوالے سے نکالا۔

ڈاکٹر سید آفتاب احمد نقوی مرحوم نہ صرف ادیب و شاعر تھے بلکہ وہ اساتذہ کے بہت بڑے قائد بھی تھے۔ انہوں نے سرکاری ملازمت کی ابتدا اے جی آفس لاہور سے بعد ازاں اردو کے لیکچرر منتخب ہوئے اور ایک استاد کی حیثیت سے اپنی ملازمت کا آغاز گورنمنٹ جناح اردو اسلامیہ کالج سیالکوٹ سے کیا۔ اس کے بعد گورنمنٹ ظفر علی وزیر آباد میں پھر گورنمنٹ کالج شیخوپورہ، دیال سنگھ کالج لاہور اور بروز شہادت آپ گورنمنٹ کالج راوی روڈ شاہدرہ میں اپنے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ محترم نقوی مرحوم اساتذہ کی پیش وارانہ تنظیم پنجاب لیکچرز ایسوسی ایشن میں یونٹ صدر سے لے کر سینئر نائب صدر اور جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے کام کیا۔ انہی کے دور میں کالج اساتذہ کی ترقی کا رودرجاتی فارمولہ، ۱۰ کڑور روپے کی خطیر رقم سے ٹیچرز فاؤنڈیشن کا قیام، سیکنڈ ڈیوژن کو براہ راست بھرتی کا حق ملا۔ ہزاروں اساتذہ کی ترقی اور موو اور ہوا پنجاب لیکچرز ایسوسی ایشن کے اتنی اہم ذمہ داریوں پر فائز رہنے کے باوجود آپ نے اپنے عہدہ سے کوذاتی فائدہ نہ اٹھایا عرصہ دراز تک وہ لاہور شہر سے باہر رہے جن دنوں محترم نقوی مرحوم کی شہادت ہوئی وہ گریڈ ایس میں براہ راست منتخب ہوگئے تھے اور ان کو اپنی تقرری کا انتظار تھا کیا خبر تھی کہ وہ انہیں ایام میں دنیاوی گریڈ کی چھوت چھات سے آزاد ہو جائیں گے اللہ رب العزت نے انہیں ۱۹۹۴ء میں حج اکبر کی سعادت نصیب فرمائی اور ایک ایسے گروپ کے خادم مقرر ہوئے جس میں ان کے چھوٹے بھائی والدہ، بیگم اور شاہدرہ کی تین دیگر بزرگ خواتین بھی شامل تھیں۔ حرمین شریفین میں ایام حج ہوں یا دیگر ایام آپ دن رات انہی کمزور بزرگ خواتین کی خدمت میں لگے رہتے ویل چیئر لے کر باری باری انہیں طوائف کعبہ اور صفا و مروہ کی سعی ویل چیر کو خود چلا کرواتے۔ اور کہا کرتے کہ یہ موقع تو میرا خدمت گزاری کا ہے اور میں اپنے رب سے پر امید ہوں کہ وہ مجھے میرے نانا رسول عربی کے حضور حاضری اور حرم کعبہ کی زیارت کے لئے دوبارہ بلائے گا۔

بہرکیف علم و دانش کا یہ درخشندہ آفتاب، فہم و فراست کا پیکر، ماہر شعر و سخن عاشق رسولؐ اور کالج

اساتذہ کا مایہ ناز رہنما اور نظریہ پاکستان کا نہ صرف سپاہی بلکہ اس کے مطابق نسل نو کو بنانے والے معمار ملت کو ناکردہ گناہوں کی پاداش میں سفاک قاتلوں نے اپنے مذموم مقاصد کے لئے ہم سے چھین لیا ہے۔ یوں تو کسی ایک شخص کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے لیکن یہاں تو ایک نہیں درجنوں معصوم سفاک قاتلوں کا شکار ہوتے ہیں ہر روز بیسویوں سہاگ اجڑتے ہیں درجنوں بچے یتیم ہوتے ہیں اور کوئی پرسان حال نہیں لیکن ایک استاد کا قتل کسی بھی سانحہ عظیم سے کم نہیں اور اس پر خاموش رہنا اور ذمہ داران کا ملزموں کو کئی دن گزر جاتے کے باوجود آہنی ہاتھوں میں نہ جکڑنا مجرمانہ غفلت سے کم نہیں۔ اور جس قوم میں استاد کی یہ توقیر ہو پھر اس قوم کے مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔

○

علم وادب کا قتل

اخلاق عاطف

29 اکتوبر کے اخبارات میں سیرت و نعت کے نامور محقق' شاعرو دانشور ڈاکٹر پروفیسر آفتاب احمد نقوی کے بہیمانہ قتل کے خبر نے علمی و ادبی حلقوں کو سوگوار کر دیا۔ وہ اپنے تمام احباب میں (خواہ ان کا تعلق کسی طبقۂ فکر سے ہو) اپنی معتدل مزاجی' خوش گفتاری اور سراپا اخلاص ہونے کی بنا پر یکساں مقبول تھے۔

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی پاکستان کے پہلے سپوت تھے جنہوں نے پنجابی نعت میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی سیرت و نعت پر تحقیق کے لئے انہوں نے زندگی وقف کر رکھی تھی۔ وہ گورنمنٹ ڈگری کالج شاہدرہ میں استاد کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ان سے میرا پہلا رابطہ ان کے ایک خط سے ہوا جو 1992 کے اداخر میں مجھے موصول ہوا۔ مرحوم ان دنوں کالج میگزین "اوج" کا نعت نمبر ترتیب دے رہے تھے اور اس ضمن میں پاکستان اور پاکستان سے باہر مقیم نعت نگاروں سے فردا فردا رابطہ کر کے نہ صرف ان کی نگارشات اکھٹی کر رہے تھے بلکہ ہر علاقے میں مقیم نعت گو حضرات کے کوائف 'نعتیہ تاریخ کے بارے مقالہ جات نعتیہ مجموعوں کی اشاعت اور نعت گوئی کی ترویج و فروغ کے سلسلہ میں ہونے والی پیش رفت سے آگاہی حاصل کرنے کے خواہشمند تھے۔ پھر ان سے میری ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا جو ذاتی احترام و شفقت تک پہنچا۔

اسی دوران "اوج" کا دو ضخیم جلدوں پر مشتمل نعت نمبر منظر عام پر آیا دینی' علمی اور ادبی حلقوں میں اس نعت نمبر نے اتنی پذیرائی حاصل کی کہ چند ہی ہفتوں میں تمام جلد ـں ہاتھوں ہاتھ چلی گئیں۔ عربی' فارسی' اردو اور پنجابی نعتیہ شاعری کا انتخاب' نعت گوئی کی قدیم و جدید تاریخ' نعت گو حضرات کے تعارف اور ان سے قلمی مذاکرے اور درج بالا زبانوں کے علاوہ دیگر زبانون میں کہی جانے والی نعتوں کے انتخاب کا یہ خوبصورت مرقع اب اپنی پیش کش کے منفرد انداز' موضوع کے شایان شان معیاری مواد اور نعت گوئی کے متنوع موضوعات کے بہترین احاطے کے باعث "ضرب المثل" بن چکا ہے۔ اس نعت نمبر کے ایک ایک صفحہ سے ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کی محنت جھلک رہی ہے۔ چودہ سو سے زیادہ صفحات پر بکھرے ہوئے مواد کو حسن ترتیب دنیا اور پھر موضوع کے شایان شان اہتمام اشاعت کرنا کتنا کھٹن کام ہے؟ یہ صرف وہ ہی جان سکتے ہیں جو کبھی اس مرحلے سے گزرے ہوں دو برس تک اس پر سعادت کام میں دن رات ایک کر دینے کے بعد انہوں نے نعت نمبر کی جلد دوم کے اداریہ میں لکھا۔

"اس سلسلہ میں وقت اور وسائل کی کمی کا ذکر تو سعئی لا حاصل ہے کیونکہ یہ تو سب کرتے ہیں........ میں یہی عرض کر سکتا ہوں کہ عطا کرنے والے نے ہمیں بس اتنی ہی توفیق بخشی تھی جس کے

ساتھ حاضر ہوں........ ممکن ہے.......... کرم فرمائی ہو اور نعت نمبر کی تیسری.........اور پھر اس کے بعد کئی جلدیں شائع کرنے کا مجھے موقعہ ملے"

قومی سیرت کانفرنس 1994ء منعقدہ اسلام آباد کے مندوبین میں ہم دونوں شامل تھے۔ میرا اور ان کا کمرہ آمنے سامنے تھا۔ وہاں ان کے ہمراہ گزرنے نے والی دوشا میں میرے لئے ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ پاکستان بھر سے آئے ہوئے دینی اسکالرز' علمائے کرام اور نعت گو شخصیات سے تعارف و ملاقاتیں' نعتیہ نشستوں کا انعقاد اور ملک بھر میں سیرت و نعت کے حوالے سے جاری سرگرمیوں پر گفتگو ان شاموں کی خاص باتیں ہیں۔ اسی کانفرنس میں ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کو "اوج" کے نعت نمبر پر صدارتی ایوارڈ عطا کیا گیا اس موقع پر ان کی عاجزانہ مسرت دیدنی تھی۔ میری مبارکباد کے جواب میں کہنے لگے کاش! میں یہ کام اور بہتر طور پر انجام دے سکتا.......... خیر.......... زندگی نے وفا کی تو لوگ دیکھیں گے کہ میں نے اپنی ہر سانس خدمت نعت کے لئے وقف کر دی ہے۔

اور مجھے یہ علم ہے کہ خدمت نعت کا ان کا یہ سفر ابھی جاری تھا۔ وہ موضوعاتی انفرادیت کے حوالے سے نعت' نعت نگاری اور نعت گو حضرات پر تحقیقی کام کر رہے تھی کہ نا معلوم حملہ آوروں کی سفاکیت نے ان کی زندگی کا سفر تمام کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے' آمین

نعت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات اور شان بے انتہا کی (محدود انسانی سوچ کی حد تک) پرتیں معلوم کرنے کا نام ہے۔ یہ کام تو چودہ سو سال سے جاری ہے۔ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی سے پہلے بھی ہوتا رہا اور ان کے بعد بھی ہوتا رہے گا' لیکن مجھے افسوس ہے ان خوابوں کا جو سیرتِ و نعت پر کام کے حوالے سے ڈاکٹر آفتاب نقوی کی آنکھوں نے دیکھے........ لیکن ادھورے رہ گئے' دکھ ہے ان آرزوؤں کا جو نعت نبیؐ کے حوالے سے ان کے دل میں مچلتی رہیں........ لیکن پوری نہ ہو سکیں' ملال ہے اس مشعل کے بے وقت بجھا دیئے جانے کا جس کی روشنی میں مجھ ایسے کئی خادمان نعت نبیؐ نے آگے بڑھنے کا راستہ دیکھنا تھا........ قلق ہے اس شفقت و محبت کا جس سے ان کے اہل خانہ اور عزیز و اقارب محروم کر دیئے گئے' اور' غم ہے ان مہربانیوں کا جو ابھی میں نے ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی ایسی مہربان شخصیت سے سمیٹنا تھیں۔

مرحوم کی نماز جنازہ پر قاضی حسین احمد نے درست کہا کہ "یہ محض ڈاکٹر آفتاب نقوی کا قتل نہیں' سیرت و نعت کے محقق کا قتل ہے علم و ادب کا قتل ہے" معاشرے کی عمارت اقدار کے ستونوں پر استوار رہتی ہے اقدار کے ستون کتنے ہی خستہ ہو جائیں' علم و ادب انہیں تھامے رکھتے ہیں۔ لیکن جس معاشرے میں علم و ادب ہی قتل ہو رہے ہوں وہ معاشرے کس طرح اور کب تک قائم رہ سکتا ہے؟

یہ سوال ان سے بھی ہے جو محض کرسیاں بچانے کے لئے کوشاں ہیں اور ان سے بھی جن کی ہر تگ و دو کا مقصد صرف کرسیاں حاصل کرنا ہے۔

تعزیت نامے

ڈاکٹر وحید قریشی.....

میں ڈاکٹر آفتاب نقوی کو کئی برس سے جانتا ہوں بہت بھلا اور نیک آدمی تھا اس نے بہت محنت کر کے سماجی و ادبی حیثیت حاصل کی اس کی موت کا مجھے ذاتی صدمہ ہوا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر ابو الخیر کشفی

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کی شہادت کی خبر پڑھ کر پہلے تو یقین ہی نہ آیا اور پر یہ خیال ذہن میں ابھرا کہ کاش ان سے ملاقات ہی نہ ہوتی۔ اب ان کی یادیں مدتوں تک دل کے زخموں کو چھیڑتی رہیں گی۔ دل کا عجب معاملہ ہے ایک پیارے کی یاد دوسرے پیاروں کی یاد اور غم کا حصہ بن جاتی ہے۔

برادر عزیز آفتاب احمد نقوی اوج کے نعت نمبر کی صورت میں زندہ رہیں گے انہوں نے کتنے ہی ناقدوں اور نعت گو شعراء کو کئی کئی خط بھیجے۔ انہوں نے جو "قلمی مذاکرہ" مرتب کیا اس سے ایک طرف نعت گوئی کے کئی پہلو روشن ہوئے اور دوسری طرف بہتوں کے حقیقی خدوخال سامنے آگئے۔

مجھے یقین ہے کہ "نعت رنگ" ان کے اوج کو ایک ادبی تحریک کے درجہ تک پہنچا دے گا انشاء اللہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی دین و ادب سے محبت رکھنے والے انتہائی بے ضرر اور شریف انسان تھے نعتیہ ادب کے حوالے سے ان کی خدمات لائق تحسین ہیں۔ آفتاب احمد نقوی کا سرعام قتل کھلی دہشت گردی، غنڈہ گردی اور لاقانونیت کا مظہر ہے۔

احمد ندیم قاسمی

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی سفاکانہ کے قتل نے پاکستان کے پڑھے لکھے طبقے' خاص طور پر اہل قلم کو بوکھلا دیا ہے۔ شرافت' نجابت' علم اور حلم کی اس تجسیم کو اس بیدردی سے قتل کیا گیا ہے کہ اس کے تصور ہی سے کرب کی لہریں دل و دماغ میں جاگ اٹھتی ہیں ڈاکٹر آفتاب کے قاتلوں کا سراغ لگانا پولیس کا فرض اولین ہونا چاہئے کہ ڈاکٹر مرحوم کے وجود میں پاکستان کی ایک ایسی محترم شخصیت اس ملک سے چھن گئی جس کی زندگی مثالی تھی۔

تابش دہلوی

مرحوم ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی سے میری ملاقات خط کتابت کے ذریعہ ہوئی اور یہ سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب انہوں نے گورنمنٹ کالج شاہدرہ سے "اوج" کا نعتیہ مجلّہ مُرتب کرنا شروع کیا' خط و کتابت ہی سے ان کی علمیت اور ان کے کردار کے بعض حسین پہلو مجھ پر آشکارا ہوئے' اور میں ان کا گرویدہ ہو گیا پھر خوبیِ قسمت سے وہ کراچی تشریف لائے اور غریب خانہ کو اپنی آمد سے عزت بخشی' ڈاکٹر صاحب سے بالمشافہ ملاقات کے بعد میرے دل میں ان کی عزت میں اضافہ ہوا۔

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی مرحوم کا کارنامہ پنجابی کی نعتیہ شاعری پر ان کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے اور یہ شرف ان سے پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوا۔

مرحوم نہایت پاکیزہ قلب و روح کے مالک تھے' معلوم نہیں کس سفاک نے انہیں کس غلط فہمی کی بناء پر ہلاک کردیا' علمی اور ادبی دنیا کے لیے ڈاکٹر صاحب کی موت جانکاہ سانحہ ہے' اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جنت الفردوس میں انہیں جگہ دے آمین ثم آمین!

منیر نیازی......

ہمارے ملک کی صورتحال انتہائی خطرناک ہو چکی ہے اور اب عدم برداشت کا یہ حال ہے کہ بس میں اگر کسی کے پاؤں پر پاؤں آجائے تو انسان ایک دوسرے کو گولی مار دیتے ہیں یہ ساری لوگوں کے اندر کی فرسٹریشن ہے لوگ اتنے پسے ہوئے ہیں کہ طاقتور کی زیادتی کا بدلہ بھی معصوم بچوں کو پیٹ کر لیتے ہیں۔ میں ڈاکٹر آفتاب نقوی اور مقبول کاوش کے قتل کی بھرپور مذمت کرتا ہوں۔

انتظار حسین......

بات یہ ہے کہ جب سارے ملک میں دہشت گردی کا راج ہو تو شاعر ادیب کب تک محفوظ رہ سکتے ہیں جو کچھ یہاں ماضی میں ہوتا رہا ہے اس کے بعد یہ وقت تو آنا ہی تھا بلکہ ایسا وقت بھی آنے والا ہے کہ جو شاعر ادیب کچھ کہنا چاہیں گے اس کے نتیجے میں مزید ایسے واقعات جنم لے سکتے ہیں دیگر کئی ممالک میں

بھی دہشت گردی کی رو جاری ہے ہر جگہ ایمانداری سے بات کرنے والوں کے ساتھ اسی قسم کے سلوک ہو رہا ہے ہمیں الجزائر اور مصر کی مثالوں سے عبرت پکڑنی چاہئے۔

ڈاکٹر سلیم اختر......

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی جیسا نیک انسانی محنتی استاد پر خلوص دوست اور اپنے کنبے کا شفیق سربراہ یوں بہیمانہ طور پر قتل کردیا جائے تو انسان ایک مرتبہ سوچ کر ضرور لرز جاتا ہے کہ کیا ہم کسی جنگل میں رہ رہے ہیں؟

شہزاد احمد.....

ڈاکٹر آفتاب نقوی اور مقبول کاوش جس دہشت گردی کا شکار ہوئے ہیں دراصل یہ تشدد اس بات کی علامت ہے کہ ہم اپنے مسائل کو حل کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید......

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کے قتل سے چند دن پہلے ایک عزیز کی گرفتاری کے سلسلے میں پولیس نے جس ذہنی تشدد اور کرب سے دو چار کیا اس وقت تک میں سمجھتا تھا کہ اس ملک میں عزت محفوظ نہیں ہے مگر ڈاکٹر آفتاب نقوی کی موت کے بعد احساس ہوا ہے کہ یہاں تو زندگی بھی محفوظ نہیں رہی آفتاب نقوی اور مقبول کاوش کی شہادت کے حادثے کو پولیس جس طرح نظرانداز کر رہی ہے اور جس ست روی سے تحقیقات جاری رکھے ہوئے ہے میں اس پر شدید احتجاج کرتا ہوں۔

پروفیسر عبدالکریم خالد......

ڈاکٹر آفتاب نقوی اور مقبول کاوش کا قتل نہایت المناک اور انسانیت کے نام پر ظلم ہے۔

امجد اسلام امجد......

ڈاکٹر آفتاب نقوی اور مقبول کاوش کی موت جن المناک حالات میں ہوئی ہے اس نے ان کے ساتھ ان کے لواحقین کو زندہ گور کردیا گیا ہے۔

ڈاکٹر معین الرحمٰن......

ڈاکٹر آفتاب نقوی سراسر مدبر اور شائستگی کا مجموعہ تھے عمر کے آخری دنوں میں نعت کے حوالے سے جو انہوں نے کام کیا وہ بہت بلند پایہ ہے۔

ظفر اقبال.....

بہت برا ہوا میں انہیں ذاتی طور پر نہیں جانتا لیکن ہم سب کا تعلق چونکہ علم سے ہے اور پھر وہ ہمارے دوست عمران نقوی کے بھائی تھے لہٰذا مجھے بالکل ذاتی صدمے کا احساس ہوا ہے۔

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی

یہ خبر یقیناً" روح فرسا ہے کہ کسی بدنہاد نے ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کو آتش انتقام کا نشانہ بنایا اور ایک قیمتی جان لے لی، نقوی مرحوم ایک دردمند، باصلاحیت اور باکردار انسان بھی تھے اور علم و ادب کی دنیا کے روشن چراغ بھی، دین سے ان کی محبت ان کے سراپا اور ان کی سیرت سے عیاں تھی، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کا سب سے معتبر حوالہ رہا ان کے لفظوں سے محبت کی مہک آتی اور ان کی گفتگو سے وارفتگی اور قلبی گداز کا اظہار ہوتا۔ سادات گھرانے کا چشم و چراغ جو نیکی کے سایوں میں پروان چڑھا اور جس کی ساری عمر سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح خوانی کے لیے وقف رہی، 'اوج' کا نعت نمبر ان کے ذوق اور ان کی عقیدت کا وہ نقش ہے جو ہمیشہ ان کو زندہ رکھے گا، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے کہ وہ کسی شیطان صفت کی ہوس کا نشانہ بن کر شہادت کا مقام بلند حاصل کرنے کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔

سحر انصاری

۲۹ اکتوبر ۱۹۹۵ء کی صبح اخبار پڑھتے ہوئے اور کراچی کی خوں ریز فضا کی تفصیلات سے گزرتے ہوئے میری نظر اچانک ایک خبر پر رک گئی "ایک ماہر تعلیم اور ان کے ایک دوست کی ہلاکت"...... یہ ماہر تعلیم ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی اور ان کے دوست مقبول کاوش نکلے۔ حزن و ملال کے ایک شدید تاثر نے دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ آفتاب نقوی صاحب سے میری دو تین ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ انہیں ادیب رائے پوری صاحب کی تقریب میں سنا بھی تھا۔ خوش گفتار انسان تھے۔ لیکن میرا اصل تعارف ان کی اس ضخیم تالیف ہوا جو "اوج" کے نعت نمبر کی صورت میں میرے زیر مطالعہ رہا ہے۔ یہ ضخیم و قابل قدر نمبر پہلے برادر گرامی حنیف اسعدی صاحب کے پاس آیا۔ میں اسے دیکھ کر للچا گیا۔ بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے مرتب نے اس کو ایک دستاویز میں ڈھالا تھا۔ حنیف بھائی کے توسط سے ہی مجھے یہ نعت نمبر اپنے کتب خانے میں رکھنے اور مطالعہ کرنے کے لیے ملا۔ یہ آفتاب نقوی کی محبت اور خلوص تھا کہ کسی ہدیے کے بغیر انہوں نے یہ ضخیم نمبر بھیج دیے۔

ڈاکٹر آفتاب نقوی ایک مخلص، کھرے اور دردمند انسان نظر آئے۔ وہ محنتی اور اپنی دھن کے پکے

تھے۔ ان کی وفات سے ایک عمدہ شریف انسان' ایک ماہر تعلیم اور نعت کا ایک اعلا محقق ہمارے اس معاشرے میں کم ہو گیا ہے۔ اس معاشرے میں جو پہلے ہی سے قحط الرجال اور ذہنی افلاس کا شکار ہے۔

قتل کی وارداتیں اب روز کی معمول ہو گئی ہیں۔ کراچی میں تو اخبارات اس طرح مقتولین کی تعداد درج کرتے ہیں جیسے کسی کھیل کا اسکور بتایا جا رہا ہو۔ سارے معصوم اور بے قصور شہری جو قتل ہوئے ہیں محترم اور لائق تکریم ہیں لیکن جب کسی استاد اور عالم کا قتل ہو جاتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے ہمارا معاشرہ بربریت کے تاریک ترین دور میں سانس لے رہا ہے۔ عالم کی موت کو عالم کی موت کہا گیا ہے (موت العالم موت العالم) لیکن یہ محض ایک قول نہیں ہے ڈاکٹر آفتاب نقوی جیسے استاد نقاد و محقق اور عالم کی موت نہیں بلکہ قتل کی دل دوز خبر نے اس قول کو ایک زندہ حقیقت بنا دیا ہے۔

ڈاکٹر آفتاب نقوی لاہور کے شاہدرہ گورنمنٹ کالج میں درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ان کی شاید کوئی سیاسی اور فرقہ وارانہ وابستگی بھی نہیں تھی۔ ان کی عمر ۴۵ سال تھی۔ انہوں نے پنجابی میں نعت گوئی کے موضوع پر ۱۹۸۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ لکھا تھا جو اپنی نوعیت کی اولین علمی کاوش تھا۔

ڈاکٹر نقوی کے ''اوج'' کا نعت نمبر ایک ہزار سے زائد صفحات اور دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں اردو اور پاکستان کی دیگر زبانوں کے علاوہ عربی فارسی اور انگریزی زبان میں نعت گوئی پر بھی سیر حاصل مواد یکجا کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر آفتاب نقوی اور مقبول احمد کاوش کا قتل دہشت گردی کا بد ترین نمونہ اور ہماری تہذیب کا ایک سنگین المیہ ہے۔ اللہ تعالٰی سے میری دعا ہے کہ وہ ڈاکٹر آفتاب نقوی اور مقبول احمد کاوش کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

حنیف اسعدی

آج صبح صبح رفیقی سحر انصاری نے آکر یہ وحشت افزا خبر سنائی کہ پروفیسر آفتاب احمد نقوی اور مقبول احمد کاوش قتل کر دیئے گئے۔ آخر کیوں ان کی کیا خطا تھی۔ یہ تو تمام تر سیاسی اور اختلافی بکھیڑوں سے دور علم و ادب کی بے لوث خدمت میں مصروف تھے۔ ان سے کسی کو ایسی شدید نفرت اور سفاک دشمنی کیوں تھی جس کے سبب یہ لوگ اتنی بڑی سزا کے مستوجب قرار دیئے گئے۔ میں کم سے کم آفتاب احمد نقوی کے لیے تو کہہ سکتا ہوں کہ وہ ایک شریف النفس انسان دوست اور اقدار پرست انسان تھے۔ کیا اب شرافت ہی سب سے بڑا جرم ہے۔ کیا اب صرف بندوق کی گولی ہی کا راج ہو گا کیا انصاف اور معقولیت کا دور ختم ہو گیا۔ ابھی چند ماہ پہلے ان سے ایک طویل ملاقات ہوئی تھی۔ وہ کراچی تشریف لائے ہوئے تھے۔ از راہ کرم مجھ سے غریب خانے پر ملنے آئے کافی دیر بیٹھے اور اپنی علمی و ادبی مصروفیت کی تفصیلات بتاتے رہے میں نے ''اوج'' کی اشاعت پر ان کو مبارکباد دی تو بڑی عاجزی سے فرمایا۔ محترم میں کیا اور میرا کام

کیا بس اللہ جس سے جو کام لے لے اچھے اور سچے لوگ اسی طرح داد و تحسین کے تکلف سے دور اور بے نیاز اپنا کام کرتے ہیں اور گزر جاتے ہیں مگر آفتاب احمد نقوی کے ابھی گزر جانے کے دن نہیں تھے۔ ان کو ہر اعتبار سے ابھی جینا تھا۔ یہ ان کی عمر ابھی مرنے کی تھی نہ صحت کے اعتبار سے وہ کسی طرح بھی اس انجام کے مستحق تھے۔ آفتاب احمد نقوی کی بے وقت موت علم و ادب کا نقصان اور ان کے چاہنے والوں کے لئے دلی صدمے کے باعث ہے اس میں میں بھی شریک ہوں۔ اللہ ان کو قبر کو ٹھنڈا رکھے۔ آمین

ڈاکٹر مظفر عباس......

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے نعت کی صنف میں جو کارنامہ انجام دیا وہ انہیں ہمیشہ زندہ رکھے گا ان کی ناگہانی موت ایک سانحہ ہے اس طرح مقبل کاوش کا بچھڑ جانا بھی ایک المیہ ہے۔

ڈاکٹر تحسین فراقی.......

ڈاکٹر صاحب بہت ہی کھرے اور سچے انسان تھے ان کی موت انسانیت کے لیے ایک سانحہ ہے اب محسوس ہوتا ہے کہ اس قوم کو بھلے سچے اور کھرے لوگوں کی، کوئی ضرورت نہیں رہی۔

ڈاکٹر شہباز ملک.......

ایسے سچے دل اور ذہن کا انسان بہت کم ملتا ہے ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کا نعت کے حوالے سے کام انتہائی بلند پایہ ہے شاید یہی ان کی مغفرت کا پروانہ بھی ثابت ہو مجھے ان کی سانحاتی موت کا دلی صدمہ ہوا ہے۔

جعفر بلوچ......

ڈاکٹر آفتاب نقوی کا قتل میرے نزدیک ایک قومی المیہ ہے۔

سید مرتضی زیدی.......

ڈاکٹر آفتاب نقوی بہت اچھے انسان دوست اور محنتی شاعر تھے انہوں نے ہمارے ساتھ ماہنامہ "اوج" کا نعت نمبر مرتب کیا ان کی موت علمی و ادبی حلقوں کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے۔

حسن رضوی......

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے عشق محمد کی مہکاروں کو اپنی تخلیقات کا محور بنایا اور نہ صرف پنجابی نعت گوئی پر پی ایچ ڈی کی بلکہ اپنے کالج کے ادبی مجلے اوج کا تاریخی نعت نمبر نکال کر ایک ایسا کارنامہ سرانجام دیا جو انہیں ہمیشہ زندہ رکھے گا وہ سچے اور کھرے عاشق رسولؐ تھے انہیں جس ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا گیا اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے اس طرح نوجوان شاعر مقبول کاوش بھی ان کے ہمراہ ظلم کا شکار

ہوئے یہ ظلم کب تک جاری رہے گا؟ یہ ہر صاحب ایمان کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے اپنی زندگی میں عشق سرکار دو عالم میں جو نام کمایا اس نے انہیں شہادت کے مرتبہ پر فائز کردیا ہے حکومت کو چاہئے کہ وہ ان کے بچوں کی کفالت کی ذمہ داری اٹھائے اور ان کے خاندان کی مالی اعانت کرے۔

صائم چشتی

آفتاب نقوی علم و ادب کا وہ آفتاب تھے جو غروب ہو کر بھی غروب نہیں ہونگے اور پھر جب "ومن یقتل فی سبیل اللہ احیاء" کی سند بھی موجود ہو تو پھر سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق۔

آفتاب موت کی پستیوں سے ماوری اس "اوج" پر نعت رسول کی کرنیں کائنات علم پر بکھیر رہے ہیں جہاں پر زوال و انحطاط کو دخل نہیں میں جب بھی ان کا تصور کرتا ہوں یہ میرے جسم کا ہر مو کان بن کر ان سے یہ مصرعہ سن رہا ہوتا ہے۔ "ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما"

ڈاکٹر ریاض مجید

جناب آفتاب احمد نقوی کی رحلت کا سانحہ ہمارے نعتیہ ادب کی تاریخ میں ایک ناقابل تلافی نقصان ہے اگرچہ عصر حاضر میں نعت کاران کی ایک کثیر تعداد اپنے اپنے حوالوں (تخلیقی یا تنقیدی وغیرہ) سے صنف نعت کے فروغ میں مصروف عمل ہے مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صنف نعت سے گہری وابستگی اور شدید ربط و تعلق کے ایسے مظاہرے کم کم دیکھنے میں ملتے ہیں۔ میری مراد اس ربط و تعلق سے ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے حصول کے جذبے سے پیدا ہوتا ہے۔ آفتاب نقوی ایسی ہی شخصیات میں سے تھے جن کی نعت سے وابستگی للہیت کے پاکیزہ جذبے سے پیدا ہوئی تھی اگرچہ وہ خود بھی اچھی نعت کہتے تھے مگر انہوں نے اپنے آپ کو نعت گو شاعر کے طور پر نمایاں کرنے کے بجائے نعت کے باب میں تدوین و تنقید پر زیادہ توجہ دی پنجابی نعت کے حوالے سے ان کا تحقیقی مقالہ گرانقدر خصوصیات کا حامل ہے اس مقالے میں انہوں نے نہ صرف پنجابی کی سیرتی اور نعتیہ شاعری کا بہ نظر غائر جائزہ لیا بلکہ کئی صدیوں پر محیط پنجابی ادب کی شعری روایات میں سے نعتیہ عناصر کو جمع کرنے میں اور ان کے بطن سے نعت کی بطور صنف تعمیر و تشکیل کے تعارف و تعریف مرتب کرنے میں تفحص و تحقیق سے کام لیا اسی طرح انہوں نے متعدد نعتیہ کتابوں پر تقاریظ اور دیباچے لکھے جو ان کی نعت کی صنف سے مستقل دلچسپی اور وابستگی کے گواہ ہیں۔ دو ضخیم نمبروں پر مشتمل "اوج" کا نعت نمبر نعت کے باب میں ان کی مساعی جمیلہ کی وہ روشن دستاویز ہے جو نہ صرف ان کے ادبی اعمال نامے کا سب سے روشن حصہ ہے بلکہ تدوین و تحقیق نعت کی تاریخ میں جسے ایک گرانقدر حوالے کی حیثیت ہمیشہ حاصل رہے گی۔

مرحوم کے مقالہ پنجابی نعت کی تحقیق سے لے کر اوج نمبر کی ترتیب و تدوین تک ان سے متعدد ملاقاتیں رہیں۔ میں نے انہیں نعت کے حوالے سے ہمیشہ مستعد فعال اور سرگرم پایا وہ نعت کے باب میں بہت کچھ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ خداوند کریم انہیں ان خواہشات اور عزائم کا صلہ دے اور نعت کے حوالے سے وہ جو کام کر گئے ہیں انہیں اس کے اجر سے نوازے۔ آمین

نعت لکھنے اور پڑھنے والے تو ہزاروں ہیں مگر نعت کی تدوین اور تحقیق کے حوالے سے کام کرنے والے مخلص اور بے لوث اہل قلم بہت کم ہیں۔ ایسے نعت کاران میں سے آفتاب نقوی کی اچانک رحلت اپنے پیچھے ایک بہت بڑا خلا ہے چھوڑ گئی ہے۔

ڈاکٹر اسلم رانا

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی مرحوم سے میرے روابط تقریباً ۱۵/۱۶ برس محیط ہیں۔ مرحوم ایک سلجھے ہوئے ذہن اور دردمند دل کے مالک تھے۔ دوستوں اور عزیزوں کے خوش دلی کام آتے تھے۔ جہاں تک ان علمی ادبی اور تعلیمی کارناموں کا تعلق ہے تو سب سے بڑی سعادت جو ان کے حصے میں آئی وہ ان ڈاکٹریٹ کے مقالے کے حوالے سے پنجابی نعت پر ان کا کام ہے۔ علاوہ ازیں مرحوم اپنے کالج کے مجلّے "اوج" کا نعت نمبر جو دو جلدوں پر مشتمل ہے وہ ان کی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری محبت کا غماز ہے۔ ان کی موت ایک المناک سانحہ ہے جس سے مجھی ذاتی طور پر بھی گہرا غم ہوا کہ میں ایک اچھے دوست اور ہمدرد انسان سے محروم ہو گیا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات سے نوازے۔

خالد شفیق

پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی جنہیں گذشتہ دنوں لاہور میں شہید کر دیا گیا تھا میرے عزیز دوست اور ماہنامہ حمایت اسلام کے قلمی معاون تھے۔ انہوں نے فروغ نعت کے سلسلہ میں کام میں ہمیشہ میرا ساتھ دیا اور رہنمائی کی۔ وہ ایک انتہائی وضعدار' دوست نواز' سرتاپا محبت' بے ضرر اور خوش گفتار شخصیت کے مالک تھے ہمیشہ دھیمے لہجے میں بات کرنا ان کا شعار تھا۔ انہوں نے فروغ نعت کو اپنا شعار بنا رکھا تھا چنانچہ پنجابی نعت کے موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کے بعد انہوں نے گورنمنٹ کالج شاہدرہ کے مجلّہ "اوج" کا دو جلدوں میں خوبصورت نعت نمبر شائع کیا وہ ان کے نعت سے لگاؤ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے محبت کا واضح ثبوت ہے۔ گذشتہ برس اللہ تعالیٰ کے کرم سے ان کے اس عظیم نعت نمبر اور نبی کریمؐ سے محبت کے طفیل انہیں سعادت حج نصیب ہوئی۔ اس بے ضرر اور سرتاپا محبت شخص کا قتل ہمارے معاشرے کی روز افزوں بگڑتی ہوئی اخلاقی قدروں اور تباہی کی طرف بڑھتے ہوئے قدموں کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس قتل کی جتنی بھی مذمت کی جائے، کم ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ جب ان پر فائرنگ ہوئی تو قریب ہی مجاہد فورس کی گاڑی اپنی معمول کی ڈیوٹی کے سلسلہ میں کھڑی تھی۔ اس گاڑی میں موجود "مجاہدین" نے قاتلوں کے خلاف فوری طور پر کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ اگر یہ درست ہے تو ہم یہ پوچھنے پر مجبور ہیں کہ اس فورس کے قیام کے کیا مقاصد ہیں اور اس مجاہد نہیں بلکہ مردار فورس پر قوم کا سرمایہ کیوں ضائع کیا جا رہا ہے اور یہ کہ اپنے فرائض سے غفلت برتنے پر متعلقہ اہلکاروں کے خلاف کاروائی کیوں نہیں کی گئی۔

ادارہ ماہنامہ حمایت اسلام جناب پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی اور ان کے ساتھ مقبول کاوش کے قتل کی شدید مذمت کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ قاتلوں کو گرفتار کر کے ان کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

اللہ تعالیٰ نقوی صاحب کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے آمین ادارہ حمایت اسلام ان کے غم میں سوگوار ہے۔

امان اللہ خاں اجمل

ڈاکٹر آفتاب نقوی کی شہادت کی خبر نے بہت پریشان کیا اور یہ غم میرے جذبات و احساسات پر تادم مرگ طاری رہے گا مرحوم میرے غریب خانے میں ایک دو مرتبہ آئے تھے اور اوج "مجلّہ" کے نعت نمبر بھی مجھے عنایت فرماتے تھے جو ان کی اگلی پچھلی نسلوں کے لیے اور خود ان کے لیے باعث بخشش و رحمت ثابت ہوں گے در حقیقت پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کا قتل ان تمام لوگوں کا قتل ہے جو نام لیوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لاریب وہ شہید ہیں کاش حکومت ایسے لوگوں کی سرکوبی کرے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے ہیں۔

سید آل احمد رضوی

پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی اپنی ذات میں نعت کی ایک زندہ تحریک تھے انہوں نے اوج کے "نعت نمبر" کی صورت میں تن تنہا وہ کارنامہ انجام دیا جو نعت سے متعلق قائم ادارے انجام نہ دے سکے وہ سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے ان کی موت سے وادی علم و ادب سوگوار ہے ان کی خدمات کو ادب اور خصوصاً نعتیہ ادب میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

رشید وارثی

یوں تو اس جہان فانی سے ہر ذی روح کو ایک روز کوچ کر کے دائمی اجل کو لبیک کہنا ہے۔ اس باغ

عالم میں جو پھول کھلتا ہے اسے بہرحال مرجھانا ہے۔ جو آفتاب اندھیروں کا سینہ چاک کر کے صبح نو کی جانفزا نوید لے کر طلوع ہوتا ہے' وہی اجالوں کے سفر کی تکمیل کے بعد اور شام کے دیدہ خونبار کو شفق کی سرخیاں دے کر غروب ہو جاتا ہے یہ سلسلہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔

اگرچہ فنا و بقا کی یہ داستانیں اس عالم رنگ و بو کے معمولات کا ایک لازمی حصہ ہے۔ لیکن ان فطری عوامل سے قطع نظر انسانی برادری سے جو ہر دلعزیز ہستیاں قبل از وقت داغ مفارقت دے جاتی ہیں ان کی اچانک رحلت کا صدمہ جانکاہ سینکڑوں دلوں کو ہلا کے رکھ دیتا ہے۔

ڈاکٹر سید آفتاب احمد نقوی کی حادثاتی موت سے جہاں ان کے خاندان پر قیامت صغریٰ بپا ہو گئی وہاں نعتیہ ادب سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کا دل اداس ہے۔ اور "اقلیم نعت" کے در و دیوار پر حزن ملال کے آثار نمایاں ہیں۔ وہ ایک سچے عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) محقق بے بدل اور منکسرالمزاج انسان تھے۔ وہ اقلیم نعت کے ماحول کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے نہایت انہماک و استغراق کے ساتھ کوشاں تھے۔ انہوں نے اس حوالے سے جو کچھ کام کیا ہے عصر حاضر میں تو اسے سنہرے حروف سے لکھا ہی جائے گا لیکن ہماری آئندہ نسل بھی ان کے ان کارناموں کو فراموش نہ کرپائے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنا جوار خاص عطا فرمائے اور ان کے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

عزیز احسن

حادثے روز ہوتے ہیں اور سانحات کو جنم دے کر انمنٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔ لیکن وہ سانحات انسان کو بکھیر کر رکھ دیتے ہیں جو حادثے اور طبعی وجوہات کے جلو میں نہیں آتے۔ حادثے اور طبعی عوامل کم از کم منطقی جواز فراہم کر کے دل کو تو سمجھا دیتے ہیں نا!

ڈاکٹر سید آفتاب احمد نقوی کی رحلت کا سانحہ بھی ایسا ہی سانحہ ہے جو ان کے لواحقین اور احباب کو بکھیر گیا ہے۔ کیونکہ اس سانحے کے پیچھے نہ تو طبعی عوامل کار فرما تھے نہ ہی کوئی ایسا حادثہ وقوع پذیر ہوا تھا۔ جو دل کو سمجھانے کا جواز بن سکتا..... اس لیے ڈاکٹر سید آفتاب احمد نقوی کی موت کی وجوہات پر جس قدر غور کیا جائے۔ دماغ پھٹنے لگتا ہے..... منطقی دلیل ملتی ہی نہیں!

آج پوری دنیا پاگل خانے کا نقشہ پیش کر رہی ہے۔ تیسری دنیا کے لوگ اس پاگل خانے کے مستقل مریض تھے۔ اب ان لوگوں کی تعداد مسلسل بڑھ رہی ہے۔ اسی پاگل خانے کے ایک مریض یا چند مریضوں نے اپنے ڈاکٹر کو ہلاک کر دیا۔ شہید آفتاب احمد نقوی اصطلاحی معنوں میں طبیب نہ تھا۔ لیکن وہ معاشرتی فضاؤں سے پاگل پن کے جراثیم کو ختم کر کے الفت کے پھریرے ہواؤں میں لہرانا چاہتا تھا..... اور پاگل یہ عمل برداشت نہیں کر سکتے۔ مسیحا کی موت پر پاگل وقتی طور پر جشن فتح منالیں' لیکن آخر انہیں ہوش آنے پر پتہ چلے گا کہ انہوں نے اپنے لیے کس قدر کانٹے بو لیے ہیں!

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی مدحت سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم بلند کر کے دینی سرحدوں کی حفاظت کا فریضہ انجام دے رہا تھا۔ اس کا کار جہاد اس کی شہادت کے بعد بھی جاری رہے گا!

نقوی کا نام اور کام دونوں زندہ رہیں گے۔ مجاہد کے لیے دو ہی راستے ہیں وہ یا تو غازی ہوتا ہے یا شہید!!!! آفتاب احمد نقوی کو شہادت ملی ہے.... اور یہ اعزاز کوئی چھوٹا اعزاز نہیں ہے۔ اللہ شہید کے لواحقین اور احباب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اس کے درجات بلند کرے (آمین)

شبیر احمد قادری

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی شہید نے صرف چوالیس سالہ حیات (۹ ستمبر ۱۹۵۱ء تا ۲۸ اکتوبر ۱۹۹۵ء) میں کئی ایسے تخلیقی تنقیدی، تحقیقی اور تدوینی کارنامے انجام دیئے کہ ان کا نام تادیر اہل فکر و دانش کی خاص توجہ کا مرکز رہے گا انہوں نے ادبیاب اردو کا استاد ہونے کے ناتے خود پر عائد تدریسی و منصبی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ علمی و ادبی سرگرمیوں کے لیے وقف کئے رکھا..... لاہور کالجوں کا شہر ہے۔ ان میں سے ایک شاہدرہ کا گورنمنٹ کالج بھی ہے جسے ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کے کارہائے نمایاں کی بدولت ملک گیر نہیں بلکہ سچی بات ہے بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی کالج میگزین "اوج" کے یکے بعد دیگرے دو ایسے نمبر شائع کئے جو انہیں حیات جاوداں عطا کر گئے۔ پہلے ۱۹۹۰ء میں قرارداد پاکستان گولڈن جوبلی تقریبات کے سلسلہ میں میں ۶۳۲ صفحات کو محیط دستاویزی اور معلوماتی نمبر شائع کیا اور پھر ۹۳۔۱۹۹۲ء میں "اوج" کو صحیح معنوں میں اوج ملا یہ شمارہ نعت نمبر کی صورت میں شائع ہوا۔ کوئی ساڑھے چودہ سو صفحات کو محیط یہ نعت نمبر اب تک (میری محدود معلومات کے مطابق) اردو میں شائع ہونے والے نعت نمبر میں سب سے ضخیم و عظیم ہے..... اوج کے نعت نمبر کی مناسبت سے انہیں "جامع النعت" کے لقب سے ملقب کیا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا۔ ان سے پہلے وہ گورنمنٹ کالج سیالکوٹ کے میگزین "کاوش" کا ہجری نمبر (۸۱، ۱۹۸۰ء) اور پھر گورنمنٹ کالج وزیر آباد کے میگزین "چناب" کا مولانا ظفر علی خاں نمبر (۱۹۸۴ء) بھی شائع کر چکے تھے۔ یوں دیکھا جائے تو انہوں نے کالج میگزینوں کی ہیئت و افادیت یکسر بدل ڈالی اور محمد طفیل کے نقوش کی طرح ان کی ادارت میں چھپنے والا ہر میگزین خاص نمبر کی صورت میں شائع ہوا سچ تو یہ ہے کہ سیالکوٹ اور وزیر آباد کے کالج میگزینوں کے خاص نمبروں کی اشاعت کے سلسلہ میں ہونے والی ریاضت گورنمنٹ کالج شاہدرہ کے "اوج" کے نعت نمبر کی اشاعت کے سلسلہ میں کام آئی اور خوب کام آئی۔

"جامع النعت" ڈاکٹر سید آفتاب احمد نقوی شہید محب وطن پاکستانی اور سچے عاشق رسولؐ تھے۔ تخلیق نعت اور تدوین نعت کے سلسلہ میں ان کی ساری کاوشیں ان کے اسی عشق و محبت اور عقیدت کی مظہر ہیں۔ اللہ کریم مرحوم شہید کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

محمد قمر خان رحمانی

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی سے مری واقفیت کا سبب اوج کا "نعت نمبر" بنا مرحوم نے اس سلسلے میں مجھے کئی خط لکھے ان کی اس لگن اور نعت سے گہری دلچسپی نے مجھے ان کا مداح بنا دیا تھا دنیائے نعت نے ان سے بہت سی توقعات وابستہ کرر کھی تھیں لیکن

موت سے کس کو رستگاری ہے

مری دعا ہے کہ اللہ ان کو اپنے جوار رحمت میں مقام خاص عطا فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

وث میاں

۲۹ اکتوبر کو صبح کے وقت بھائی صبیح رحمانی کا فون آیا کہ آج کا اخبار پڑھا میں نے کہا نہیں کہنے لگے اکٹر آفتاب احمد نقوی کو قتل کر دیا گیا ہے۔ میرے کانوں کو یقین نہیں آیا پھر "نوائے وقت" منگوا کر فصیل سے خبر پڑھی آنکھیں نم ہو گئیں ذہن ماضی کی طرف سفر کرنے لگے آنکھوں کے سامنے وہ مناظر گھومنے لگے کہ جب وہ کراچی آئے تھے اور چند دن مہمان نوازی کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ بلاشبہ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی شعبہ نعت کی ایک عظیم شخصیت تھے انہوں نے "اوج" نعت نمبر کی صورت میں نعت کی روشنی دور دور تک پھیلائی یہ ایک بڑا کارنامہ ہے۔ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کی بے وقت موت فسوسناک ہے ان جیسی شخصیات روز پیدا نہیں ہوتیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا



خطوط

حکیم محمد سعید۔ کراچی

مکرمی

اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کی ارسال کردہ کتاب "نعت رنگ" مجھے مل گئی ہے۔ اس ہدیہ علمی کے لیے میں آپ کا شکر گذار ہوں۔ اس کے بارے میں میرے تاثرات درج ذیل ہیں۔

"نعت رنگ" مختلف شعراء کے نعتیہ کلام کے انتخاب اور صنف نعت سے متعلق کچھ مشاہیر ادب و نقادان گرامی کے مضامین پر مشتمل نہایت اہم قابل قدر تالیف ہے۔ یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ آج کل اردو شاعری میں نعت گوئی کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے ہمارے شعراء موضوع اور تکنیک ہر اعتبار سے نعتیہ کلام کے سرمایہ میں بیش بہا اضافہ کر رہے ہیں پچھلے دنوں میں روایتی اسالیب سے الگ آزاد، معراء اور نثری نظم میں بھی نہایت اثر آفریں و دلنشیں نعتیں تخلیق کی گئی ہیں جن میں سے کچھ نعتیں اردو کی نعتیہ شاعری میں بیش بہا اضافہ ہیں۔

زیر نظر تالیف "نعت رنگ" کے مولفین نے کوشش کی ہے کہ عہد حاضر کی نمائندہ نعتوں کو یکجا کر کے پیش کیا جائے تاکہ عام قارئین نعتیہ شاعری کے فروغ کی رفتار کا اندازہ کر سکیں اور نعتیہ شاعری کے سلسلے میں تازہ تر پیرایہ اظہار سے بھی واقف ہو سکیں۔ نعتیہ کلام کے انتخاب کے علاوہ زیر نظر تالیف میں نعت سے متعلق کچھ تحقیقی و تنقیدی مضامین بھی شامل کیے گئے ہیں ان مضامین میں سید آل احمد رضوی کا مضمون "نعت کا سفر" اپنی نوعیت میں نہایت ہی وقیع تحقیقی مضمون ہے جناب آل احمد رضوی بتاتے ہیں کہ نعت اپنے موضوع کے اعتبار سے ذات باری تعالی کی طرح قدیم ہے جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ قرآن پاک میں حضور نبی کریم کی تعریف موجود ہے اور قرآن پاک اللہ تعالی کا کلام ہے۔

جناب رضوی صاحب کے تحقیقی مضمون کے علاوہ نعت سے متعلق کچھ تنقیدی مضامین بھی زیر نظر تالیف میں شامل ہیں۔ ان مضامین میں جناب عاصی کرنالی، جناب رشید وارثی اور جناب عزیز احسن کے مضامین خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔

ان مضامین میں ایسی تراکیب 'استعارے 'اور مضامین کی نشاندہی کی گئی ہے،جو ہماری نعتیہ شاعری میں اکثر استعمال ہوتے ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو ان مروجہ مضامین میں شان رسالت میں گستاخی کے پہلو نکلتے ہیں جن سے اجتناب برتنا چاہئے۔ نعتیہ شاعری دراصل پل صراط پر چلنے سے بھی مشکل کام ہے کیونکہ یہاں معمولی سے بے احتیاطی بھی دین و دنیا میں خسارہ کا سبب بن سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے میدان نعت گوئی کو ایک ایسی "ادب گاہ" سے تعبیر کیا ہے جو عرش سے بھی "نازک تر" ہے اور جہاں "جنید و بایزید" جیسے صاحبان بصیرت بزرگوں کے بھی ہوش گم ہو جاتے ہیں مذکورہ تینوں مقالے نعت گو شعراء کے ہے ہدایت و رہنمائی کے نکات سے پوری طرح آراستہ ہیں جن کا مطالعہ عام قارئین کے علاوہ بہت سے نعت گو شعراء کے لیے بھی خاطر خواہ افادیت کا حامل ثابت ہو گا۔

نعت رنگ کے مولفین نے نعتیہ کلام اور نعت گوئی سے متعلق مضامین میں جس محنت اور توجہ سے کام کیا ہے وہ ان کے دلوں میں موجزن حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقابل تردید شہادت میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس سعئ مستحسن کو قبول فرمائیں اور انہیں اجر عظیم سے نوازیں۔

آپ کا مخلص
حکیم محمد سعید

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کراچی

جناب صبیح رحمانی

محترم و مکرم سلام مسنون

"نعت رنگ" کے مطالعے سے آنکھیں روشن ہو گئیں اور اس کے مرتبین کے حق میں دل سے دعائیں نکلیں۔

نعت کی مقبولیت سے دل خوش ہوتا ہے نعت خوانی اور نعت گوئی ایک مسلمان کے لیے آخرت کے لیے زاد راہ اور سفارش نجات کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ "نعت رنگ" کے مرتبین دین و دنیا دونوں کو حسب توفیق سنوار رہے ہیں۔

کسی نعت یا نعتیہ مضمون کے بارے میں حُسن و قبح کے حوالے سے کسی طرح کا حکم لگانا مناسب نہیں۔ ان

نقطوں کا استعمال اور مروجہ استعمال نعت اور نعت کے مباحث میں میرے دائرہ خیال و قلم سے خارج ہے۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے جن الفاظ و خیالات کو نسبت ہوجائے وہ میرے نزدیک تنقید مروجہ سے بلند و بالا ہوجاتے ہیں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ بعض وجوہ سے محترم عزیز صاحب اور رشید وارثی صاحب کے مضامین مجھے بطور خاص پسند آئے اللہ اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کوششوں کو قبول فرمائے آمین والسلام۔

بملاخط گرامی

جناب صبیح رحمانی صاحب

نیاز مند

فرمان فتح پوری

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی۔ کراچی

عزیزم اور میرے مخدوم! اسلام و رحمت' دعائے خیر و برکت

میرے مخدوم پر چونکہ نہیں۔ جن نگاہوں نے گنبد خضری کا جلوہ دیکھا ہو' کعبہ شریف کے جلوؤں سے منور ہوئی ہوں۔ جس شخص کو قدمین ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہو کہ اس شخص کا وجود غبار نور بن گیا ہو وہ یقیناً میرا مخدوم ہے۔

تمہاری دو ادائیں مجھے بے حد عزیز ہیں۔ ایک تو یہ کہ میرے سامنے کبھی میری تعریف نہیں کی' بلکہ اپنے عمل سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔ "نعت رنگ" کے انتساب میں مجھے شریک کرکے مجھے ایسی عزت دی ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی عزت کا تصور میرے ذہن میں نہیں آسکتا۔ دوسری بات یہ کہ تم لوگوں کو ایک دوسرے سے قریب تر لانے کی کوشش کرتے ہو اور حقیقی یا وہمی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہو۔ تمہاری اس ادا سے ایک مرحوم دوست اور بے حد اچھے شاعر راشد کی یاد تازہ ہوجاتی ہے (جنہیں اسمگلروں نے میرٹھ میں ٹرک سے کچل کر شہید کردیا تھا) جن دوستوں میں بدگمانیاں ہوتی وہ ان کے پاس جاکر بتاتے کہ ان کا خیالی' یا حقیقی مخالف ان کے کن محاسن کی تعریف کرتا ہے۔

"نعت رنگ" کا اجرا مبارک ہو۔ دعا ہے تو یہی ہے کہ یہ کتابی سلسلہ جاری ہے' بلکہ مناسب ہوگا کہ سہ ماہی کا ڈکلریشن لے لو۔ اگرچہ نعت سے متعلق کئی اور رسالے چھپ رہے ہیں لیکن میری دانست میں نعت کے فکری اور فنی پہلوؤں پر غور و فکر اب "نعت رنگ" کے وسیلے سے شروع ہو رہا ہے۔ نعت پر جو کتابیں ہیں انہیں بھی تذکرہ شعرائے نعت کہنا چاہئے۔ نعت رنگ میں تحقیق اور تنقید دونوں کے درمیان توازن ہے۔ حضرت عاصی

کرنالی۔ جناب رشید وارثی اور جناب عزیز احسن کے مضامین خوب ہیں عزیز احسن صاحب نے جن شعراء کے اشعار پر گرفت کی ہے ان کے اچھے اشعار کے ذریعہ بھی اپنا نقطہ نظر واضح کیا ہے۔

اس سے مجھے وہ حدیث یاد آئی کہ محبت اور بغض اللہ کے لیے ہو۔ اور پھر مسئلہ تو سرکارِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے آدابِ ثنا کا ہے۔ یہاں کسی شخصی اونچ نیچ کی کیا گنجائش۔ اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب میں وسعت پیدا فرمائے اور یہ بات ہماری سمجھ میں آسکے۔

ہر چیز کا معیار اور پیمانہ حضرت سرورِ کائنات فداہ ابی وامی کی ذات گرامی ہے۔ سند ہیں تو وہی امید ہے ہر شمارہ پہلے شمارے سے بہتر ہوگا امید کیا یقین ہے کیونکہ یہ کاوش اس ذاتِ اکمل واطہر سے متعلق ہے، جو تکمیل کا معیار ہے۔

تم کو نہ جانے کیوں یہ خیال آیا کہ میرے اور بھائی حنیف اسعدی کے درمیان کچھ معاملات "من و تو" ہیں۔ اس سلسلہ میں مرحوم ڈاکٹر تاثیر کا یہ شعر سنو۔ مزے کا شعر ہے۔

مزاج ایک ' نظر ایک' دل بھی ایک سہی
معاملاتِ مَن و تُو نکل ہی آتے......ہیں

لیکن ادب میں ایسے معاملات تازہ ہوا کے جھونکوں کی طرح ہوتے ہیں' اور اکثر صداقت دو انتہاؤں کے درمیان ہوتی ہے۔ مگر حنیف بھائی سے تو کبھی ایسی گفتگو نہیں ہوئی جس میں اختلاف کی بات ہو۔ ہم جب کبھی ملے ہیں تو ماضی کی باتیں ہوتی تھیں' ان دوستوں کو یاد کرتے جو اب یاد بن کر رہ گئے ہیں۔ حنیف بھائی شعر سناتے ہیں اور میں سنتا ہوں۔

عزیزم! معلوم نہیں کہ حنیف بھائی نے کبھی تمہیں بتایا یا نہیں کہ ہم اس صدی کی پانچویں دہائی کے آغاز سے ایک دوسرے کے ساتھی اور دوست ہیں۔ اب مدتوں ملاقات نہیں ہوتی مگر نہ وہ مجھ سے بے خبر رہتے ہیں اور نہ میں ان سے بلکہ آج بھی خواب میں خیال کو ایک دوسرے سے معاملہ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی میں نے انہیں خواب میں ایسی محفلوں میں نعت سرا دیکھا ہے جن کے باب میں میں اخفا کا قائل ہوں اور حنیف بھائی نے اپنے ایک خواب میں مجھے جس بلندی پر دیکھا اس کا میری زندگی اور میرے کوائف سے اتنا تعلق نہیں جتنا ان کے صفائے قلب سے ہے۔ اپنے ایک گرامی نامہ میں انہوں نے وہ خواب قلم بند کر کے مجھے سرفراز فرمایا اور میں نے وہ خط دوبار سے زیادہ نہیں پڑھا کہ میں اپنے نفس سے خائف رہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کرتا ہوں کہ مجھے ان کے گمان اور دید کے مطابق بنادے۔

ویسے میں حنیف بھائی اور اپنے آپ سے شرمندہ ہوں کہ ذکر خیر الانام پر ان کی نعت گوئی کے بارے میں اب تک تفصیل سے نہیں لکھ سکا۔ اس باب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ قول ہی میرے لیے سچے عذر کا درجہ رکھتا ہے کہ

"میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کی شکست سے پہچانا ہے"

حنیف اسعدی بلاشبہ ہمارے عہد کے نہایت ممتاز نعت گو ہیں غزل میں انھوں نے قائم رہنے والے نقش بنائے ہیں مگر یہ نقش گری ان کی نعت کا دیباچہ ہے۔ حنیف بھائی کی غزل میں بھی نعت کی کیفیت اکثر ابھر آتی ہے اور یہ اس بات کی شہادت ہے کہ وہ دوئی کو بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ قرآن حکیم نے اسلام کے بارے میں اہل ایمان سے کہا ہے کہ "اسلام میں سموچے" داخل ہو جاؤ۔ حنیف بھائی کی نعت ان کی پوری ذات کا اظہار ہے۔ شاعری اور نعت گوئی سے قطع نظر ان کے نفس اور ذات کی خوشبو میں بھی نعت کے کتنے ہی پہلو ہیں اس سلسلہ میں (میں حفیظ تائب کا بھی نام لینا چاہتا ہوں) جب آدمی کی خاموشی ثنا اور مدحت بن جائے تو پھر اسے اور اس کے چاہنے والوں کو اور کیا چاہیے ان کے کتنے ہی شعر اور مصرعے بہت سے پڑھنے والوں کی طرح میرے ذہن کا حصہ بن چکے ہیں۔

اپنے ہر جرم پہ محسوس ہوا
آپؐ نے دیکھ لیا ہو جیسے

اور بظاہر یہ سیدھا سادا مگر نہایت بلیغ مصرع

نام ایسا کہ ثنا ہو جیسے

جس آدمی نے اسمِ محمدؐ کو یوں جان لیا ہو، نعت کا کون سا مرحلہ ہے جو اس کے لیے مشکل ہوگا ان کی نعت گوئی

تو معرفت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مسلسل سفر ہے اور میرے عزیز! تم تو جانتے ہو کہ یہ سفر کبھی نہ ختم ہونے والا ہے۔ دنیا کی ہر زبان کے سارے محترم لفظ، اظہار اور امکانات سرکار انسانیت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خلق کیے گئے ہیں۔ حنیف بھائی نے طبع موزوں، سلگتے ہوئے دل اور چشم نم کو وسیلہ نعت بنا دیا ہے۔ اور ان کی ہر کاوش کے پیچھے وہ اشارہ موجود ہے جو ہر بڑی انسانی کاوش کی تحریک بنتا ہے۔

اس طرف کا اگر اشارہ نہ ہو
طبع موزوں بہم نہیں ہوتی

کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ لفظوں کے معانی لغت میں نہیں ملتے بلکہ اچھے اور بڑے اہلِ قلم کی نظم و نثر میں ملتے ہیں۔ یہاں طبع موزوں کو دیکھو اور پھر اس کا نظم ہونا۔ العظمت اللہ

عزیزم!

بات بھائی حنیف اسعدی تک محدود نہیں۔ ان سے پرانی دوستی ہے، دوستی نہیں بلکہ نیاز مندی۔

ہم تو اسیر ہیں خمِ زلفِ کمال کے

میں نے نعت اور نعت گو شعراء پر تسلسل سے لکھا ہے، بلکہ یوں کہوں کہ نعتیہ مجموعوں پر مقدمے اور تبصرے لکھتے ہوئے نعت گوئی کے بعض پہلوؤں کی طرف اشارے کردیے ہیں۔ اب تمہارے نعت رنگ نے اس جذبہ کو

ابھارا ہے کہ نعت پر لکھوں اور مسلسل لکھوں۔ میں کہہ یہ رہا تھا کہ صرف انہیں شعرا کی نعت گوئی پر لکھ سکا ہوں جن کے مجموعوں پر مقدمے لکھے ہیں اور کئی اچھے اور بڑے نعت گو شعرا کا مقروض ہوں۔ سچ پوچھو تو میں اپنا مقروض ہوں کیونکہ سلسلہ اور معاملہ نعت کا ہے۔ حضرت شرقی مرحوم' محترم بھائی حفیظ تائب' برادر مکرم عبدالعزیز خالد' جناب حافظ لدھیانوی اور مظفر وارثی صاحب جیسے شاعروں کا کلام مجھ سے اپنا حق مانگ رہا ہے۔

حفیظ تائب صاحب سے میرے رشتے کو کچھ کچھ تم جانتے ہو۔ ان کی آنکھوں میں شب بیداری کے شاہد بھی تم ہو۔ ایک بار ٹیلی ویژن پر نعتیہ مشاعرہ ہو رہا تھا۔ میرے ساتھ میرے عزیز اور بہت خوش گو شاعر محمد رئیس علوی بھی یہ مشاعرہ دیکھ اور سن رہے تھے۔ جب بہت سے داد طلب او رادعا برلب شعرا کلام پڑھ چکے تو حفیظ تائب صاحب نے نعت شروع کی۔ لہجہ محبت اور ادب کے سانچے میں ڈھلا ہوا اور نگاہیں یوں جھکی ہوئی جیسے مواجہ شریف میں کھڑے ہوں۔ پورا وجود دست بستہ آواز نرم' مودب اور رفعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احساس سے پست...... "اے اہل ایمان اپنے آوازوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو"...... ہزاروں میل کے فاصلے پر حضوری کا یہ احساس اور یہ شرف۔ اللہ اکبر۔ مجھے "لا ترفعوا" کے مفاہیم کی خبر ہے۔ اپنے رجحانات' رائے اور خواہشات کو نبیؐ کی آواز اور حکم پر ترجیح نہ دو' لیکن سامنے کے اس مفہوم کا اجر بھی کچھ کم نہ ہو گا۔

اہل قلم کے پاس جذبات و فکر اور الفاظ ہیں حفیظ تائب اپنے الفاظ کو فکر کے رنگ میں گوندھ کر جذبات کی خوشبو ملا کر نہایت ندامت کے ساتھ بارگاہ عالی میں حاضر ہو جاتے ہیں کہ سرکار یہی کچھ ہے متاع فقیر.... رہا معاملہ جان کا.....سو وہ آپؐ کے سوا اور کس کی ہے۔

تائب صاحب طریقۂ راسخہ کے شاعر ہیں۔ سچ پوچھئے تو نعت گوئی کا دوسرا کوئی راستہ ہے بھی نہیں۔

حضورِ شاہؐ سانس لینا بھی ایک ذمہ داری ہے۔ کبھی مواجہ شریف میں نفس گم کردہ ہو کر کھڑے رہیے اور جب زندگی اپنا حق مانگے تو سانس لیجئے کیا عجب یہی عمل آپ کی نعت بن جائے۔ حفیظ تائب کا معاملہ یہی ہے سالہا سال سے یوں ہوا ہے کہ ہم دونوں کے قیام طیبہ کا زمانہ ایک رہا ہے اور ہم دونوں ایک دوسرے سے مسجد نبوی میں ملنے سے گریزاں رہے کیوں؟ میرے عزیز! کیا یہ بات تمہیں بھی بتاؤں ایک بار ہم لوگوں کا قیام ایک ہی جگہ تھا ایک دن بیوی نے مواجہ شریف پر حاضری سے پہلے تائب صاحب سے کہا کہ مجھے کوئی دعا' کوئی عرض داشت عطا کر دیجئے جسے میں اپنے آقا' اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں پیش کردوں یہ ۲۷ رمضان ۱۴۱۳ھ کی بات ہے اور پھر تائب صاحب نے ان کی کتاب یاد داشت پر وہ التجا لکھی جس کے چند مصرے یہ ہیں۔

در پہ حاضر ہوئی ہے کوئی بے نوا اے حبیبؐ خدا
حاضری میں حضوری بھی کیجئے عطا اے حبیب خدا
کچھ عجب وقت ہے میرے آنسو بھی اب ساتھ دیتے نہیں

پاس کچھ بھی نہیں عاجزی کے سوا اے حبیبؐ خدا
میری نادانیوں ، ظلم سامانیوں سے ہوں صرف نظر
ہر عمل آشنائے ادب ہو میرا اے حبیبؐ خدا

" آشنائے ادب " ...... تائب صاحب کی نعت گوئی کے لیے کلیدی لفظ ہے (مسرور کیفی صاحب کے ہاں بھی یہ ادب سامانی مجھے نظر آتی ہے)

محبت اپنے اور اظہار کے پیرائے خود تراشتی ہے ذرا سوچیئے کہ ہم میں سے کون ارض طیبہ ضیائے گنبد خضرا' فضائے مواجہ شریف کے لیے دعا کر سکتا ہے۔ ہم تو ان کے وسیلے سے دعائیں کرتے ہیں' لیکن جب آدمی شہر طیبہ کی فضا کا حصہ بن جائے تو پھر ایسے شعر اس کی زبان کو عطا ہوتے ہیں۔

سرچشمۂ عطا' در خیرالوریؐ کی خیر
گنبد سے جان و دل میں اترتی ضیا کی خیر
ہو منبر رسولؐ سے بیت حضورؐ تک
ہر یادگار خواجۂ ارض و سما کی خیر

شاید تمہیں علم ہوا ہو کہ حضرت مولانا عبدالعزیز شرقی اس سال شوال میں ہم سے رخصت ہوگئے۔ مدینہ منورہ میں زندگی کے کم و بیش تیس سال گزارے اس کے علاوہ وہ مسلسل آتے جاتے رہے۔ حمد میں تسبیح و تحمید و تہلیل کو انہوں نے اپنی نوائے عاشقانہ کا حصہ بنایا۔ اور اب یہ رنگ عام ہو چلا ہے۔

یہ کیف کا عالم ـــ جذب دروں' سبحان اللہ سبحان اللہ
میرے زباں پر تیری ثنا ہے الحمد اللہ' الحمد اللہ

....

مکے کی عظمت' کعبے کی شوکت اللہ اکبر' اللہ اکبر

نعت خوانی کے ایک اسلوب خاص کے مالک تھے۔ پڑھتے تو لفظ تصویر اور رقص بن جاتے۔ مدینہ کی فضاؤں میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ان سے نعت سنتے اور خاک طیبہ میں اپنے آنسوؤں کی تخم ریزی کرتے۔

عزیز گرامی!

بات کہاں سے چھڑی تھی اور کہاں تک آپہنچی انشاء اللہ نعت رنگ کے لیے کچھ نہ کچھ لکھوں گا اور تفصیل سے۔ اس وقت دو ایسے کام ادھورے پڑے ہیں کہ میں ان کی ناتمامی سے اپنے آپ کو مجرم سمجھنے لگا ہوں۔ دعا کرو کہ دونوں کام مکمل ہو سکیں۔

خیر و برکت کی دعاؤں کے ساتھ

دعا گو
سید محمد ابوالخیر کشفی

راغب مراد آبادی۔ کراچی

عزیزم صبیح رحمانی

سلام و رحمت

"نعت رنگ" کی اشاعت پر دلی مبارک باد قبول فرمایئے نعتوں پر قرآن و سنت اور زبان و بیان کی اساس پر دیانت دارانہ تنقید سے نعت گو حضرات کو فائدہ پہنچے گا۔ میں شکر گزار ہوں گا اگر مجھ ہیچمدان کے نعتیہ مجموعے بھی پیش نظر رہیں۔ اکابر شعراء کے کلام میں بھی بے احتیاطیاں نظر آتی ہیں۔ یہ کار خیر ہے اور اس کی جزا اللہ جل شانہ دیں گے۔ لوگ کیا کہتے ہیں اس کی پروانہ کریں

جب خود اللہ بھی لوگوں کی زباں سے نہ بچا
ہم ہیں پھر کون کہ ہم پر کوئی الزام نہ ہو

نعت رنگ

اک آئینہ ہے صبغۃ اللہ کا
بلا شک، بہت خوب ہے نعت رنگ
بہ سعئ صبیحِ، فدائے رسولؐ

مسلماں کو محبوب ہے نعت رنگ
مرتب ہیں اس کے سزاوارِ قدر
بہت ہی خوش اسلوب ہے نعت رنگ
بخوبی ہیں اس سے بھی واقف صبیحؔ
کہ راغبؔ کو مرغوب ہے نعت رنگ

طالب دعا

راغب مراد آبادی

۷-۱۰-۹۵

شاہ مصباح الدین شکیل۔ کراچی

مکرمی صبیح رحمانی صاحب

اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

اقلیم نعت کا "نعت رنگ" دیکھا جو صبغتہ الرسولؐ کی قوس و قزح ہے۔ سبحان اللہ آپ کا ممنون ہوں کہ "نعت رنگ" کے ذریعہ فکر و نظر کی تہذیب کا سامان کردیا الحمد اللہ

سچ پوچھئے تو جذبہ عقیدت کو نئی راہیں میسر آئیں یہی نہیں بلکہ تنقیدی مضامین کے ذریعے قبلہ درست کرنے کی گراں قدر کوشش بھی اہم خدمت ہے۔ بارک اللہ

راجا رشید محمود کے بامقصد ماہنامہ نعت (لاہور) کے بعد نعت رنگ اپنی نوعیت کی منفرد اور مثبت کوشش ہے جو حُبِ نبیؐ سے سرشار لوگوں کے لیے سرمایۂ بصارت بھی ہے اور سرمۂ بصیرت بھی۔

"نعت رنگ" کے اکثر مقالے نوجوان نعت گو شعراء کے لیے نئی جہتوں کے نشاندہی کرتے ہیں مثلا آپ کا مقالہ "نعتیہ شاعری میں ہائیکو کی روایت"

سعید بدر کا مقالہ "نعت کیا ہے" اور آل احمد رضوی کا جائزہ "نعت کا سفر" محنت سے لکھے ہوئے مقالے ہیں میری رائے میں "تنقید نعت" کا حصہ قابل قدر ہے اس میں اکثر نعت گو شعراء کے لیے چشم کشا مثالیں ہیں۔

جناب ادیب رائے پوری کا گراں قدر تحقیقی مقالہ ان کی زیر طبع کتاب "نعتیہ ادب اور تنقید" کے اعلی معیار کا غماز ہے اس سے پہلے ان کی کتابیں مدارج النعت (مطبوعہ ۱۹۸۶ء) اور مشکوۃ النعت مطبوعہ (۱۹۹۳ء) اہل علم سے خراج تحقیق وصول کرچکی ہیں۔ وہ بلند پایہ نعت گو ہونے کے علاوہ میدان تحقیق کے راہ نوردوں کے لیے سنگ میل ہیں ان کا خیال "نعتیہ ادب میں تنقیدی شعور جمود کا شکار ہے جس میں سنجیدگی کے ساتھ تیز عمل ضرورت ہے" بڑا فکر انگیز ہے۔

عاصی کرنالی، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، رشید وارثی، اور عزیز احسن کے مقالے نعت گو شعراء کے لیے قابل غور ہی نہیں بلکہ رہنمائی کے لیے بہت ہی اہم نکتے فراہم کرتے ہیں اکثر نعت گو "باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار" کے زریں رہنما اصول کو بھول جاتے ہیں۔ جادۂ نعت شاہراہ، سخن کا پل صراط ہے، ذرا سی لغزش افراط و تفرط کے صحراؤں میں پہنچادیتی ہے یہیں شاعر کے توازن فکر کا امتحان ہوتا ہے تنقید نعت کے مقالے اس نقطہ نظر سے بڑے وقیع ہیں جوش عقیدت میں اکثر شعراء حزم واحتیاط کا دامن چھوڑدیتے ہیں۔

"فکر و فن" کے مقالے میرے، دامن دل کو کھینچتے رہے۔ مجھ جیسے اکثر ایسے قاری ہوں گے جنہیں مدحت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو بکھیرنے والے خوش قسمت شعراء کا تمام نعتیہ کلام پڑھنے کا شرف حاصل نہ ہوا ہوگا۔ اس حصہ کے مقالات سے ان کے نعتیہ کلام کا اجمالی تعارف ہوجاتا ہے تابش دہلوی، حفیظ

تائب، حنیف اسعدی، مظفر وارثی، عاصی کرنالی، شاہ انصار الہ آبادی، سید قمر زیدی، اور صبیح رحمانی پر مقالے "دریا کو کوزہ میں بند کرنے کی مثال ہیں" اور پھر ان شعراء کے سرمایہ نعت کا جائزہ بھی مستند اساتذہ فکر نے لیا ہے۔ ان اہل قلم سے مقالے لکھوا کر آپ نے تاریخ ساز کام انجام دیا ہے۔ اس کتابی سلسلہ کی آئندہ اشاعت میں مزید مقالے مجھ جیسے قاری کے ذہنی افق کو وسیع کرنے کا باعث ہوں گے۔ ایسے مقالے رحمان کیانی، اقبال عظیم، حافظ لدھیانوی اور اعجاز رحمانی پر بھی لکھوائے جائیں تو اچھا ہو گا۔

رحمان کیانی کی نعتیں جدت فکر، لب ولہجہ کی توانائی، بلند آہنگی نیز عرب کے حسن طبیعت کا بہترین نمونہ ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے بجا طور پر انہیں "اردو کا منفرد راجز" کہا ہے۔ تعجب تو اس پر ہوا کہ گل چیدہ میں بھی ان کی کوئی نعت نہیں ہے۔ نعتوں کا یہ انتخاب بہت ہی معیاری اور آپ کی فکری سطح کی بلندی کا آئینہ دار ہے۔ غوث میاں کا "پاکستان میں نعتیہ انتخاب" کتب نعت کی ۱۹۴۹ سے 1995 تک کی اشاعتوں کی تفصیل زندہ رہنے والا کام ہے۔

میں نے نعت رنگ کا ہر جلوہ ایک ایک سطر پڑھ کر دیکھا ہے اس گراں قدر تحفہ کے لیے علمی دنیا آپ کی ممنون رہے گی میری دلی مبارکباد قبول فرمائیں۔

شاہ مصباح الدین شکیل

۹۵-۷-۱۶

کوکب نورانی اوکاڑوی کراچی

"نعت رنگ" (تنقید نمبر) مجھے ملا، بہت شکریہ۔ ورق گردانی کرتے ہوئے اندازہ ہوا کہ صرف اسے دیکھنا کافی نہیں حرف حرف پڑھنا ہو گا...... اس میں اعلیٰ مضامین اور تاریخ حقائق نظر آئے اور نعت نگاری میں ذم کے پہلو کے عنوان سے تنقید کا سلسلہ اچھا لگا، حالاں کہ اسے پوری طرح دیکھا نہیں....

غوث میاں نے میرے والد صاحب قبلہ علیہ الرحمتہ کی مرتبہ "نغمہ حبیب" کا ذکر کیا، جسے نعت کائنات وغیرہ والے جانے کیوں نظر انداز کر گئے..... اس میں صرف یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ "نغمہ حبیب" ۱۹۶۰ء سے قبل طبع ہوئی تھی غالبا غوث میاں نے اس کا تیسرا اڈیشن دیکھا ہو گا اور "نغمہ حبیب" نے ایسے جامع اور نعت خوانی کی فروغ میں جو کلیدی کردار ادا کیا اسے تسلیم نہ کرنا بلاشبہ حقائق سے چشم پوشی میں شمار ہو گا..... نعت خوانی کے فروغ اور میں اعلیٰ حضرت اور فاضل بریلوی کے کلام و شخصیت سے متعارف کروانے میں ابا جان قبلہ علیہ الرحمہ کی خدمات نا قابل تردید حقیقت ہیں..... "نغمہ حبیب" میں عمدہ اضافہ کے ساتھ طباعت کی خوبیوں سمیت اشاعت کا سودا سر میں سمایا ہوا ہے متعدد احباب سے تعاون کی درخواست کی لیکن وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا کا معاملہ؟

مجھے صرف عمدہ و منتخب مجموعے مطلوب تھے اس سے زیادہ تعاون چاہا ہی نہیں......وعدے سبھی نے کے اور سبھی نے پورے نہیں کیے آپ کے اس مجلّے سے مجھے کچھ مجامیع کی آگہی ہوئی ہے شاید وہ مجموعے مجھے میسر ہو جائیں اور میں اپنے ذوق کو تکمیل کر سکوں۔

محترم سید آل احمد رضوی کا مضمون سرسری دیکھا' انہوں نے واقعی محنت کی ہے۔ آپ کو اس قدر عمدہ مجلّے کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے دعاگو ہوں کہ اللہ کریم آپ کی اس محنت اور محبت کو قبول فرمائے اور محبان مصطفیٰ علیہ التحیتہ والثنا کے لئے بار آور بنائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ اجمعین

آپ نے تاثرات چاہے ہیں خوشبو پہنچانے والے کو دعا دی جاتی ہے' پھول سجانا اور ان کی مہک عام کرنا ہر کسی کا حصہ نہیں اللہ کریم آپ کی اس سعادت میں برکت فرمائے۔

والسلام فقیر!

کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ

یکم رجب ۱۴۱۶ھ

شبنم رومانی۔ کراچی

عزیزم! رنگوں میں نہائی نعتیں اور نعتوں میں ڈوبے ہوئے رنگ..... تم نعت پڑھے ہو تو کچھ ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔ تم تو خود "نعت رنگ" ہو پھر یہ کتاب تم سے الگ کوئی چیز کیسے ہو سکتی تھی! سوچتے تو ہم بھی تھے' اور بھی بہت سے اہل دانش و بیش نعت کی صنفی اہمیت کے قائل ہیں مگر تم نے لگائی ایڑ تو خندق کے پار تھے۔ یہ ایک ایسا ہی کارنامہ ہے ع

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

حقیقت یہ ہے کہ مدت دراز تک "نعت" کو ہمارے ہاں دوسرے درجے کی صنف سخن سمجھا جاتا رہا ہے نعت کہنے والوں کا ایک الگ ہی گروہ تھا جس کو دانشورانِ ادب قابل توجہ نہیں سمجھتے تھے۔ خدا بھلا کرے اقبال صفی پوری کا کہ انہوں نے کل پاکستان نعتیہ مشاعرے کی روایت قائم کی اور ملک کے تمام بڑے اور اہم شاعروں کو باقاعدہ نعت کہنے کی طرف راغب کیا۔ نعتیہ شاعری سے میرا شغف انہی مشاعروں کی سبب پیدا ہوا۔ اس کا اظہار ضروری تھا تاکہ یہ بات ریکارڈ پر آجائے حقدار کو اس کا حق ملنا ہی چاہیے۔ دوسرا سنجیدہ کام تم نے شروع کیا ہے' بلکہ دوسرا نہیں' یہ پہلا سنجیدہ کام ہے جو اس جہت میں کیا گیا ہے۔ "نعت" کے سیاق و سباق پر گفتگو' نعت کے سفر کی نشاندہی' اس کی صنفی اہمیت پر تنقیدی مضامین اور نعت گو شعراء کی بے احتیاطیوں پر گرفت۔ یہ سب کچھ "نعت رنگ" میں یکجا ہے۔ اور یہ کام یہاں ختم نہیں ہو گیا' تم نے اس کو جاری رکھنے کے جس عزم کا اظہار کیا ہے

وہ نئی نسل کی تمام کج رویوں اور کوتاہیوں کا کفارہ ادا کردے گا۔ میری دلی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔

جناب صبیح رحمانی

"اقلیم نعت"

شادمان ٹاؤن، شمالی کراچی

دعا گو

(شبنم رومانی)

کراچی، ۲۰ اگست، ۱۹۹۵ء

مشفق خواجہ۔ کراچی

عزیز مکرم۔ سلام مسنون

کتابی سلسلے "نعت رنگ" کا پہلا شمارہ ملا۔ بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے ایسے عمدہ مجموعہ مضامین سے استفادے کا موقع دیا۔ آپ نے اس شمارے میں تحقیق و تنقید کے حوالے سے جو مضامین شائع کیے ہیں، ان میں نعت گوئی کے تاریخی، فکری، جمالیاتی اور فنی پہلوؤں کے بارے میں بصیرت افروز مباحث ملتے ہیں۔ عہد حاضر کے چند نعت گو شاعروں کے فکر و فن کا مطالعہ بھی موجودہ دور کی نعت گوئی کے اعلیٰ معیار کا اندازہ کرنے میں بڑی مدد دیتا ہے۔

جس طرح یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی اچھا غزل گو غزل کے تاریخ اور فنی ارتقا سے ماہرانہ واقفیت رکھتا ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ کوئی اچھا نعت گو، نعت گوئی کے تاریخ و فنی "اسرار و رموز" سے پوری طرح آشنا ہو۔ لیکن آپ پر اس اصول کا اطلاق نہیں ہوتا۔ آپ ماشاء اللہ بیک وقت اچھے نعت گو بھی ہیں اور نعت گوئی کی تاریخ اور فن پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ اور کمال یہ ہے کہ نوعمری ہی میں ان اوصاف سے متصف ہیں۔ اس لیے جی چاہتا ہے کہ آپ اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لے کر اردو نعت کے اس ذخیرے کو منظر عام پر لائیں جو عام نگاہوں سے اوجھل ہے۔

اردو نعت کا وہ ذخیرہ جو ابھی تک منظر عام پر نہیں آیا، مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دونوں صورتوں میں برصغیر کے کتب خانوں میں مدفون ہے۔ آپ کو ان کتب خانوں میں بہت سے مطبوعہ نعتیہ دیوان ایسے ملیں گے جن سے عام اہل ادب واقف نہیں ہیں۔ مثلاً انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانہ خاص میں نعت کے مطبوعہ دیوان خاصی تعداد میں ہیں اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کا ذکر نعت سے متعلق کسی تحقیقی و تنقیدی جائزے میں نہیں ملتا۔ ایسے دیوانوں اور ان کے مصنفوں کو متعارف کرانے کی ضرورت ہے۔ بعض کتب خانوں میں غیر مطبوعہ یعنی قلمی نعتیہ

دیوان بھی موجود ہیں' ان پر بھی تحقیقی کام ہونا چاہیے۔ غزلوں کے مطبوعہ اور قلمی دیوانوں سے بھی نعتوں کی بہت بڑی تعداد دستیاب ہو سکتی ہے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اردو کے بے شمار شاعروں کے دواوین ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں' تقریباً ہر دیوان میں دو چار اور بعض میں خاصی تعداد میں نعتیں ملتی ہیں۔ مثنویوں کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نسخوں میں بھی آپ کو نعت کا خاصا سرمایہ ملے گا۔ ہر مثنوی نگار اپنی مثنوی کا آغاز حمد و نعت سے کرتا ہے۔ اگر مثنویوں کے نعتیہ حصوں کو الگ کرلیا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ پاکستان میں قلمی کتابوں کے بڑے ذخیرے انجمن ترقی اردو کراچی' قومی عجائب گھر کراچی اور پنجاب یونی ورسٹی لائبریری لاہور میں ہیں۔ کوئی ایسا منصوبہ بنائیے کہ ان ذخیروں میں موجود نعتیہ ادب کو شائع کیا جاسکے۔

نعتوں کا ایک بہت بڑا خزانہ ان نعتیہ گلدستوں میں مل سکتا ہے جو گزشتہ صدی کی آخری دو اور موجودہ صدی کی ابتدائی دو دہائیوں میں برصغیر کے مختلف شہروں سے شائع ہوتے رہے ہیں۔ یہ گلدستے بھی آپ کو مختلف کتب خانوں میں مل سکتے ہیں۔ نواب شاہ میں میرے ایک کرم فرما حاجی محمد یعقوب خان خویشگی مرحوم تھے۔ ان کے پاس گلدستوں کا بڑا عمدہ ذخیرہ تھا۔ اس میں چند نعتیہ گلدستے بھی تھے۔ ان میں ایک "منشور شفاعت" تھا جو بمبئی سے شائع ہوتا تھا۔ اس کے ۱۸۸۸ء کے کچھ شمارے میری نظر سے گزرے ہیں۔ "سفینۂ نجات" نام کا ایک ماہنامہ گلدستہ بھی خویشگی صاحب کے پاس تھا۔ یہ دہلی سے شائع ہوتا تھا۔ اس کے ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۶ء تک کے متعدد شمارے میں نے دیکھے تھے۔ ان دونوں گلدستوں میں ہر مہینے طرحی نعتیں شائع ہوتی تھیں۔ ہر مہینے مصرع طرح کا اعلان کیا جاتا تھا' برصغیر کے تمام شہروں کے شعراء طرحی نعتیں لکھ کر بھیجتے تھے جو شائع کی جاتی تھیں۔ میرے پاس بھی ایک نعتیہ گلدستہ "احسن الکلام" بمبئی کا پہلا شمارہ ہے جو جمادی الاول ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۶ء) میں شائع ہوا تھا۔ اس میں ۷۳ شاعروں کی نعتیں ہیں۔ اور یہ سب غیر طرحی ہیں۔ ایک حمد بھی ہے جو ایک ہندو شاعر منشی بیلی رام راتم کی لکھی ہوئی ہے۔ گلدستوں میں غیر مسلم شعراء کا کلام بھی اکثر شائع ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے بھی نعتیہ گلدستے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

اگر آپ مختلف کتب خانوں میں نعتیہ گلدستوں کو تلاش کریں اور ان کی بہترین نعتوں کا ایک انتخاب شائع کردیں تو یہ بہت بڑی ادبی خدمت ہوگی۔ اس کام کا ایک ضمنی فائدہ جو بہت بڑا فائدہ ہے یہ ہوگا کہ بہت سے ایسے شاعر سامنے آئیں گے جنہیں زمانے نے فراموش کردیا ہے۔

یہ چند باتیں اس لیے عرض کی ہیں کہ نعت کے سلسلے میں آپ جو مفید کام کررہے ہیں اس کی افادیت اور تحقیق کا دائرہ کچھ اور وسیع ہونا چاہیے۔

آپ کی صحت و شادمانی کے لیے دعا کرتا ہوں۔

خیر اندیش

مشفق خواجہ

۱۲-۱۰-۹۵

حفیظ تائب لاہور

برادر عزیز صبیح رحمانی صاحب! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'

گذشتہ اپریل میں' جب میں حضرت حسان نعت ایوارڈز کی تقریب میں شرکت کے لیے' کراچی پہنچا تو احباب نے بے پایاں محبتوں سے نوازا' لیکن آپ کی کمی پھر بھی محسوس ہوئی۔ اگرچہ یہ مسرت بھی کیا کم تھی کہ آپ کو حج و زیارات حرمین الشریفین کے ارمان نکالنے کا موقع نصیب ہوا تھا اور آپ ان دنوں شہر محبوبؐ......مدینہ مکرمہ میں مقیم تھے........ایوارڈز کی تقریب سے فارغ ہو کر جب ہم لوگ بھائی وسیم بیگ کے گھر پہنچے تو جناب غوث میاں نے جریدہ "نعت رنگ" عطا فرمایا۔ میں اس شاہکار حسن و معنویت پر ایک نظر ڈال کر حیران رہ گیا اور کافی دیر تک آپ کو یاد کر کے دعائیں دیتا رہا۔ جملہ احباب بھی ہمنوا تھے پھر ہم جہاں جہاں گئے وہاں وہاں آپ اور "نعت رنگ" کا ذکر خیر ہوتا رہا۔

لاہور آکر عوارض و مسائل میں گھرا رہا اور مدت تک اس شمارہ خاص کا مطالعہ نہ کر سکا۔ اس لیے پہلے آپ کو اس کے بارے میں' خط نہ لکھ سکا۔

"نعت رنگ" کا شمارہ اول حسن انتخاب و ترتیب کا رفیع و وقیع جریدہ بن کر سامنے آیا ہے۔ ابتدائیہ میں بہت عمدہ و بلیغ انداز میں پیش کیے گئے مقاصد حاصل کرنے میں آپ کافی حد تک کامیاب رہے ہیں۔

"اجمال" میں آنے والی سحر انصاری اور شبنم رومانی کی حمدیہ و نعتیہ نظمیں نہایت خوب ہیں۔ سعید بدر کا مضمون "نعت کیا ہے" اس حصے میں آنے کی وجہ پوری طرح سمجھ میں نہیں آئی......گل چیدہ کے عنوان سے نمائندہ شعراء کی نعتوں کا اچھا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ منظومات کا حصہ الگ ہی رہتا تو بہتر تھا۔ آئندہ کوشش کیجیے کہ اس حصہ میں تازہ نعتیں آئیں۔

تحقیق کے باب میں تمام تر مضامین ایک اہمیت کے حامل ہیں۔ راجا رشید محمود اور غوث میاں نے ایک ہی موضوع پر کام کر کے ایک دوسرے کے کام تکمیل تک پہنچایا ہے۔ دونوں حضرات کی عرق ریزی قابل تحسین ہے۔ ان کی محنت سے پاکستان میں چھپے ہوئے تمام تر نعتیہ گلدستوں کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ راجا رشید محمود نے البتہ سارے مجموعے دیکھ کر ان کے کوائف جمع کیے ہیں اور یوں ان کی فہرست ببلیو گرافی کے سائنسی اصولوں کو پورا کرتی نظر آئی ہے' مگر انہوں نے اپنے کام کو پاکستان تک ہی محدود رکھا ہے اور قیام پاکستان سے پہلے چھپنے والے انتخابوں پر کام کرنے میں بنیادی دقت کا ذکر بھی کیا ہے پھر بھی ہم ان سے اس ہفت خواں کو بھی سر کرلینے کی امید رکھتے ہیں' اگرچہ بھارت میں موجود نعت کے محقق اس کام کو نسبتاً آسانی سے کرسکتے ہیں۔ غوث میاں اور شہزاد احمد سے بھی اس کام کو تکمیل تک پہنچانے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ غوث میاں نے پہلے بھی قیام پاکستان سے پہلے چھپنے والے بہت سے نعتیہ گلدستوں کا ذکر تو کیا ہے۔ انھوں نے اس دور کے اہم ترین انتخاب "بوستان نعت" کو

دیکھ نہ سکنے کا اعتراف بھی کیا ہے' جبکہ راجا رشید محمود نے بھی کہا ہے کہ "اس انتخاب کی اہمیت اور افادیت آج بھی مسلم ہے۔" بھائی غوث میاں کے ریکارڈ کے لیے عرض گزار ہوں کہ "بوستان نعت" کے مرتب احمد علی سیف کلانوری خود بھی نعت نگار تھے۔ ان کا انتخاب ۲۰ر۱۔۶۹ سائز کے ۲۷۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور عمدہ کاغذ پر اشاعت پذیر ہوا تھا۔ یہ چھپا تو "فیروز پرنٹنگ ورکس ۱۱۹ سرکلر روڈ لاہور" میں تھا' لیکن اس کی اشاعت کا اہتمام نواب صادق پنجم شہریار بہاول پور نے کیا تھا۔ مرتب نے اس بات کا ذکر اپنے دو صفحات پر مشتمل مقدمہ بعنوان "وجہ تالیف" میں کیا ہے اور یہ تحریر انہوں نے ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۴۹ ہجری کے دن لکھی اس مجموعہ میں ہر اہم شاعر کی نعتیں ردیف وار جمع کی گئی ہیں۔

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے اپنے مضمون "پاکستان میں نعت نمبروں کی روایت" (مطبوعہ اوج نعت نمبر) کو چند مزید نعت نمبر لکھ کر مکمل کردیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا جو وہ اس مضمون کی ابتدا میں اپنے پہلے مضمون کا خلاصہ دے دیتے۔

جاذب قریشی اور آپ کا مضمون تنقید کے باب میں چلے جاتے تو شاید زیادہ مناسب ہوتا کہ تحسین و جائزہ بھی تنقید کا حصہ ہوتا ہے۔

نعت میں محتاط رویوں کی ضرورت کو ہمیشہ محسوس کیا گیا' لیکن دور موجود میں یہ ضرورت کچھ زیادہ بڑھ گئی ہے کہ پہلے عام طور پر وہ لوگ نعت کہتے تھے جن کا فطری رجحان اس موضوع کی طرف ہوتا تھا اور وہ دینی تعلیم رکھتے تھے۔ لیکن پاکستان میں ہر شاعر نعت کہنے کی سعادت حاصل کررہا ہے اور نعت کے موضوعات میں بہت وسعت آرہی ہے۔ اس لیے نعت میں احتیاط کے تقاضوں کو سامنے لانے کی ضرورت بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ غالباً یہی محسوس کرتے ہوئے رشید وارثی اور عزیز احسن نے اس کام کے لیے بڑے بھرپور انداز میں قلم اٹھایا ہے۔ دونوں حضرات قرآن پاک اور حدیث مبارکہ پر گہری نگاہ رکھتے ہیں اور ان کا ادبیات کا مطالعہ بھی وافر ہے' پھر انہوں نے پہلے ہونے والے احتساب سے بہتر انداز اختیار کیا ہے...... رشید وارثی نے ذم کے پہلو رکھنے اشعار کی نشان دہی کی' لیکن شعراء کرام کے نام نہیں دیئے۔ یہ روش اس اعتبار سے بہتر ہے کہ مقصود نعت نگاروں کی تحقیر نہیں' بلکہ ذم کے پہلوؤں کو سامنے لانا ہے' تاکہ نعت' معیاری بن سکے۔ عزیز احسن نے البتہ پورے اعتماد اور جرات سے شعراء کرام کے نام لے کر بے احتیاطیوں کی نشان دہی کی ہے' لیکن انہوں نے اپنا زاویہ نظر بتایا ہے۔

محبتیں بھی رہیں دل کو ٹھیس بھی نہ لگے
کسی کے سامنے اس طرح آئینہ رکھیے

اشتہارات سے پتا چلا ہے کہ ان دونوں حضرات اور ادیب رائے پوری نے ان موضوعات پر کتابیں تیار کرلیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں مزید فکری بالیدگی اور توازن سے نوازے۔

تنقید نعت' تخلیق نعت سے بھی کہیں مشکل کام ہے لہٰذا اس کام کو وسعت دینے والے احباب سے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ نعت کا فنی محاسبہ جس طرح چاہیں کریں' لیکن اس کے فکری پہلوؤں پر قلم اٹھاتے

ہوئے ہر نکتہ نظر و زاویہ فکر پر نگاہ رکھیں اور ہر پہلو کا بہ نظر عمیق جائزہ لے کر بات کریں۔ اختلافی معاملات میں احباب سے مشورہ کر لینے میں کچھ حرج نہیں ہوتا' بلکہ باہمی تبادلہ خیال سے کوئی نہ کوئی اور رخ بھی سامنے آسکتا ہے یہ دردمندانہ التماس اس لیے کر رہا ہوں کہ نعت کا احترام بہر صورت قائم رہنا چاہئے اور اس سے مختلف دینی مسالک کو قریب لانے کی سعی بھی ہونا چاہئے۔ یہ بات اس لیے بھی ضروری ہے کہ لوگوں کو بعد میں تنقید پر تنقید لکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہو اس ضمن میں آپ کو اپنا مدیرانہ استحقاق بھی بروئے کار لانا ہوگا۔

"فکر و فن" میں مضامین کا انتخاب شاندار اور جاندار ہے۔ مطالعات مجموعہ ہائے نعت کا یہ سلسلہ مفید ثابت ہوگا۔

"نعت رنگ شمارہ اول" کے مطالعہ کے بعد ضروری لگا ہے کہ نعت میں تحقیق' تدوین' تنقید اور تخلیق کا کام کرنے والے صاحب نظر لوگوں کو یکجا کر کے "مسائل نعت" پر کوئی سمپوزیم ہو اور اس کی کارروائی "نعت رنگ" کے کسی شمارے کا حصہ بنے۔ سمپوزیم کا ایجنڈا طے کر کے مختلف مسائل پر ناقدین سے اشاراتی بلکہ کلیدی مضامین لکھوائے جائیں اور ان پر بحث کے بعد کچھ نتائج مرتب ہوں۔ اس منصوبے پر اپنے رفقاء کار اور دوسرے اسکالرز سے مشوروں کے بعد' اگر تجویز اچھی لگے تو اسے عملی جامہ پہنانے کی اپنی سعی کرنا چاہئے۔

آپ کی محبت اور "شوق نے بات کیا بڑھائی ہے" ورنہ ایک کم علم' کوتاہ قلم اور بیماری کے تھکائے آدمی سے کیا توقع ہو سکتی ہے...... کسی مدیر کے نام یہ میرا (غالباً) پہلا خط ہے اور رواروی میں جانے کیا کچھ لکھ گیا ہوں۔ اس کی اشاعت نہ ہو تو بہتر ہے کہ یہ صرف آپ کے لیے ہے۔

آپ کو بہت اچھے ساتھی' معاونت اور مشاورت میسر ہیں اور نہایت اہم ادیب و شاعر آپ سے تعاون کر رہے ہیں۔ یہ آپ کی محبت اور بڑوں کے ادب کی وجہ سے ہے اور بہت بڑی خوش بختی اللہ کریم آپ کے ذوق و شوق اور توفیقات میں اضافہ فرمائیں۔ جملہ احباب' متعلقین اور اپنے اہل خانہ کو سلام اور دعائیں پہنچانے کی زحمت اٹھائیں۔ خدا کرے آپ سبھی عافیت سے ہوں۔

مخلص

حفیظ تائب

۱۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء

مظفر وارثی۔ لاہور

برادر عزیز صبیح رحمانی صاحب

سلام مسنون

ایک بار آنکھ کا آپریشن ہوا دو ماہ بعد ڈاکٹر صاحب نے انکشاف فرمایا آپریشن غلط رہا۔ انٹر آکو ریلنس درست

نہیں رکھا جاسکا دوبارہ آپریشن ہوا۔ اب اس کی قید دوستی کاٹ رہا ہوں' سارے لکھنے پڑھنے کے کام ٹھپ پڑے ہیں۔ قطعہ بھی خبریں (اخبار) بچوں سے سن کر لکھتا ہوں "نعت رنگ" بمشکل طائرانہ بھی ایک آنکھ (پرانی آنکھ) سے دیکھا بہت وقیع اور معلوماتی لگا تفصیل سے پڑھوں گا تو زیادہ لطف آئے گا امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے

دوستوں کو سلام

مظفر وارثی

۹۵-۸-۳

ریاض حسین چودھری۔لاہور

برادرم صبیح رحمانی

السلام علیکم' مزاج گرامی'

نعت رنگ پر تبصرہ غالباً نوائے وقت میں پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ تبصرہ پڑھ کر پرچہ دیکھنے کا اشتیاق ہوا۔ گزشتہ روز راجا رشید محمود کے ہاں "نعت رنگ" دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس دلاویز اشاعت پر دلی مبارکباد قبول فرمائیں' نعت اگر ایک صنف سخن ہے اور ہے تو اس پر فنی حوالوں سے تنقید کیوں نہیں ہو سکتی' اگر ہم نے نعت کو محض ثواب (اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت گوئی بہت بڑی سعادت ہے جو توفیق خداوندی سے ملتی ہے) کمانے کا ذریعہ بنالیا تو نعت بحیثیت صنف سخن جمود کا شکار ہو جائے گی' آپ کی کاوش جرات مندانہ بھی ہے' مکرر مبارکباد قبول فرمائیں۔

عرش ہاشمی۔اسلام آباد

مکرم و محترم جناب عزیز احسن صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'

آپ کی جانب سے تحفہ خاص بصورت "نعت رنگ" موصول ہوا۔ متعدد روز تک رات گئے تک مطالعہ جاری رہا۔ آج کل کراچی سے ہی بہت سے مہمان تشریف لائے ہوئے ہیں لہٰذا مطالعہ کا سلسلہ عارضی طور پر تعطل کا شکار ہے۔

بہرحال مجموعی طور پر ادارہ اقلیم نعت اور خصوصی طور پر آپ اور صبیح رحمانی صاحب ہر ادب دوست اور نعت سے محبت رکھنے والے شاعر و ادیب کے دلی سپاس و تشکر کے حقدار ہیں۔ آپ کی محبت اور کاوش کا منہ بولتا

ثبوت نعت رنگ کا پہلا ہی زبردست قسم کا معرکۃ الآرا شمارہ ہمارے سامنے ہے۔ جو کہ صوری اور معنوی دونوں اعتبار سے ایک اعلیٰ معیار پر پورا اترتا ہے۔

اختصار کے ساتھ چند تاثرات پیش کرتا ہوں جو اب تک کے مطالعے کے بعد میرے ذہن میں باتیں آئی ہیں، وہ عرض کئے دے رہا ہوں۔ شاید کسی غور و فکر کے لائق ہوں۔

ا ۔ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے ہرگز " ؐ " استعمال نہ کیا جائے کیونکہ اہل علم و ادب کے نزدیک یہ درست نہیں۔

ب ۔ محض لفظ "نعت" لکھتے وقت بھی (خصوصاً راجا رشید محمود صاحب کے مضمون میں) " ؐ " کا استعمال محل نظر ہے۔

ج ۔ ادارے کے اراکین میں تیسرا نام محمد انور حسین صدیقی جو آغاز میں نظر آیا پورے نعت رنگ میں غالباً پھر کہیں نظر سے نہیں گذرا۔ نثر و شعر دونوں حصوں میں.....؟

د ۔ جناب صبیح رحمانی مدظلہ، کی نعت گل چیدہ کے تحت شامل نہ کر کے قارئین کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔

ہ ۔ فہرست میں، جبکہ گنجائش موجود تھی، اگر گل چیدہ کو علیحدہ عنوان قائم کر کے شعرائے کرام کے اسمائے گرامی شامل کئے جاتے تو فہرست مزید پرکشش اور اثر انگیز ہوتی۔

و ۔ کتاب کی اغلاط کہیں کہیں رہ گئیں گویا پروف ریڈنگ کے ذمہ دار احباب کو زیادہ عمیق نظری سے کام لینا ہو گا۔ خصوصاً آیات مقدسہ کے باب میں مزید احتیاط چاہیے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالے ہم سب کو اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن اطہر و مطہر سے وابستہ رکھے اور بیش از پیش مساعی جمیلہ کی توفیق مرتب فرمائے۔ جناب صبیح رحمانی کی خدمت میں میرا سلام پہنچایئے گا۔ نعت شریف "روشنی ردیف والی" ارسال کر رہا ہوں اپنے تاثرات سے آگاہ فرمایئے گا۔ اہل خانہ کو میری جانب سے سلام اور بچوں کو دعائیں۔ تفصیلی خط انشاء اللہ جلد تحریر کرنے کی کوشش کروں گا۔

والسلام
آپ کا عرش ہاشمی
۱۵ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ

مجید فکری..... کراچی

صاحبان علم و فن، عزیزی و محبی، مدیران نعت رنگ

صبیح رحمانی

عزیز احسن

انور حسین صدیقی

اسلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکات

نعت رنگ کا اجراء ایک احسن کارنامہ ہے، اور تمام عہدیداران اراکین (اقلیم نعت) مبارکباد کے مستحق ہیں۔ نعت رنگ کے علمی و تحقیقی مضامین سے نہ صرف اہل قلم بلکہ و دیگر قارئین کرام بھی اصلاح عمل کو اپنا شعار بنائیں گے

درحقیقت یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہمارے شعراء حضرات نے نعت کے سلسلہ میں بہت کم کام کیا ہے، اور یہ کوئی خوش آئند بات نہیں جبکہ وہ غزل لکھنے میں بہت آگے بڑھ چکے ہیں حالانکہ نعت حضور سے محبت کا بہترین ذریعہ اظہار ہے۔ لیکن ادارہ اقلیم نعت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح محبت کا حق نبھایا ہے کہ نہ صرف شعراء کو نعت لکھنے کی ترغیب دی ہے بلکہ نعت کے باب میں بڑے تحقیقی اور علمی مضامین بھی لکھائے ہیں۔

اقلم نعت نے نعت رنگ کا اجراء کر کے نعت کے حوالہ سے جو جو معلومات فراہم کی ہیں وہ ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اس سے پہلے شاہدرہ کالج لاہور کے مجلّہ "اوج" کا مطالع کرچکا ہوں جو نعت کے ضمن میں قابل تحسین بلکہ یادگار کارنامہ ہے جس کے لیے ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی قابل تعریف ہیں۔ بعد ازاں آپ نے یہ بیڑہ اٹھایا جس میں آپ بہت حد تک کامیاب بھی رہے اور مزید کام کے خواہشمند ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہترین اجر دے اور رسول اکرمؐ سے محبت کا سلسلہ میں کامیابی و کامرانی سے نوازے۔

نعت رنگ کا اجمال خالق برتر کی حمد (سحر انصاری) اور حرف ثناء کے عنوان سے تمام شعراء کے ہائیکو بہت خوب ہیں۔ خاص کر صبیح رحمانی کا یہ حمدیہ ہائیکو۔

اے رب رحمان\
صورت کے طالب ہیں ہم\
بے چہرہ انسان

بہت پسند آیا۔

شبنم رومانی کا انداز تحریر جدید انداز میں نعت کا بہترین رنگ ہے جبکہ سعید بدر کا مضمون "نعت کیا ہے" اور نعت کا سفر جسے سید آل احمد رضوی نے تحریر کیا ہے نعت کے بارے میں بہترین مضامین کہے جاسکتے ہیں۔ لیکن میری خاص توجہ نعت رنگ میں شامل دو مضامین پر زیادہ مرکوز رہی چونکہ یہ اپنے عنوانات کے تحت خاصے اچھے مضامین ہیں۔ ان دونوں مضامین نے مجھے خاصا Inspire کیا۔ ان دو مضامین میں ایک ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کا مضمون "تخلیق پاکستان اور ہماری نعتیہ شاعری اور نوجوان محقق اور نقاد عزیز احسن کا مضمون "نعت نبی میں زبان و بیان کی بے احتیاطیاں" یہ دونوں مضامین میرے نزدیک بڑی تحقیق و تجسس اور عمیق مطالعہ کے بعد لکھے گئے ہیں اور ان حضرات کی تجر علمی کا غماز ہیں جبکہ جاذب قریشی، عاصی کرنالی، ادیب رائے پوری، حنیف اسعدی، حفیظ تائب اور تابش دہلوی نے بھی اچھے مضامین تحریر کئے ہیں۔ میں ایک بار پھر اس بیش بہا کاوش نعت رنگ پر صبیح رحمانی صاحب کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

احقر مجید فکری

۲۶ اکتوبر ۱۹۹۵ء

شاہنواز مرزا۔ کراچی

جناب صبیح رحمانی۔ سلام نیاز

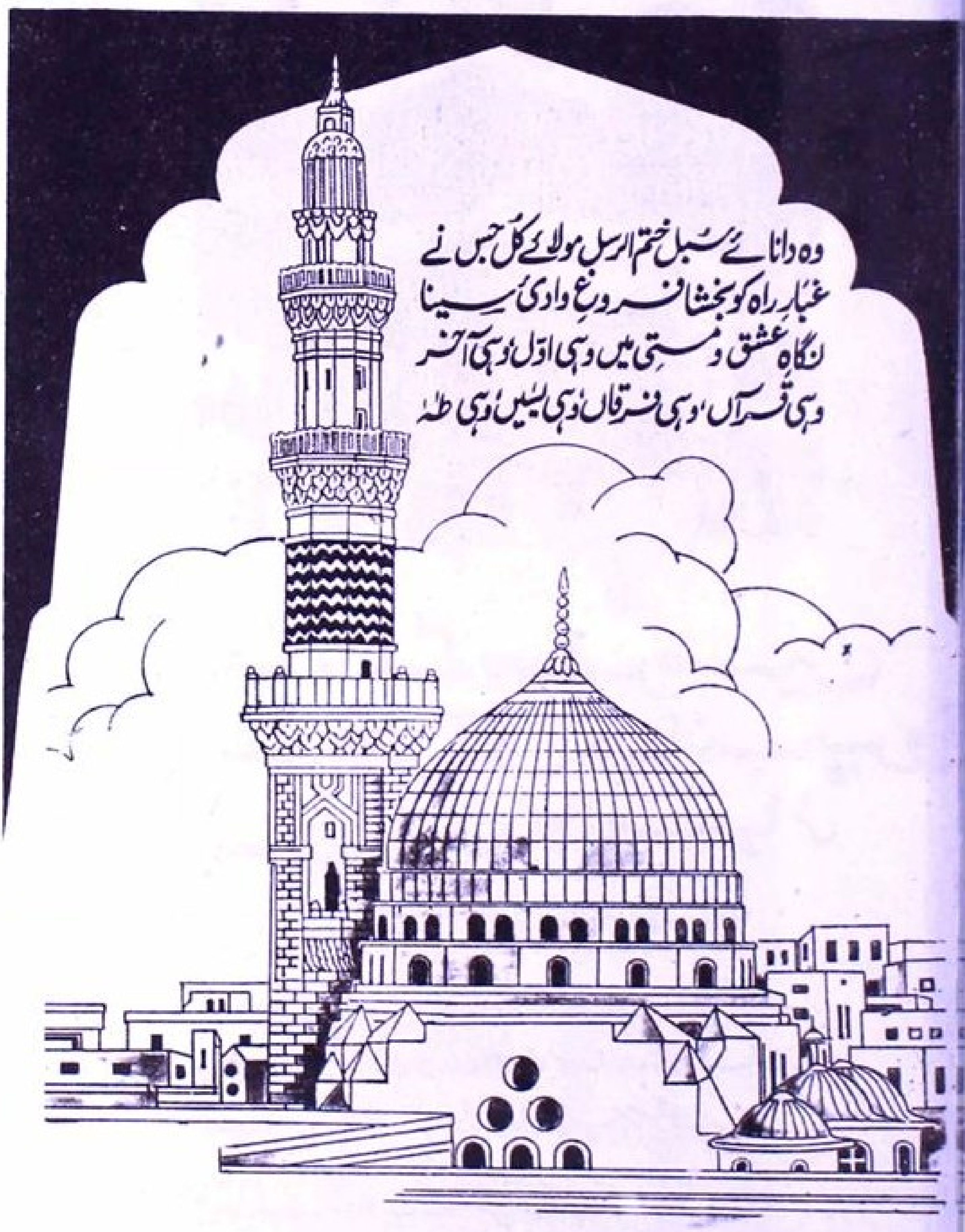
نعت رنگ کی اشاعت پر ہدیہ تبریک و تہنیت!

ہمارے شعروادب میں گذشتہ دو دہائیاں اس لحاظ سے بڑے روشن اور کھلی حقیقت کی مظہر ہیں کہ نعت کا احیاء ابلاغ اور فروغ جس تیزی کے ساتھ اس دور میں ہوا وہ کبھی پہلے یوں ان نہ تھا۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اسی کے ساتھ ساتھ ہمارے صاحبان فکر و نظر اس تمام کام پر اپنے تنقیدی و تحقیقی نقطہ نظر کو بھی شامل رکھتے مگر صد افسوس کہ اتنے اہم موضوع پر کوئی بڑا کام ہمارے سامنے نہیں۔

نعت رنگ کی صورت نقد و نظر کے تناظر میں جس اہم کام کی جانب آپ نے پہل کی ہے نقد و نظر کے باب میں نشان راہ بن کر مستقبل میں وہ ایک حوالے کے طور پر پیش کیا جاسکے گا۔ اور یقیناً بعد کے آنے والوں کی وہ راہنمائی اس ذریعے سے ہو سکے گی جس سے لوگ اب تک محروم رہے۔ نعت رنگ کی طباعت میں جو تزئین و ترتیب آپ نے پیش کی ہے وہ نہ صرف عوام و خواص میں مقبول ہوگی اور بلکہ انشاء اللہ آخرت میں بھی اجر و ثواب کا باعث ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمت اور موافق و ساز گار ماحول عطا فرمائے اور آپ کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔ قلمی تعاون اور نیک تمناؤں کے ساتھ۔

شاہنواز مرزا نواز





وہ دانائے سُبل ختم الرسل مولائے کُل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ
PSO
پاکستان اسٹیٹ آئل


ایم سی بی خوشحالی بچت اکاؤنٹ
آج کی بچت کل کی خوشحالی
ایک یقینی مستقبل کی شروعات زیادہ محفوظ، مستحکم اور منافع بخش
ایم سی بی خوشحالی بچت اکاؤنٹ
سے کیجئے۔
آج ایم سی بی خوشحالی بچت اکاؤنٹ کا بیج بوئیں۔
کل خوشحالی کی سدا بہار فصل کاٹیں۔
کسی عام اکاؤنٹ میں فوری فوائد کی بنیاد پر سرمایہ منجمد نہ کریں۔ اپنی بچت کو
ایم سی بی خوشحالی بچت اکاؤنٹ میں جمع کرائیں۔ جہاں مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ
اور اقتصادی حالات کی غیر یقینی کے باوجود آپ کا سرمایہ تیزی سے
پھلتا پھولتا ہے۔
سال بہ سال۔ آپ کی بچت
زیادہ پھل دار ایک پھل دار درخت کی طرح ایم سی بی
خوشحالی بچت اکاؤنٹ زیادہ سے زیادہ منافع دیتا ہے۔ آپ کی
بچت پر ۸ فیصد سالانہ منافع آپ کے بہتر مستقبل کی
ضمانت ہے۔
ہر چھ ماہ بعد آپ کے اوسطاً یومیہ
بیلنس پر منافع کی ادائیگی۔ آپ کے مزید
فائدے کے لئے ہم آپ کے اوسطاً یومیہ بیلنس پر مقررہ شرح کے مطابق منافع ہر چھ ماہ
بعد ادا کریں گے جب کہ عام روایتی سیونگ اکاؤنٹس میں کم از کم ماہانہ بیلنس
پر منافع دیا جاتا ہے۔ لہٰذا ایم سی بی خوشحالی بچت اکاؤنٹ میں آپ کا منافع
تیزی سے بڑھتا ہے۔
خوشحالی بچت اکاؤنٹ سے یوٹیلٹی بلز
کی ادائیگی کو اور بھی آسان بنائیں۔
پاکستان میں پہلی بار خوشحالی بچت اکاؤنٹ کے ذریعے یوٹیلٹی بلز
(بجلی، گیس اور ٹیلی فون) کی فوری ادائیگی۔ انتظار کی زحمت،
بچت۔ منافع اور سہولت
خوشحالی
بچت
اکاؤنٹ
MCB
مسلم کمرشل بینک لمیٹڈ
اچھی بینکاری کی بہترین بینکاری
*برائے ختم شدہ سال دسمبر ۱۹۹۰ء
The Circuit

Sura
Fatiha 1

I begin in the name of Allah Who is Most Gracious and Most Merciful

All the Glories and the praises are due to Allah alone, Rab of the worlds 1.

The Most Kind, the Most Merciful 2.

The Sovereign of the Day of Judgement 3.

We do worship, to You alone and we seek help only from You 4.

You guide us in the straight path 5. The path of those persons who received your blessings 6. Not of those people who have earned your wrath and also not of those who are lost 7.

ساری تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے ①

جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے ②

جو روز جزا کا مالک ہے ③

ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں ④

تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا دے ⑤

ان کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے ⑥

نہ ان کا راستہ جن پر تیرا غضب ہوا

اور نہ ہی گمراہوں کا راستہ ⑦

بسم الله الرحمن الرحيم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

Worlds Rab of For Allah All praises thanks

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

Most Merciful Most Kind

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

Day of Judgement Sovereign of

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

We seek help Alone you We worship Alone you

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝

straight Path show us

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

On whom Your grace those Path of

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ

On whom Your wrath Not

وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

Those astrayed Nor of

Sura
Fatiha 1

Bismillaahir-Rahmaanir-Rahiim.

'Al-Hamdu Lil-laahi Rab-bil-Aalamiin: 1

'Ar-Rahmaa-nir-Rahiim: 2

Maaliki Yawmid D[illegible]

'Iyyaaka Na-budu Wa-'iyyaaka Nasta-[illegible]: 4

Ihdinas-Siraat[illegible] Mustaqiim: 5

Siraatal-Laziina A-amta Alaiy-him: 6

Ghaiyril-Magh[illegible] Alaiy-him

Wa Lad Daaalliin

Please Register & Book

My Name ______________________

Address ______________________

____

Phone(s) ______________________

Fax if any ______________________

Please let me know the charges and its mode of payment.

Thanking You

Signature

P.S. DO NOT TEAR THIS FORM. MAKE PHOTOCOPY.

Al Quran-ul-Mobeen
22-D Block D, North Nazimabad, Karachi.
Phones: 6633514-6635297 Fax: (92-21) 2563714



یونیورسٹی روڈ کے ساتھ
200 فٹ چوڑے مین روڈ پر
تعمیراتی کام تیزی سے جاری ہے
اتحاد ٹیرس
ARCH
VISION
ARCHITECTS
ENGINEER
5000
1300
160000
بکنگ اور تفصیلات کے لیے
اتحاد اسٹیٹس
ITTEHAD ESTATES
بالمقابل سفاری پارک گلشن اقبال کراچی
فون: 4981046 4978092 479720